عثمانیوں نے اپنی سلطنت میں شامل کر لی.

مآخذ: (۱) قانتا قُوزِن (Cantacuzenus)، ۲: ۲۸ بعد؛ ۳: ۷، ۵۶، ۶۳ بعد، ۸۶، ۸۹، ۹۵؛ (۲) مُکرِمین خلیل (Mükrimin Ḥalil): دُستور نامۂ انوری، مدُخَل، استانبول ۱۹۳۰ء؛ (۳) ہمّت اَقین (Himmet Akin): اَیدین اوغولری تاریخی حقّنده بر آراشتِیرمَه *Aydin Oğullari Tarihi hakkİnda bir Araştİrma*، استانبول ۱۹۴۶ء؛ (۴) -I. Melikoff Sayar: *Le Destān d' Umūr Pacha*، پیرس ۱۹۵۴ء .

(I. MELIKOFF)

----

* **آیُوَالِق** (Aywalik؛ یونانی میں کِیڈوُنیا Kydonia): مغربی آناطولی میں بحیرۂ ایجہ کے ساحل پر ایک چھوٹا سا شہر، جو خلیج اِدرمِیدْ (Edremit) کے ایک جزیرہ نما میں، ۳۹° ۱۸' شمالی اور ۲۶° ۴۰' مشرق پر، جزیرۂ مِتیلینِہ (Mytilene) ؛ مِدِلّلی Midlli) کے بالمقابل واقع ہے اور ولایتِ بالیکسر [رک بآن] [خداوندگار] میں اسی نام کی ایک قضا کا ایک صدر مقام ہے۔ ۱۹۴۵ء میں یہاں کی آبادی ۱۳،۶۵۰ تھی (کُوینے (V. Cuinet) گزشتہ صدی کے آخر میں باشندوں کی تعداد ۲۰،۹۷۴ بتاتا ہے، جو زیادہ تر کلیسائے یونان کے پیرو تھے) اور قضا کی آبادی ۲۴،۲۴۷۔ خلیج مذکور میں ایک چھوٹا سا مجمع الجزائر ہے جسے یُونْد اَطَہ لَری کہتے ہیں اور جو ازمنۂ قدیم میں ہکاتونیسُوای (Hekatonnesoi) کے نام سے مشہور تھا.

یونان کی جنگِ آزادی (۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ء) میں آیُوَالِق بالکل برباد ہوگیا تھا لیکن جلد ہی اُسے اپنی سابق خوش حالی دوبارہ حاصل ہوگئی۔ عہد نامۂ ترکی و یونان (۳۰ جنوری ۱۹۲۳ء) کی رُو سے جب اقلیّتوں کے تبادلے کا اصول طے ہوگیا تو یونانی باشندے، جو یہاں کی آبادی میں اُس وقت تک اکثریت کا درجہ رکھتے تھے، یہاں سے چلے گئے اور اُن کی جگہ پر مِدِلّلی، کُرِیدْ (کریٹ یا اقریطش) اور مقدونیا سے واپس آنے والے ترک آباد ہوگئے۔ آج کل یہاں کی پوری آبادی مسلمان ترکوں پر مشتمل ہے.

مآخذ: (۱) پاؤلی وِسّوا (Pauly-Wissowa)، ۷: ۲۷۹۹ (Hekatonnesoi)؛ ۹: ۲۳۰۷ (Kydonia)؛ (۲) A. Philippson: *Reisen und Forschungen im westlichen KIeinasien*، ۱: ۳۱ و ۸۶ بعد؛ (۳) تیکسیے (Ch. Texier): *Asie Mineure*، ۲۰۷؛ (۴) کُوِینے (V. Cuinet): *La Turquie d' Asie*، ۴: ۲۶۸-۲۷۱؛ (۵) جَودت پاشا: تأریخ، ۱۱: ۲۸۳-۲۸۵ (شہر کی تباہی کے اسباب کے بارے میں جزئیات)؛ (۶) *IA*، ۲: ۸۷ (بِیسیم دار کوت Besim Darkot).

(FR. TAESCHNER تیشنر)

----

* **اَب**: رک بہ ابو.

----

* **اِباضِیّہ**: خَوارِج [رک بآن] کی بڑی شاخوں میں سے ایک؛ یہ لوگ موجودہ زمانے میں عُمان، مشرقی افریقہ، طرابلس الغرب اور جنوبی الجزائر میں آباد ملتے ہیں.

ان کا نام عبداللہ بن اِباض المُرّی التمیمی کے نام سے ماخوذ ہے، جسے ان کا سرِ سلسلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس نام کی عام طور پر مروّجہ شکل اَباضِیّہ بالفتح ہے گو ہمعصر اِباضی مصنّفین کے ہاں اکثر یہ کلمہ اِباضِیّہ کی صورت میں مستعمل ہے اور اسے وہ زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ فرقۂ مذکور کے دیگر ناموں میں شُراۃ بالخصوص معروف ہے.

معلوم ہوتا ہے کہ اِباضیّہ کا آغاز ۶۵ھ سے قبل ہو چکا تھا، جب از روے روایت عبداللہ بن اِباض نے انتہا پسند خوارج سے علٰیحدگی اختیار کی۔ اس فرقے کی ابتدائی تاریخ کو غالبًا 'قَعَدَہ' (تسلیم پسند) خوارج کے ان گروہوں سے متعلق سمجھنا چاہیے جو پہلی صدی ہجری کے وسط میں ابو بلال مِرداس بن اُدَیّہ التمیمی کے گرد بصرے میں جمع ہوگئے تھے اور جن سے صُفریّہ خوارج بھی متفرّع ہوے۔ ابو بلال کی وفات کے بعد اعتدال پسندوں کی قیادت عبداللہ بن اِباض نے سنبھالی، کیونکہ ۶۵ھ ہی سے وہ اَزْرَقِیَّہ سے قطع تعلق کر چکا تھا۔ جب اَزْرَقِیَّہ نے بنی امیّہ کے خلاف اپنے 'خُروج' کے موقع پر بصرہ چھوڑ دیا تو ابنِ اِباض اپنے پیرووں سمیت وہیں مقیم رہا۔ اِباضیّہ کی تاریخ کے دَورِ اوّل کو، جو اس واقعے سے شروع ہوتا ہے، ''کِتمان'' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ مآخذ میں ابنِ اِباض کو بارہا 'امام التّحقیق' یا 'امام المسلمین' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ایک خفیہ دینی حکومت یعنی نام نہاد 'جماعت المسلمین' کے قائد کی حیثیّت سے اس کے معیّن وظیفے کی جانب اس خطاب میں شاید ایک اشارہ نظر آتا ہے۔ مگر ابن اِباض اور خلیفہ عبدالملک کے درمیان ضرور دوستانہ تعلّقات ہی قائم رہے ہوں گے۔ اس کی تاریخ وفات معلوم نہیں.

ابن اباض کا جانشین [ابوالشّعثاء] جابر بن زید الاَزْدِی بنی اُمیّہ کے بارے میں اُسی کی حکمتِ عملی پر بدستور کاربند رہا۔ جابِر اِباضیہ کا سب سے بڑا عالم اور عُمان کے ایک مقام نُزْوَہ کا رہنے والا تھا اور ۱۰۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوا۔ اسے اس کے زمانے کے سبھی مسلمان بہت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسی نے غالبًا احادیث کے قدیم ترین [مجموعوں میں سے ایک] مجموعہ ترتیب دیا تھا۔ اس نے اِباضیّہ کے عقائد کو باقاعدہ منضبط کیا اور اسی لیے وہ 'عُمْدَۃ الْاِباضیّۃ' یا 'اَصل المذہب' کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح اس فرقے کی صحیح تنظیم بھی شاید اسی کی مرہونِ منّت ہے۔ عین اس زمانے میں جب الحجّاج انتہا پسند خوارج کے ساتھ برسرِ جنگ تھا وہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلّقات قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا.

پہلی صدی ہجری کے آخر میں بصرے کے اِباضیّہ، جن کے روابط آلِ

مہلّب سے بھی قائم تھے، زیادہ انتہا پسند ہوگئے اور اسی باعث ان کا وہاں کے والی سے بگاڑ پیدا ہوگیا۔ ان کے اکثر سرکردہ افراد، جن میں خود جابر بھی شامل تھا، عُمان کی طرف جلاوطن کر دیے گئے۔ اس کا شاگرد اور جانشین ابوعُبَیدہ مُسلِم بن ابی کَرِیمہ التّمیمی گرفتار ہوگیا لیکن الحَجّاج کی وفات (۹۵ھ) کے بعد اباضِیّہ کی قیادت اس کے سپرد کر دی گئی۔ ابوعبیدہ ممتاز عالم تھا۔ اس نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا۔ تمام عالَمِ اسلام سے لوگ اِباضی تعلیم پانے کے لیے اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ [حضرت] عمر ثانیؒ کی وفات کے بعد اباضیّہ کے لیے سازگار حالات ختم ہوگئے اور اس زمانے میں ان کے ہاں انقلابی رجحانات نظر آنے لگے۔ شروع شروع میں تو ابوعُبَیدہ راست اِقدام کا مخالف تھا لیکن جماعت میں تفرقے کے ڈر سے اس نے اپنا رویّہ بدل ڈالا۔ تاہم وہ شہر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، جیسا کہ قبل ازیں اَزرَقِیّہ کر چکے تھے، چنانچہ اس نے خلافت بنی امیّہ کے کھنڈروں پر اِباضیّہ کی ایک عالمگیر امامت قائم کرنے کی خاطر مختلف صوبوں میں بغاوتیں برپا کرانے کا منصوبہ بنایا۔ بصرے میں اس نے ایک تعلیمی مرکز قائم کیا، جہاں (عالَمِ اسلام کے) ہر حصّے سے طلبہ آتے تھے اور یہاں انھیں مُبلّغ بننے کی تربیت دی جاتی تھی۔ ان ''حَمَلَۃُ العِلْم'' کی مختلف جماعتوں کا کام یہ تھا کہ اپنے خیالات وعقائد کی تبلیغ کریں اور جب پیرووں کی خاصی تعداد جمع ہوجائے تو حالتِ ظُہور (عام بغاوت) کا اعلان کر دیں۔ ابوعُبیدہ کا یہ اقدام بے حد کامیاب رہا اور چند ہی سال میں اِباضی تعلیمات متعدّد اسلامی ممالک میں پھیل گئیں۔

ابوعُبیدہ کی وفات کے بعد (اور المنصور کے عہدِ خلافت ہی میں) بصرے کے فرقہ اباضِیّہ کا زوال شروع ہوگیا تھا۔

بصرے کے باہر اِباضی جماعتیں:

عراق (بالخصوص کوفہ) اور الجزیرہ (بالخصوص موصل) میں اِباضی جماعتوں کا وجود خاصی مدّت تک باقی رہا۔

مکّے، مدینے اور وسطی عرب میں بھی یہ جماعتیں دوسری صدی ہجری میں موجود تھیں۔ جنوبی عرب میں اِباضیّہ کی ایک بغاوت ۱۲۸-۱۲۹ھ میں برپا ہوئی۔ اس بغاوت سے نہ صرف حَضرَمَوت اور صَنعا امویوں کے ہاتھ سے جاتے رہے بلکہ کچھ عرصے کے لیے یہ بغاوت مکّے اور مدینے میں بھی پھیلی رہی۔ ۱۳۰ھ میں وادی القُریٰ کے قریب اِباضیّہ کو قطعی شکست دے دی گئی۔

عُمان میں اِباضِیّہ کی ابتدائی تاریخ کا بڑا گہرا تعلق ابو بِلال کی جماعت کی فعالیّت کے ساتھ نظر آتا ہے، جو اباضیوں سے پہلے وجود میں آ چکی تھی۔ بہر حال دوسری صدی ہجری کے نصفِ اوّل میں اِباضی دعوت پہلے سے زیادہ شدّت کے ساتھ مصروفِ عمل ہوگئی۔ ۱۳۲ھ میں یہاں ایک بغاوت برپا ہوئی، جس کا قائد اس ملک کے سابق فرمانروا کی نسل میں سے ایک شخص الجُلَنْدیٰ بن مسعود نامی تھا، جسے امام منتخب کیا گیا تھا۔ بنوعبّاس کی ایک مہمّ کے نتیجے کے طور پر جب چند برس بعد اس امامت کا خاتمہ ہوگیا تو دوسری صدی ہجری کے نصفِ آخر کے قریب ایک نئی سرگرمی کا آغاز ہوا، جس کا مرکز شہر نَزْوَہ تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کچھ ہی عرصے بعد بصرے کے 'مشائخ' نے ڈیرا جمایا اور اس طرح یہ علاقہ اِباضیّہ کا روحانی مرکز بن گیا۔ ۲۸۰ھ تک عُمان کے اِباضیّہ خود مختار رہے؛ اسی سال بنوعبّاس نے ملک کو دوبارہ فتح کر لیا۔ ۴۰۰ھ کے بعد عبّاسیوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ آج کل عُمان میں اباضِیّت غافِری اور ہِناوِی قبائل کی بڑی بڑی شاخوں کا مذہب ہے۔

مشرقی افریقہ میں بیشتر اباضی آج کل زَنجبار میں آباد ہیں۔ ایران (جزیرۂ قِشْم اور خراسان) میں بھی یہ فرقہ قرونِ وسطیٰ میں پھیل گیا تھا۔ اُس زمانے میں اِباضیّہ عُمان میں بیٹھ کر سندھ کو بھی متاثّر کرتے رہتے تھے۔

کچھ مدّت تک شمالی افریقہ کے اِباضِیّہ نے اپنے فرقے کی تاریخ میں اہمّ ترین کردار ادا کیا۔ دوسری صدی کے اوائل میں بصرے کا ایک شخص سَلامہ بن سَعِید مبلّغ کی حیثیت سے قَیرُوان میں سرگرمِ عمل رہا۔ اس کے جلد ہی بعد طرابُلُس الغرب میں ایک اِباضی ریاست قائم ہوگئی، جس کا خاتمہ تو ۱۳۲ھ کے قریب ہوگیا مگر یہاں کی آبادی بدستور اِباضی ہی رہی۔ بصرے کے ساتھ ان بربروں کے بڑے گہرے روابط بدستور استوار رہے۔ ابوعُبَیدہ کے تربیّت کردہ مبلّغین کی ایک جماعت کی سرگرمیوں کے باعث ۱۴۰ھ میں طرابُلُس الغرب میں ایک نیا امام منتخب کیا گیا؛ یہ ابو الخَطّاب تھا۔ ہَوّارہ، نَفُوسَہ کے بربر قبائل اور دوسرے قبیلوں نے، جو اس کے زیرِ قیادت تھے، پورا ملک فتح کر لیا اور ۱۴۱ھ میں وَرفَجُّومہ کے الصُّفریّہ سے قَیرُوان بھی چھین لیا۔ ابو الخَطّاب کی امامت میں ایک وسیع علاقہ شامل تھا لیکن ۱۴۴ھ میں بنوعبّاس کے ایک لشکر نے تاوَرغَہ کے قریب شکست دے کر اُسے ختم کر ڈالا۔ آہستہ آہستہ بنوعبّاس کے خلاف مقاومت کے نئے نئے مرکز قائم ہونے لگے؛ چنانچہ قَیرُوان کے ایک سابق اِباضی عامل عبدالرحمن بن رُستُم نے سُوف اَجّاج اور بعد ازاں تاہَرت میں ایک ریاست قائم کر لی، جہاں کئی اِباضی بربروں کے قبیلے اس کے گرد جمع ہوگئے۔ مختلف قائدین کی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۵۱ھ میں شمالی افریقہ میں ایک بغاوت برپا ہوگئی، جس میں صُفرِیّہ نے بھی حصّہ لیا۔ اس تحریک کا سربراہ ابو حاتم تھا، جس نے 'امام الدِّفاع' (دیکھیے نیچے کی سطور) کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ بالآخر ۱۵۵ھ میں اس نے عبّاسی لشکر سے شکست کھائی۔ اس شکست کے بعد شمالی افریقہ کے اباضِیّہ کا سب سے بڑا مرکز تاہَرت بن گیا، جس کے فرمانروا عبدالرّحمن بن رُستُم کو ۱۶۰ھ (یا ۱۶۱ھ) میں امام منتخب کیا گیا تھا۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ابن رُستُم کا جانشین عبدالوہّاب افریقیّہ کے تمام اِباضی علاقوں اور قبیلوں کو اپنے تحت متّحد کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بصرے اور عام بلادِ مشرق کی اِباضی جماعتوں نے رُستَمی سیادت تسلیم کر لی۔ سیاسی فرقہ بندیاں اور بنو اَغلَب کی کامیابیاں تیسری صدی ہجری کے نصفِ آخر میں تاہَرت کی امامت کے زوال پر منتج ہوئیں۔ چوتھی صدی ہجری کے نصفِ اوّل میں جب بھی بغاوت کی کوشش کی گئی اسے بنی فاطمہ

نے پوری طرح کچل ڈالا، چنانچہ اس کے بعد اِباضِیّہ نے حالتِ 'کِتمان' کی طرف مراجعت اختیار کر لی۔ المغرب اور افریقیۃ میں چھوٹی چھوٹی اِباضی۔ وَہْبی تنظیمات شکل پذیر ہوئیں۔ ان میں معروف ترین جماعت جَبَلِ نَفُوسہ کی ہے، جس کے تیسری صدی ہجری کے نصفِ آخر سے اپنے ہی سربراہ تھے۔ بعدازاں یہاں ایک دینی طرز کی حکومت منظرِ عام پر آئی، جوان مشیروں پر مشتمل تھی جنھیں 'عَزّابہ' کہتے تھے اور اُن کا سربراہ ایک 'شیخ' ہوتا تھا۔ بنو ہلال کی لشکر کشی (۴۴۳ھ) کے بعد شمالی افریقہ کے اِباضِیّہ گھٹتے گھٹتے اپنی موجودہ حالت پر آ رہے۔ ساتویں صدی ہجری میں صحرائے اعظم کی بیشتر اِباضی آبادیاں ابن غَنِیّہ نے نیست و نابود کر دیں۔ ان میں سے جو اہمّ ترین جماعتیں باقی رہیں وہ جَبَلِ نَفُوسہ، جزیرۂ جَرْبہ، بِلادالجَرِید، رِغْ، وَرْجلان اور مزاب کے نخلستانوں کی ہیں۔ بایں ہمہ افریقہ اور بلادِ مشرق کے اِباضی علما کے درمیان روابط ہمیشہ قائم رہے۔

مشرقی سُودان میں بھی اِباضی عقائد کو قدم جمانے کے لیے مقام مل گیا۔ پہلے پہل اَوْدَغَشْت میں ان کا مرکز قائم ہوا، جہاں یہ مذہب تاجروں کے ذریعے پہنچا اور کئی صدیوں تک قائم رہا۔ وسطی سُودان کی شمالی سرحد پر بھی اِباضِیّہ کی بستیاں آباد تھیں۔ کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں اِباضِیّہ کی آبادیاں اَنْدَلُس اور صِقِلِّیّہ میں بھی موجود تھیں۔

عقائد: صُفْرِیّہ کی طرح اِباضِیّہ بھی خوارج کی اعتدال پسند شاخ ہیں۔ وہ غیر خارجیوں کو کُفّار یا مشرکین نہیں سمجھتے اور اس لیے 'اِستِعراض' (سیاسی قتل) کے منکر ہیں۔ غیر اِباضیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے۔ سیاسی معاملات میں وہ مُحَکِّمہ (ابتدائی خوارج [جو تحکیم پر اصرار کرتے تھے]) ہی کی طرح امامت کے وجود کو لازمی اور لابدی شرط تسلیم نہیں کرتے۔ بے امام حکومت 'کِتمان' کہلاتی ہے، جو بروے عقیدہ 'ظُہُور' یعنی اعلانِ امامت کی ضدّ ہے۔ معمولی حالات میں منتخب شدہ امام کو 'امام البَیْعۃ' کہتے ہیں اور 'اہل الکِتمان' کے منتخب امام کو 'اِمام الدِّفاع'۔

اِمام کا انتخاب ممتاز عوام یا شیوخ کی ایک مجلس خفیہ طور پر کرتی تھی اور پھر اس کا اعلان عوام میں کر دیا جاتا تھا۔ بسا اوقات امامت کا حق صرف ایک قبیلے بلکہ ایک خاندان ہی میں محدود کر دیا جاتا ہے۔ امام کا فرض ہے کہ وہ قرآنِ [حکیم]، سُنّتِ نبویؐ اور پہلے اماموں کے اُسوہ کے مطابق حکومت کرے۔ جو شخص امام کے اختیارات کو کسی شرط کے ذریعے محدود کرنا چاہتا ہے وہ فاسد العقیدہ ہے؛ 'نُکّار' کا شِقاق اسی طرح ظہور میں آیا۔ اگر امام اصولِ دین پر کاربند نہ رہے تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے۔ واقعات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بیک وقت متعدّد ممالک میں متعدّد اماموں کے ہونے کی اجازت ہے؛ بایں ہمہ اِباضی دنیا میں عالمگیر امامت کی تشکیل کا رجحان موجود ہے۔ تاریخی بیانات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ [دوسرے مسلمانوں کے ساتھ] ایک طرح کی مشترک حکومت کا وجود بھی ممکن تھا مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خوارج کے اصول منسوخ کر دیے جائیں۔ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِباضِیّہ کے اصولِ دین اور سیاسی۔ دینی نظریّات اہل السُّنّت والجماعت کے بعض بنیادی تصوّرات سے قریب آ جاتے ہیں۔ مالکیوں کے ساتھ ان کا اختلاف محض چند ایک امور میں ہے، جن میں ان کا یہ نظریہ بھی شامل ہے کہ قرآنِ [حکیم] عہدِ نبوی میں خَلق ہوا تھا (قبّ Smogorzewski : *Un poème abāḍite sur certaines divergences entre Mālikites et les Abāḍites*، در *RO*، ۲: ۲۶۰ - ۲۶۸)۔ اِباضِیّہ اور معتزلہ کے اصول و عقائد میں جو گہرا ربط پایا جاتا ہے اس کی طرف بھی توجّہ منعطف کرائی گئی ہے (Goldziher : *Vorlesungen*، ص ۲۰۷ و ۲۵۹)۔ البَکْرِی فرقۂ اِباضِیّہ کو 'الوَاصِلِیّہ - اِباضِیّہ' کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اِباضی فرقے: دورِ 'کِتمان' میں باہمی تفرقہ پڑ جانے سے جو فرقہ بندیاں ہوئیں وہ اپنی نوعیّت کے اعتبار سے محض کلامی تھیں؛ آگے چل کر سیاسی بحران کے مواقع پیدا ہونے کے باعث مزید فرقے بن گئے۔ دو سیاسی اسباب خاص طور اہمّ ہیں، یعنی مشترک حکومت کا مسئلہ اور 'شرط' (دیکھیے سطورِ بالا)۔

اِباضِیّہ کے فرقوں میں سب سے بڑا اور سب سے اہمّ فرقہ 'وَہْبِیَّہ' تھا۔ خوارج کا یہ واحد فرقہ ہے جو ہمارے زمانے تک چلا آ رہا ہے۔ اس کی نسبت بعض اوقات رُسْتَمِیّہ کے امام عبدالوہّاب کی طرف سمجھی جاتی ہے لیکن قیاسِ غالب یہ ہے کہ اس کا تعلّق خوارج کے امام عبداللہ بن وَہْب الرّاسِبی سے ہے۔ وہّابِیّہ کے علاوہ زمانۂ حال میں بعض چھوٹی چھوٹی جماعتیں نُکّارِیّہ، نَفّاثِیّہ اور خَلَفِیّہ ہیں، جو معدودے چند افراد پر مشتمل ہیں۔ نُکّارِیّہ کے آغاز کا سراغ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ملتا ہے، جب انھوں نے تاہرت کے دوسرے امام عبدالوہّاب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ شمالی افریقہ کے علاوہ یہ فرقہ عُمان اور جنوبی عرب میں بھی ملتا ہے۔ نَفّاثِیّہ کا آغاز بِلادالجَرِید میں تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔ ان کے بانی نَفّاث نے رُسْتَمِیّہ کے امام کو مُسَوَّدہ (بنی اَغْلَب) کے خلاف جنگ کے معاملے میں غفلت برتنے پر ملامت کی۔ نفّاث اپنی زندگی کے آخری ایّام میں جَبَلِ نَفُوسہ میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ خَلَفِیّہ خَلَف بن السَّمْح کے پیرو ہیں، جس نے دوسری صدی ہجری کے آخر میں طرابُلُس الغرب کا امام ہونے کا اعلان کیا تھا۔ آج کل بھی وہ بدستور غَرْیان اور جَبَلِ نَفُوسہ میں آباد ہیں۔ مزید براں تاریخ میں (اِباضِیّہ کے) کم از کم بارہ اور فرقوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے؛ اِباضی مصنّفین نے انھیں شمار کیا ہے اور ان کے نام جزوی طور پر الشہرستانی کی تصنیف میں بھی درج ہیں۔

مآخذ: (الف) تاریخی اِباضی مآخذ: (۱) الشَّمّاخی: کتاب السِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ (دیکھیے Lewicki: *Une chronique ibaḍite*، در *REI*، ۱۹۳۴ء، ص ۷۲)؛ (۲) السّالمی: کتاب اللُّمع المُضِیئۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ؛ (۳) البرّادی: کتاب الجواہر، قاہرہ ۱۳۰۶ھ؛ (۴) وہی مصنّف: سیر العُمانیۃ، مخطوطہ در *Lwów*؛ (۵) ابوزکریا: *Chronique*، طبع E. Masqueray، الجزائر - پیرس ۱۸۷۸ء؛ (۶) البارُونی: رِسالۃ سُلَّم العامّۃ، قاہرہ ۱۳۲۴ھ؛ (۷) A. de Motylinski: *Chronique*

d' Ibn Ṣaghir sur les Imams Rustamides de Tahert، *Actes xivth congrès des Or.* iii B3-132؛ (۸) محمد بن یُوسف اَطّفیاش المِیزابی: رِسالَة شافِیة فی بَعْض التَوارِیخ، الجزائر ۱۲۹۹ھ؛ (۹) الدرجینی: کتاب طَبَقات المَشَائخ، مخطوطہ در Lwów؛ (۱۰) السالمی: تُحفَةُ الاَعْیان بِسِیرَة اَھلِ عُمان، ۲ جلد، قاہرہ ۱۳۴۷ھ؛ مزید مآخذ: (۱۱) A. de Motylinski: *Bibliogr. du Mzab. Les livres de la secte abadhite*، در *Bull. de Correspondance Africaine*، ج ۳، الجزائر ۱۸۸۵ء؛ (۱۲) Smo-gorzewski: *Zrédia ibadyckie do historii Islāmu*، Lwów، ۱۹۲۶ء؛ (۱۳) Badger: *History of the imāms and seyyids of Omān by Salīl-ibn-Razīk*، لنڈن ۱۸۷۱ء؛ (۱۴) Brünnow: *Die charidschiten unter den ersten Omayyaden*، لائڈن ۱۸۸۴ء؛ (۱۵) وِلہاوزِن (Wellhausen): *Die rel. pol. Oppositionspar-teien*، برلن ۱۹۰۱ء؛ مزید براں دیکھیے مستند کتب تواریخ، مثلاً (۱۶) طبری اور خصوصاً (۱۷) ابن خلدون؛ (ب) الاِباضِیّہ کے عقائد کے بارے میں: (۱۸) الشَّمّاخی: کتاب الاِیضاح، طبع سنگی ۱۳۰۹ھ (۱۹) الجَیْطَلی: [قناطِر] الخیرات، طبع سنگی، قاہرہ ۱۳۰۷ھ؛ (۲۰) السَدْراتی: کتاب الدَلِیل و البُرْھان؛ طبع سنگی قاہرہ ۱۳۰۶ھ؛ (۲۱) عبدالعزیز الاِسْجِینی: کتاب النِیْل، طبع سنگی قاہرہ ۱۳۰۵ھ (قب اَطّفیاش: شرح کتاب النِیْل)؛ (۲۲) Zeys: *Législation Mozabite*، الجزائر ۱۸۸۶ء؛ (۲۳) زخاو (Sachau): *Muhamm. Erbrecht nach der Lehre deribadit-ischen Araber*، در *SBPrAk*، ۱۸۹۴ء؛ (۲۴) Motylinski: *Les livres sacrés de la secte abadhite*، الجزائر ۱۸۸۹ء؛ (۲۵) وہی مصنّف: *L'Aqida des Abadhites*، در *Rec. xivth Congr. des Or.*؛ (۲۶) M. Mercier: *Etude sur le waqf abadhite*، الجزائر ۱۹۲۷ء۔ نیز (مختلف) فرقوں پر عام اسلامی تصانیف، مثلاً (۲۷) الشَّہْرَستانی اور (۲۸) البغدادی (قب Hitti: *Baghdadi's characteristics of Muslim Sects*، قاہرہ ۱۹۲۴ء).

(Shorter Ency. of Islam)

(T. LOWICKI)

----

* **اَباقا:** رَکَ بہ ایلخانیہ.

----

* **اَبان:** رَکَ بہ آبان.

----

* **اَبان بن عبدالحمید:** اللاّحِقی (یعنی لاحِق بن عُفَیر کا بیٹا)، جو الرَّقاشی کی نسبت سے بھی مشہور ہے، اس لیے کہ اس کا [یہودی الاصل] خاندان [اوراق، ص ۳۶ ببعد] (جو اصلاً فَسا کا رہنے والا تھا [اوراق، ص ۴۰]) بنورَقاش کے موالی کا خاندان تھا، عربی شاعر جس نے ۲۰۰ھ/ ۸۱۵-۸۱۶ء کے قریب وفات پائی۔ [وہ اہلِ بصرہ میں سے تھا، وہاں سے بغداد گیا اور] برامکہ کا درباری شاعر بنا اور اس نے اُن کی اور ہارون الرشید کی مدح میں قصائد لکھے۔ اس نے بعض اشعار میں علویوں کے دعاوی کے خلاف عبّاسیوں کی حمایت بھی کی ہے۔ اس دَور کے عام دستور کے مطابق وہ اپنے ہم عصر شعراء سے (جن میں ابونُواس بھی شامل تھا) زوردار مہاجات میں مصروف رہا۔ اس کے دشمن، بظاہر بلاوجہ، اس پر مانویّت کا الزام لگاتے تھے [قب تأریخ بغداد، ۷: ۴۴؛ صُولی: اوراق، ص ۳۷ ببعد، مگر دیکھیے جاحظ: کتاب الحَیَوان، ۴: ۱۴۳ ببعد و اوراق، ص ۳۶] (رَکَ بہ G. Vajda، در *RSO*، ۱۹۳۷ء، ص ۲۰۷ ببعد)۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ہندی اور ایرانی اصل کی عام پسند [نثری] حکایات کو ([قصائِد] مُزْدَوَج [رَکَ بآن] [یا باصطلاح عجم مثنوی] کی شکل میں منظوم کیا، یعنی کَلِیلَة دِمْنَة [رَکَ بآن] [۱۴ ہزار بیت جو اُس نے تین مہینے میں نظم کر لیے، اوراق، ص ۲] (اقتباسات الصّولی میں)، بلَوْھَر و یُوذَاسُف [رَکَ بآن]، سِنْدباد [رَکَ بآن]، مَزْدَک [رَکَ بآن] اور اَرْدَشیر اور انوشروان کی رومانوی حکایات کو۔ اس نے مُزْدَوَج میں طبع زاد نظمیں بھی لکھیں ہیں، مثلاً دنیا کی پیدائش، انتظامِ عالم (cosmology) اور منطق پر ایک نظم (ذات الحُلَل [اقتباس مسعودی: مُرُوج الذَھَب، ۱: ۳۹۱ میں]) اور ایک اَور [روزوں اور زکوٰۃ] پر [بہت طویل مُزْدَوَج] (اقتباس در الصُّولی)۔ اس کے خاندان کے اکثر افراد شاعری کے لیے مشہور تھے۔ مثلاً اَبان کا بیٹا حَمْدان [اور پوتا اور اَبان کا باپ اور دادا۔ العُمْدَة، ۲: ۲۳۶ اور اَبان کا بھائی۔ اوراق، ص ۶۴؛ وغیرہ].

مآخذ: (۱) صُولی: الاوراق، طبع Heyworth-Dunne، قسم اخبار الشعراء، ۱-۷۳ (صفحات ۱-۱۲ میں اَبان کے متعلّق بیانات ہیں، جو ناشر کتاب نے خود جمع کیے ہیں)؛ [(۲) ابن عبدربہ: العِقْد الفرید، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ۲: ۱۸۴ س ۲۵ ببعد؛ (۳) طبری، ۳: ۷۱۴]؛ [۴] الاغانی طبع اوّل، ۲۰: ۷۳-۷۸؛ [۵] جَہْشِیاری: الوُزَراء، ص ۲۵۰؛ [۶] الخَطِیب: تأریخ بغداد، ۷: ۴۴؛ [۷] الفہرست، ۱۱۹ و ۱۶۳؛ [(۸) ابن رَشِیق القَیْرَوانی: کتاب العُمْدة، قاہرہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، ۲: ۲۳۶؛ ۱: ۱۶۴]؛ [۹] I. Goldziher: *Muh. Studien*، ۱: ۱۹۸؛ ۲: ۱۰۱؛ [۱۰] A. Krimsky: *Aban al-Lahiki* (روسی زبان میں)، ماسکو ۱۹۱۳ء؛ [۱۱] براکلمان: تکملہ، ۱: ۲۳۸ و ۲۳۹؛ [۱۲] K. A. Fariq، [خورشید احمد فارِق] در *JRAS*، ۱۹۵۲ء، ص ۴۶-۵۹.

(S. M. STERN شٹرن)

----

* **اَبان بن عُثمانؓ بن عَفّان:** والی [اور تابعی کبیر] خلیفۂ ثالث کے فرزند۔ ان کی والدہ کا نام اُمِّ عَمْرو بنت جُنْدَب بن عمرو الدَوْسِیّہ [الاَزْدیّہ]

تھا۔ اَبان جنگِ جَمَل (جمادی الاُولیٰ ۳۶ھ/نومبر ۶۵۶ء) میں [حضرت] عائشہؓ کے ہمرکاب تھے، مگر جب جنگ کا انجام توقع کے خلاف ہوا تو جن لوگوں نے راہِ فرار اختیار کرنے میں سبقت کی ان میں وہ بھی شامل تھے [بلکہ ان میں سے دوسرے تھے - ابن قتیبہ: معارف، ص ۱۰۱]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر انھیں کوئی سیاسی اہمیّت حاصل نہ تھی۔ خلیفہ عبدالمَلِک بن مَرْوان نے انھیں مدینے کا والی مقرّر کر دیا تھا اور وہ اس منصب پر سات سال [اور ۳ ماہ ۱۳ دن - طبری] تک فائز رہے، اس کے بعد انھیں معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ ہشام بن اسمٰعیل [مخزومی] نے لے لی۔ اَبان کی شہرت اتنی اُن کاموں کی وجہ سے نہیں ہے جو انھوں نے بنواُمیّہ کے ایک عہدے دار کی حیثیّت سے انجام دیے جتنی کہ حدیثِ نبویؐ سے ان کی حیرت خیز واقفیت کی بنا پر ہے [ان کا شمار مدینے کے دس فقہا میں ہے - (نووی)] - اصحابِ حدیث نے متعدد سُنَن کی روایت ان سے کی - مُروج الذہب، ۴: ۲۵۲] لیکن کتاب المغازی، جسے بعض اوقات ان کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، بقول یاقوت (ارشاد الاریب، طبع مارجلیوث، ۱: ۳۶) اور الطوسی (فِہرِس، [طبع شپرنگر، در *Bibl. Indica*] ص ۷) ان کی نہیں بلکہ اَبان بن عثمان بن یَحیٰی کی تصنیف ہے، دیکھیے Horovitz، در *OLZ*، ۱۹۱۴ء، ص ۱۸۳)۔ [کئی سال وہ امیرِ حج بنے، مثلاً ۷۶، ۷۷، ۷۹، ۸۰ اور ۸۳ھ میں - طبری]۔

اَبان پر صرع [مرگی] کا حملہ ہوا اور اس کے ایک سال بعد ان کا مدینے میں انتقال ہوگیا، از روے روایت ۱۰۵ھ/ ۷۲۳ - ۷۲۴ء میں، لیکن بہرحال یزید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں۔

مآخذ: (۱) ابن سعد، ۵: ۱۱۲ ببعد؛ (۲) نَوَوی، ص ۱۲۵ و ببعد؛ [(۳) ابن قتیبہ: معارف، ص ۱۰۱؛ (۴) ابن عبد ربّہ: العِقدالفرید، بہ امدادِ فہارس؛ (۵) اغانی، طبع دوم، بہ امدادِ فہارس، خصوصاً ۱۷: ۱۰۲ ببعد]۔

(تْسِتِرْ شْتائن K.V. ZETTERSTÉEN)

----

* **اُبّ:** اسی نام کی ایک ''قضا'' کا صدر مقام جو یَمَن کے سَنجاقِ تَعِزّ میں واقع ہے۔ مخصوص یمنی تلفّظ بکسرِ ہمزہ کے علاوہ اس نام کا تلفّظ اَبّ بھی ملتا ہے [دیکھیے یاقوت، مگر اہلِ یمن اَبّ بالفتح کو نہیں جانتے]۔ (نِیبُور (Nebuhr) نے Aebb دیا ہے)۔ پہلے زمانے میں فصیل سے گھرے ہوے اس قصبے کی آبادی چار ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور وہ ''ذوجِبْلَہ'' کے علاقے میں شامل تھا۔ یہ قصبہ دَرْبِ الحج پر، جو حضرَموت سے تہامۂ یمن یا عدن سے صَنعا کو جاتا ہے، ایک پہاڑی کے اوپر شاداب علاقے میں واقع ہے۔ اس علاقے میں اناج اور پھلوں کے علاوہ قہوہ، قات، نیل اور ''وَرْس'' (کُسُم) کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک ہی کسی زمانے میں چاندی کی ایک کان بھی تھی (عکسی تصاویر در Islām-Stiftung، در لائڈن)۔

مآخذ: (۱) یاقوت: مُعْجَم، مرتّبۂ وُسْتِنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، ۱: ۷۸؛ (۲) C. Niebuhr: *Beschreibung von Arabien*، کوپن ہیگن ۱۷۷۲ء، ص ۲۳۹؛ (۳) شپرنگر (A. Sprenger): *Die Post-u. Reiserouten des Orients*، (*Abh. d. Deutschen Morgenl. Gesellschaft*)، جلد ۳، عدد ۳، لائپزگ ۱۸۶۴ء): ص ۱۵۴؛ (۴) بُرکہارٹ (H. Burchardt): *Reiseskizzen aus dem Yemen*، در *ZGE*، ۱۹۰۲ء، ص ۶۰۵؛ (۵) گْرومان (A. Grohmann): *Südarabien als Wirtschaftsgebiet*، ج ۱، وی آنا ۱۹۲۲ء، ص ۱۶۵، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۵۱ ببعد؛ ج ۲، بُرنْ (Brunn) ۱۹۳۳ء: ص ۱۲۹۔

[آ، تکملہ]　(گْرومان A. GROHMANN)

----

* **اُبَدَہ:** (Ubeda)، ہسپانیہ کے جنوب مشرق میں ایک چھوٹا سا شہر صوبۂ جَیّان (Jaen) کے ایک ضلع (کُورَہ) کا صدر مقام، جس کی آبادی تقریباً بیس ہزار ہے۔ اگرچہ یہ نام Ubeda (اُبَدَہ)، جسے عربوں نے بدستور قائم رکھا، ہسپانوی الاصل معلوم ہوتا ہے، تاہم مسلمان جغرافیہ نویس اس شہر کی بنا عبدالرحمٰن ثانی بن الحَکَم الاُمَوی (۲۰۶ - ۲۳۸ھ/ ۸۲۲ - ۸۵۲ء) کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ کہا جاتا ہے کہ اس حکمران کے بیٹے اور جانشین محمد نے اس کی تعمیر مکمّل کی۔ اس کے بعد سے یہ کورۂ جَیّان [رکّ باں] کا ایک جزو بن گیا اور بعض اوقات اسے ''اُبَّدۃ العَرَب''، یعنی ''عربوں کا اُبدہ'' کہا جاتا ہے، تاکہ اس میں اور اِلبیرہ (Elvira) کے صوبے کے ایک اور مقام اُبدہ فَرُوا میں امتیاز ہو سکے (قب ابن عِذاری: البیان المُغْرِب، ۲: ۱۷۸ - ۲۸۴)۔ اپنے قریب کے شہر بَیَّاسَہ (Baéza) کی طرح اُبَدَہ اسلامی دنیا میں زعفران کی کِشت زاروں کے لیے مشہور تھا۔ قرونِ وسطی میں اس کی تاریخ میں کوئی خاص واقعات رونما نہیں ہوے اور یہ صدر مقام جَیّان کا شریکِ احوال رہا، جس کا یہ تابع تھا۔ عیسائی افواج نے العِقاب (las Navas de Tolosa) کی جنگ میں فتح پانے کے جلد ہی بعد ۶۰۹ھ/ ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔

مآخذ: (۱) اِدْرِیسی: نُزْھۃ المُشْتاق، طبع ڈوزی اور ڈخویہ (*Descr. de l'Afrique et de l'Espagne*)، متن ص ۲۰۳، ترجمہ ص ۲۴۹؛ (۲) ابوالفداء: تَقْویم البلدان، طبع رینو (Reinaud) اور دیسلان (de Slane)، متن ص ۱۶۷، ترجمہ ص ۲۳۸؛ (۳) یاقوت: مُعْجَمُ البُلْدان، طبع وُسْتِنْفِلْٹ، ۱: ۷۸؛ (۴) ابن عبدالمُنْعِم الحِمْیَری: الرَّوضُ المِعْطار، بذیل مادّہ؛ (۵) اَلْقَلْقَشَنْدی: صُبْحُ الاَعْشی، ۵: ۲۲۹؛ (۶) المَقَّرِی: نَفْحُ الطِیب (*Analectes*)، ۲: ۱۴۶؛ (۷) E. Lévi-Provençal: *L' Espagne musulmane au Xème Siècle*، پیرس ۱۹۳۲ء، ص ۱۷۰، ۱۷۷۔

(لیوی پرووِنْسال E. LÉVI-PROVENÇAL)

* **اِبتِداء**: (بَدْءٌ ''شروع کرنا'' سے بابِ افتعال کا مصدر) بمعنیٰ ''شروع'' یا ''شروع سے متعلّق''، عربی نحو کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو جملۂ اسمیّہ میں کسی لفظ کے بطور مبتدا استعمال کیے جانے کو ظاہر کرتا ہے۔ ''مبتدا [ہر وہ] اسم (یا اس کا قائم مقام) ہوتا ہے جسے شروع میں اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس پر کلام کی بنیاد قائم کی جائے۔ مبتدا اور اس کا مابعد، جو اس پر مبنی ہو، دونوں رَفعی حالت میں ہوتے ہیں اور جب تک مبتدا کے بعد کوئی چیز ایسی نہ ہو جو مبتدا پر مبنی ہے اس وقت تک ابتدا واقع نہیں ہوتی'' (سِیبَوَیہ، ۱: ۲۳۹، سطر ۳-۴)؛ چنانچہ جملۂ ''مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہ'' کی ابتدا کلمۂ 'محمدؐ' [صلی اللہ علیہ وسلم] سے ہوتی ہے جو ابتدا کی وجہ سے رفعی حالت میں ہے اور ''رسولُ اللّٰہ'' مفہوم کو مکمّل کرنے کے لیے اس پر مبنی ہے'' [اوّل کو مبتدا، مسند الیہ یا محدّث عنہ کہتے ہیں اور ثانی کو خبر، مسند یا حدیث - الجرجانی]۔ جملۂ اسمیّہ کی امتیازی خصوصیّت یہ ہے کہ اس میں مُسند اور مُسند الیہ کا باہمی تعلّق ایک منطقی ضرورت ہے جس کے اظہار کے لیے کوئی فعلِ تامّ درکار نہیں۔ بالعموم مسند الیہ مسند سے پہلے آتا ہے، لٰہذا ہر وہ جملہ جس میں مسند الیہ پہلے آئے جملہ اسمیّہ کہلاتا ہے۔ قبّ ''زیدٌ مَاتَ'' جہاں زید مبتدا ہے لیکن جملہ ''مَاتَ زیدٌ'' میں زید فاعل ہے (دیکھیے بالخصوص رائٹ (Wright): کتاب مذکور، ۲: ۱۲۵A اور B)۔ مگر مبتدا کا پہلے آنا کوئی کلّیّہ قاعدہ نہیں اور بہت سی ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں بالعموم تاکید یا کسی اَور خاص سبب سے خبر کو مقدّم کر دیا جاتا ہے.

علمِ عُروض میں بیت کے دوسرے مصرع کے پہلے جز کو ابتدا کہتے ہیں (قبّ مادّہ ہاے مبتدا و مُسنَد).

مآخذ: (۱) سِیبَوَیہ: کتاب (طبع درنبرُغ Derenbourg)، ۱: ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۲۲، اور دیگر مواضع کثیرہ؛ (۲) الزَمَخشَرِی: المُفَصّل (طبع Broch، طبع دوم)، ص ۱۲-۱۴؛ (۳) ابن یَعیش (طبع یان Jahn)، ص ۱۰۰-۱۲۴؛ (۴) الجُرجانی: تَعرِیفات (طبع فلُوگل)، ص ۴-۵؛ (۵) محمد اعلٰی: کشّاف اصطلاحات الفنون (طبع شپرنگر)، ص ۱۰۷-۱۰۸؛ (۶) رائٹ (Wright): *Arabic Grammar*، ۲: ۲۵۰ ببعد؛ (۷) فریتاغ (Freytag): *Darst. der. arab. Verskunst*، ص ۱۱۸، ۵۱۹.

(ROBERT STEVENSON سٹِیونسن)

----

* **اَبجَد**: (اَبجَد یا اَبُوجَد) حفظ کرنے کی غرض سے عربی زبان کے اٹھائیس حروفِ ہجا جن مُمِدِّ حفظ آٹھ کلموں میں تقسیم کیے گئے ہیں ان میں سے پہلا کلمہ۔ مشرق میں ان قابلِ حفظ کلمات کے پورے سلسلے کی ترتیب اور ان کے حرکات بالعموم حسبِ ذیل طریق پر ہیں: اَبجَد - ہَوَّز - حُطِّی - کَلَمَن - سَعفَص - قَرَشَت - ثَخَذ - ضَظَغ۔ المغرب (شمالی افریقہ و جزیرہ نماے سپین و پرتگال) میں پانچویں، چھٹے اور آٹھویں مجموعۂ حروف کی ترتیب مختلف تھی؛ چنانچہ مکمّل فہرست بصورتِ ذیل تھی: اَبجَد - ہَوَز - حُطِی - کَلَمَن - صَعفَض - قُرِسَت - ثَخُذ - ظَغُش۔ مشرقی سلسلے کے پہلے چھے مجموعوں میں ''فِینِیقی'' زبان کے حروفِ ہجائیّہ کی ترتیب بعینہٖ باقی ہے۔ آخر کے دو اضافی مجموعے ان حروفِ صامت (consonants) پر مشتمل ہیں جو عربی سے مخصوص ہیں اور اسی لیے ''روادِف'' (یعنی پچھلے حصّے پر سوار) کہلاتے ہیں.

عملی نقطۂ نگاہ سے حروفِ ہجا کی اس ترتیب میں دلچسپی کا صرف ایک ہی پہلو نکلتا ہے: وہ یہ کہ عربوں نے (یونانیوں کی طرح) ہر حرف کی، اس کے مقام کے لحاظ سے، ایک عددی قیمت مقرّر کر دی تھی، اس طرح سب کے سب اٹھائیس حروف نو نو حرفوں کے تین متواتر سلسلوں میں تقسیم ہو گئے ہیں: اکائیاں (۱ سے ۹ تک)، دہائیاں (۱۰ سے ۹۰ تک)، سَیکڑے (۱۰۰ سے ۹۰۰ تک) اور ''ہزار''۔ ظاہر ہے کہ پانچویں، چھٹے اور آٹھویں مجموعے میں آنے والے ہر حرف کی قیمتِ عددی مشرقی اور مغربی سلسلوں میں مختلف ہے.

اعداد کے طور پر عربی حروف کا استعمال ہمیشہ محدود اور استثنائی رہا ہے، کیونکہ ان کی جگہ اصلی ہندسوں (قبّ حساب [در آآ، طبع دوم]) نے لے لی ہے۔ تاہم وہ حسبِ ذیل صورتوں میں اب بھی استعمال کیے جاتے ہیں: (۱) اُسطُرلابوں میں؛ (۲) قطعاتِ تاریخی، (عموماً منظوم) میں (کتبوں کی شکل میں یا اَور طرح)، جو ایک خاص قاعدے سے مرتّب کیے جاتے ہیں، جسے الجُمَّل کہتے ہیں (دیکھیے مادّے 'حساب' و 'تاریخ' [در آآ، طبع دوم]؛ (۳) فال و رمل کے عملوں اور بعض قسم کے طلسم لکھنے میں (جیسے ب دوح کی قسم کے = ۲، ۴، ۶، ۸، دیکھیے بُدُوح)۔ آج کل بھی شمالی افریقہ کے 'طالب' [= عامل] ٹونے ٹوٹکے کے بعض عملوں کے لیے حروف کی عددی قیمتوں کو ایک خاص قاعدے کے مطابق جو ''اَیقَش''، کہلاتا ہے'' ۱، ۱۰، ۱۰۰، ۱،۰۰۰) استعمال کرتے ہیں؛ اس عمل کے ماہر کو دیسی زبان میں ''یَقّاش'' کہتے ہیں؛ (۴) آج کل کے معمول کے مطابق دیباچوں اور مضامین کی فہرستوں کے صفحات پر نمبر لگانے کے لیے، جہاں اہلِ یورپ رومی حروف (Roman) استعمال کرتے ہیں.

عربی حروف کی یہ ابجدی ترتیب صَوتی یا صُوری اعتبار سے کسی خاص چیز سے واقعۃً مطابقت نہیں رکھتی، اگرچہ وہ یقیناً بہت قدیم ہے۔ جہاں تک پہلے بائیس حروف کا تعلّق ہے یہ ترتیب ایک قدیم لوح میں بھی موجود ہے، جو رأس شَمرَہ [عربوں کا گاؤں جو مغربی شام میں لاذِقِیَّہ (Latakia) کے قریب واقع ہے] میں دستیاب ہوئی ہے اور جس میں ان میخی علامات کی فہرست درج ہے جن سے چودھویں صدی قبل مسیح کے اُوگارِیت (Ugarit) لوگوں کے حروفِ ہجا بنتے تھے [اُوگارِیت زبان ایک سامی زبان ہے، جس کا رشتہ قدیم عبرانی سے ملتا ہے]، (Ch. Virolleaud: *L'abécédaie de Ras Shamra*، در *GLECS*، ۱۹۵۰ء، ص ۵۷)۔ لٰہذا اس ابجدی ترتیب کا کم از کم کنعانی الاصل ہونا یقینی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عبرانی اور آرامی حروفِ ہجا میں بھی یہ

ترتیب قائم رکھی گئی اور بلاشبہہ عربوں نے موخّر الذکر حروف کے ساتھ ہی یہ ترتیب بھی اختیار کر لی ہوگی، لیکن عرب چونکہ دوسری سامی زبانوں سے ناواقف تھے اور علاوہ ازیں بہت سے خصوصی میلانات رکھتے تھے، جو ان کی قوی خود شعوری اور حسِّ افتخارِ قومی کا نتیجہ تھے، لٰہذا وہ ان مُمِدِّ حفظ کلمات، یعنی 'ابجد' وغیرہ کی، جو انھیں روایۃً ملے تھے اور ان کے لیے ناقابلِ فہم تھے، دوسری توجیہات تلاش کرتے رہے۔ انھوں نے اس موضوع پر جو کچھ کہا ہے وہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو محض افسانہ ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ مَدْیَن کے چھے بادشاہوں نے عربی حروف کو اپنے ناموں کے مطابق ترتیب دیا تھا؛ ایک اَور روایت یہ ہے کہ ترتیب ابجدی کے پہلے چھے کلمے چھے دیووں کے نام ہیں؛ ایک تیسری روایت میں ان کی توجیہ یوں کی گئی ہے کہ وہ ہفتے کے دنوں کے نام ہیں۔ سِلْوِسْتَر دَساسی (Sylvestre de Sacy) نے اس امر کو قابلِ توجّہ سمجھا ہے کہ ان روایات میں صرف پہلے چھے کلمات استعمال ہوئے ہیں، نیز یہ کہ مثلاً جمعے کو ثَخَذ [جو ترتیب ابجدی میں ساتواں کلمہ ہے] نہیں بلکہ عُرُوبہ کہا گیا ہے، تاہم ایسی مبہم روایتوں کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا کہ عربی کے حروفِ ہجا ابتدا میں صرف بائیس تھے قابلِ قبول نہیں ہے (*Grammaire arabe* : J. A. Sylvestre de Sacy، طبع دوم، [ج ۱]: پارہ ۹)۔ فی الواقع خود عربوں میں بعض ایسے روشن خیال علماے صرف و نحو گزرے ہیں، مثلاً المُبَرَّد اور السِّیرافی، جو ابجد کی اُسطوری توجیہات سے مطمئن نہ تھے اور جنھوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ مُمِدِّ حفظ کلمات عربی الاصل نہیں ہیں۔

مگر ان افسانوی بیانات میں ایک جزوی بات قابلِ ذکر و توجّہ ہے۔ وہ یہ کہ مَدْیَن کے چھے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ باقی سب پر فوقیت رکھتا تھا ("کان رئیسھم")؛ یہ کَلَمَن تھا اور اس کا یہ نام شاید لاطینی کے لفظ "elementum" ["پہلا"، "ابتدائی"] کے ساتھ کوئی تعلّق رکھتا ہو۔

حروفِ ہجا کی دوسری ترتیب کے بارے میں، جو اس ابجدی ترتیب کے ساتھ ساتھ موجود ہے اور آج کل وہی مستعمل بھی ہے، دیکھیے "حروف الہجاء" [در آ، طبع دوم].

اتنا اَور اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ شمالی افریقہ میں اسمِ صفت بُوجادِی "مبتدی، نوآموز، خام" (لفظاً = "جو ابھی ابجدی مرحلے میں ہو") کے مفہوم میں اب بھی استعمال ہوتا ہے (قب فارسی و ترکی: ابجد خوان، انگریزی: *abecedarian*، جرمن: Abcschüler).

مآخذ: (۱) Lane: *Lex.*، بذیل مادّۂ ابجد؛ (۲) تاج العروس، بذیل مادّۂ ب ج د؛ (۳) الفہرست، ص ۴-۵؛ (۴) Cantor: *Vorl. über Gesch. d. Math*، طبع سوم، ۱: ۱۰۹؛ (۵) نولدیکہ (Th. Nöldeke): *Die semitischen Buchstabennamen*، در *Beiträge zur semit. Sprachwiss.*، ۱۹۰۴ء، ص ۱۲۴؛ (۶) H. Bauer: *Wie ist die Reihenfolge der Buchstaben im Alphabet zustande gekommen*، در *ZDMG*، ۱۹۱۳ء، ص ۵۰۱؛ (۷) G. S. Colin: *De l'origine grecque des "chiffres de Fès" et de nos chiffres arabes*، در *JA*، ۱۹۳۳ء، ص ۱۹۳؛ (۸) J. Février: *Histoire de l'écriture*، ۱۹۴۸ء، ص ۲۲۲؛ (۹) D. Diringer: *The Alphabet*، ۱۹۴۸ء؛ (۱۰) M. G. de Slane: *Les Prolegomènes d'Ibn Khaldoun*، ۱: ۲۴۱-۲۵۳؛ (۱۱) E. Westermarck: *Ritual and Belief in Morocco*، ۱: ۱۴۴؛ (۱۲) E. Doutté: *Magie et religion dans, l'Afrique du Nord*، ص ۱۷۲-۱۹۵.

(G. WEIL - وائل [G. S. COLIN کولن])

✱ **اَبْخاز:** (۱)۔ اَبْخاز یا اَفْخاز کا اصطلاحی کلمہ سب عملی مطالب کے لیے مسلم مآخذ میں گُرْجستان اور گرجیون (صحیح نام "جُرْزان، رَتْ بَآن") کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ (قب سطورِ ذیل، شمارۂ (۲) کے تحت) یہ ہے کہ شروع کے عبّاسی خلفا کے عہد میں اَبْخازِیّہ سے آنے والا ایک شاہی خاندان گُرْجستان میں حکمران رہا تھا۔ المسعودی، ۲: ۶۵، ۷۴ نے ابخازی خاندان کو بالائی رودِکُر کے گُرجی حکمرانوں سے متمیّز کیا ہے۔ جن لوگوں پر صحیح معنی میں اَبْخاز کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا تھا ان کا تذکرہ، احتمال ہے کہ، صرف ابن رُسْتہ، ص ۱۳۹ کی نقل کردہ روایت میں ملتا ہے: "لوغز" کو "اَوْغز" پڑھیے، دیکھیے مارکار (Marqurat): *Streifzüge*، ص ۱۶۴-۱۷۶ و حدود العالم، ص ۴۵۶۔ طبعًا ابن رُسْتہ ان لوگوں کا وطن مملکتِ خَزَر کے آخری سرے پر بتاتا ہے۔

(۲) ابخاز ان سے زیادہ چھوٹی قوم کا نام ہے جو مغربی قفقاز میں بحیرۂ اسود کے کنارے آباد تھی اور خود کو 'اَپْس وَآ' (Aps-waà) کہتی تھی۔ یہ لوگ بڑے سلسلۂ کوہ اور سمندر کے مابین اُس علاقے میں بود و باش رکھتے ہیں جو دریاے پساؤ (Psow) (گَغْرِی Gagri کے شمال میں) اور (جنوب میں) دریاے اِنگُر کے دہانے کے درمیان واقع ہے۔ سترھویں صدی میں (یا ممکن ہے اس سے بھی پہلے) اس قبیلے کا ایک حِصّہ کوہستان کو عبور کر کے دریاے قُوبان (Kuban) کے جنوبی معاونوں کے کنارے آباد ہوگیا۔

قدیم زمانے میں ابخاز کا ذکر اَبَسْگوئی (Abasgoi) (اَرِّیَن (Arrian) کے ہاں) یا آبَسْگی (Abasgi) (بلیناس Pliny کے ہاں) کے ناموں سے ہوا ہے، دیکھیے کونْٹارِینی (Contarini) (۱۴۷۵ء)، جس نے انھیں اَوْذْکازِیا (Avocasia) نام دیا ہے، پرانی روسی زبان میں اس کی شکل اوبیزی (Obezi) ہے اور ترکی میں آبازَہ (Abaza)۔ پرُوقوپیوس (Procopius) (پانچویں صدی عیسوی) کے بیان کے مطابق یہ لوگ قوم لاز (Lazes) [رَتْ بَآن] کے زیرِ اقتدار تھے اور ان دنوں غلام (خواجہ سرا) اَبْخازیہ سے قسطنطینیہ لائے جاتے

تھے۔ جب قیصر یوستینیانوس (Justinian) نے اَبخازیہ کو سر کیا تو وہاں کے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ گرُجستان کے سالنامے (بڑو سے (Brosset): *Histoire de la Géorgie*، ۱: ۲۳۷–۲۴۳) میں مرقوم ہے کہ عرب سالار "مُرْوانِ قُرُو" ("مروان الاَصَمّ") نے داریال (Darial) اور دربند کے درّوں پر قبضہ جما کر اَبخازیہ پر چڑھائی کی (جہاں گرُجی بادشاہوں میر (Mir) اور آرچِل (Arčil) نے بھاگ کر پناہ لی تھی) اور صُخُوم (Tskhum) کو تاراج کیا۔ پیچش کی وبا، سیلابوں اور ان کے ساتھ گرُجیوں اور اَبخازیوں کے حملوں سے عرب سالار کی فوج کو بہت نقصان پہنچا اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اس سالنامے کی تاریخیں نہایت غیر یقینی ہیں۔ "مُرْوان قُرُو" سے مراد غالبًا محمد بن مَرْوان اُمَوی یا اس کا بیٹا مروان بن محمد ہے۔ گویا یہ واقعہ آٹھویں صدی عیسوی کے ابتدائی زمانے سے متعلّق ہے، قب البلاذُری، ص ۲۰۵، ۲۰۷ – ۲۰۹۔ ۸۰۰ء کے قریب اَبخازیوں نے خَزَر کی مدد سے آزادی حاصل کرلی۔ اَنچِپ باد (Ančabad) سے آئے ہوئے مقامی خاندان کے امیر (اِرِشتَاوی erist'avi) لیون (Leon) ثانی نے، جس کی شادی ایک خزر شہزادی سے ہوئی تھی، شاہ کا لقب اختیار کرکے اپنا دارالحکومت قوتاییِس (Kutayis) میں منتقل کرلیا۔ کہا جاتا ہے کہ تِفلس کے حاکم اسحٰق بن اسمٰعیل (تقریبًا ۸۳۰ سے ۸۵۳ء تک) کے عہدِ ولایت میں ابخاز عربوں کو خراج دیتے تھے۔ ابخازی سلطنت کا خوش حال ترین دَور ۸۵۰ سے ۹۵۰ء کے درمیان تھا۔ اس دَور میں ان کے بادشاہ ابخازیہ، مِینگرِلی (اِگرِیسی Egrisi) اِیمرتیا (Imeretia) اور کارتیل (Kartlia) پر حکومت کرتے تھے اور اَرمِنیہ کے معاملات میں بھی دخل دیتے تھے۔ اسی زمانے سے گرُجی زبان اَبخازیہ کے تعلیم یافتہ طبقے کی زبان چلی آتی ہے۔ ۹۷۸ء میں گرُجستان کا بگراتی حکمران بُگرات ثالث، جو ابخازی شہزادی گُوران دُخت کا بیٹا تھا، ابخازیہ کے تخت پر متمکّن ہوا اور ۱۰۱۰ء تک اس نے گرجستان کے تمام علاقوں کو متحد کرلیا۔ چونکہ اس کی ابتدائی کامیابیاں اس کی ابخازی ماں کے حقوقِ وراثت پر مبنی تھیں اور اس نے آخری دَور میں بھی جو لقب اختیار کیا اس میں سب سے پہلے "شاہِ ابخازیہ" ہی کے الفاظ تھے، لہٰذا مسلمان گرُجستان کی مملکت کو (تیرھویں صدی عیسوی تک اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی) ابخازیہؔ ہی کے نام سے یاد کرتے رہے۔

۱۳۲۵ء کے قریب خانوادۂ شَرْوَاشِدْزِہ (Sharvashidze)، روسی میں: Shervashidze کو (جسے شیروان شاہوں [رکّ بآن] کی نسل سے بتایا جاتا ہے) ابخازیہ بطورِ جاگیر دے دیا گیا؛ پندرھویں صدی عیسوی کے وسط کے قریب (شاہ بُگرات سادس کے عہد میں) یہی شَرْوَاشِدْزِہ یہاں کے ملوک (erist'avi) تسلیم کرلیے گئے۔ طَرَبْزُون کے شہنشاہ کے ایک مکتوب سے، جو ۱۴۵۹ء میں لکھا گیا، ظاہر ہوتا ہے کہ تیس ہزار آدمیوں کا لشکر ملوک ابخاز کے زیرِ فرمان تھا۔

جب بحیرۂ اسود کے مشرقی ساحل پر عثمانی آباد ہوگئے تو ابخازی ترکیّہ اور اسلام کے زیرِ اثر آگئے؛ اگرچہ اسلام نے عیسائیت کی جگہ صرف آہستہ آہستہ ہی لی۔ دوُمینکی پادری یوحنّا لُکّی (Dominican John of Lucca) کے بیان کے مطابق ابخاز لوگ اس کے زمانے (۱۶۳۷ء) تک میں بھی عیسائی ہی شمار ہوتے تھے، اگرچہ وہ اس وقت عیسائیوں کے رسم و رواج کے پابند نہ رہے تھے۔ گرُجستان سے الگ ہوجانے کے بعد ابخازیہ اپنے ہی جاثَلیق (catholicos) کے تحت تھا، جو پِٹ زُوُنْد (Pitzund) میں مقیم تھا (اور جس کا ذکر بہت پہلے یعنی تیرھویں صدی عیسوی سے ملتا ہے)۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی تک ابخازیہ کے اندر آٹھ بڑے اور سو کے قریب چھوٹے گرجاؤں اور عیسائیوں کے غیر رسمی نماز خانوں (chapels) کے کھنڈر موجود ہیں۔ خانوادۂ شَرْوَاشِدْزِہ کے ارکان نے اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر سے پہلے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب امیر لیون (Leon) نے ترکی سیادت تسلیم کرلی اور اس وجہ سے اسے صُخُوم کا قلعہ عطا کردیا گیا، جس کا ابخازی پہلے تقریبًا ۱۷۲۵ – ۱۷۲۸ء میں محاصرہ کرچکے تھے۔ ملک سیاسی اعتبار سے تین حصّوں میں تقسیم تھا: (۱) ابخازیہ خاص، ساحلِ بحر پر، گَگری (Gagri) سے لے کر گِلِدْزْگہ (Galidzga) تک، جو مذکورۂ بالا شَرْوَاشِدْزِہ خاندان کے تحت تھا؛ (۲) تزِبِیلْدِہ (Tzebelda) کا پہاڑی علاقہ، (جس میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی)؛ (۳) سَمُرْزَکَن (Samu-rzakan) کا علاقہ، ساحلِ بحر پر گلِدْزْگہ سے اِنگُر تک (شَرْوَاشِدْزِہ خاندان کی ایک شاخ کے زیرِ حکومت، بعد میں یہ علاقہ مِینگرِیلی کے ساتھ ملحق کردیا گیا)۔

۱۸۰۱ء میں جب روس نے گرُجستان کا الحاق کرلیا تو ابخاز کو بھی اپنے اس نئے طاقت ور ہمسائے کے ساتھ روابط قائم کرنا پڑے۔ اس سلسلے میں پہلی کوشش امیر کِلِش بیگ نے ۱۸۰۳ء میں کی، جو جلد ہی بعد ترک کردی گئی۔ ۱۸۰۸ء میں جب یہ امیر قتل ہوا تو اس کے بیٹے سَفَر بیگ نے روس کے ساتھ زیادہ قریبی تعلّق قائم کرکے اپنے پدرکُش بھائی اَرْسلان بیگ کے خلاف مدد چاہی۔ ۱۸۱۰ء میں روسیوں نے صُخُوم پر قبضہ کرلیا۔ سَفَر بیگ کو، جس نے مسیحی مذہب اور جارج کا نام اختیار کرلیا تھا، اس جنگ کا امیر بنا دیا گیا لیکن اس وقت سے روسی فوج صُخُوم پر متصرّف ہوگئی۔ سَفَر بیگ کے دو بیٹوں دیمِتْرِیوس (Demetrius) (۱۸۲۱ء میں) اور مائیکل (Michael) کو (۱۸۲۲ء میں، اپنے بھائی کو زہر دینے کے بعد) مسندِ اقتدار پر بٹھانے کا کام روس کی مسلّح فوج کو کرنا پڑا۔ ان کی حکومت صُخُوم کے آس پاس تک محدود تھی اور قلعے کی فوج اپنے صدر مقام کے ساتھ صرف سمندر کی راہ سے نامہ و پیام کرسکتی تھی۔ جب اَناپہ (Anapa) سے لے کر پوتی (Poti) تک کی ساری ساحلی پٹّی کا الحاق روس نے کرلیا (معاہدۂ اِدِرْنہ ۱۸۲۹ء) تو قدرتی طور پر روسی اقتدار اور مستحکم ہوگیا لیکن اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ۱۸۳۵ء میں بھی اس ملک کا صرف شمال مغربی حصّہ، یعنی ضلع بزِبِیب (Bzbib)، شہزادہ مائیکل کے قبضے میں تھا اور ابخازیہ کے دوسرے حصّے بدستور اس کے مسلمان چچاؤں کے قبضے میں تھے۔ کچھ عرصے بعد مائیکل روس کی مدد سے تقریبًا ایک مطلق العنان

حاکم کا سا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا، تاہم عیسائی ہونے کے باوجود اس نے اپنے اردگرد تُرک ہی جمع کر رکھے تھے۔

جب روس نے مغربی قفقاز (کاکیشیا) کو قطعی طور پر مسخّر کر لیا (۱۸۶۴ء) تو دوسرے دیسی حکمرانوں کی ریاستوں کی طرح خانوادۂ شَرْوَاشِذِزہ کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ نومبر ۱۸۶۴ء میں شہزادہ مائیکل کو اپنے حقوق سے دست بردار ہو کر ملک چھوڑنا پڑا۔ ابخازیہ کو صُخُوم کے ایک خاص صوبے (otdyel) کی صورت میں سلطنتِ روس میں شامل کر لیا گیا اور اسے تین اضلاع (Okrug) یعنی پِتْزُنْد (Pitzund)، اُوْچِمْچِری (Očemčiri) اور تزِیبِلْدِہ (Tzebelda) میں بانٹ دیا گیا۔ ۱۸۶۶ء میں صوبے کے نئے گورنر نے ٹیکس لگانے کے ارادے سے ابخاز کے اقتصادی حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو ملک میں بغاوت ہو گئی اور اس کے متعاقب ابخازی لوگ خاصی بڑی تعداد میں ہجرت کر کے ترکیہ چلے گئے۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ابخازیہ کی آبادی کا اندازہ تقریبًا نوّے ہزار نفوس کیا گیا تھا اور جملہ ابخازیوں کی تعداد کا اندازہ (جن میں وہ ابخازی بھی شامل ہیں جو ابخازیہ سے باہر شمالی علاقوں میں رہتے تھے) ایک لاکھ اٹھائیس ہزار نفوس لگایا گیا تھا۔ ۱۸۶۶ء کے بعد ابخازیہ کی آبادی کم ہو کر ۶۵ ہزار نفوس کے قریب رہ گئی۔ تزِیبِلْدِہ (Tzebelda) کا ضلع، جو آبادی سے تقریبًا خالی ہو چکا تھا، علٰیحدہ ضلع نہ رہا بلکہ اس کا انتظام ایک خاص مہتمم آبادی (Popečitel naseleniya) کے سپرد کر دیا گیا۔ بعد ازاں ابخازیہ کا سارا ملک سُخُم کَلِہ (صُخُوم قَلْعَہ) کے ضلع (okrug) کے نام سے قوتاییس (Kutayis) کی حکومت کا ایک حِصّہ بنا دیا گیا۔ اَبْخازِیَہ کی آبادی ہجرت کی وجہ سے، خصوصًا اس کے بعد کہ ابخازیوں نے کوہستانی قبائل کی اس بغاوت میں حِصّہ لیا جو ترکی افواج کے ساحلِ بحر پر اترنے کی وجہ سے برپا ہو گئی تھی (۱۸۷۷ء) اور بھی کم ہو گئی۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں ابخازیوں کی تعداد کا اندازہ صرف بیس ہزار لگایا جاتا تھا۔ ترکیہ میں رہنے والے ابخازیوں کے متعلّق اعداد و شمار بالکل نہیں ملتے۔

سوویتی ابخازیہ: ۱۹۱۸ء میں تھوڑے عرصے کے لیے اور اس کے بعد ۱۹۲۱ء میں قطعی طور پر سوویتی اقتدار کا اعلان کیا گیا۔ اپریل ۱۹۳۰ء میں اَبخازیہ کو داخلی استقلال والی جمہوریّت (A.S.S.R.) کی حیثیت سے جمہوریۂ گُرجستان (S.S.R) کا ایک حِصّہ بنا دیا گیا اور ۱۹۳۷ء میں اس کے خُصوصی نظامنامے کی تصدیق کر دی گئی۔ اَبخازیہ کی جمہوریت (A.S.S.R) کی آبادی تین لاکھ تین ہزار ہے لیکن اس تعداد میں ابخازی صرف ایک اقلیّت ہی ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں اتّحادِ سوویتی میں ابخازیوں کی کل تعداد ۵۹ ہزار تھی (بظاہر اس میں وہ شمالی نو آبادیاں بھی شامل ہیں جو چِرْکِسْتان میں ہیں)۔ دارالحکومت (صُخُوم) کی آبادی چوالیس ہزار ہے۔ اس جمہوریّہ کا علاقہ اپنی نیم حارّ منطقے کی زرعی پیداوار کے باعث بہت اہم سمجھا جانے لگا ہے۔ برقی طاقت پیدا کرنے کے لیے اس علاقے کی قوّتِ آب سے بہت استفادہ کیا گیا ہے (۱۹۳۵ء میں ۴۵ برقی مرکز قائم ہو چکے تھے)۔

ابخازی اُس وقت سے لے کر جب (۱۸۶۴ء میں) قفقازی زبانوں کے سرکردہ ماہرِ خُصوصی جنرل بیرن اُوسْلَر (P. K. Uslar) نے ابخازی ابجد ایجاد کی اور ابخازی قوم کے ایک پادری اور دو افسروں نے بائبل سے متعلّق تاریخ پر ایک کتاب تصنیف کی، اب تک ابخازی ادب میں بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے۔ ۱۹۱۰ء میں جدید ابخازی ادب کے بانی دِمِتْری گُلِیَا (Dimitri Gulia) (ولادت ۱۸۷۴ء) نے مقبولِ عام نظموں کی ایک کتاب شائع کی۔ اس کے بعد نثر نویسوں (گُلِیَا G. D. Gulia، پاپاس کِرِی Papaskiri) اور شاعروں (کوگونِیا Kogonia، ۱۹۰۳-۱۹۲۹ء؛ L. Kvitsinia وغیرہ) نے مزید کتابیں شائع کیں۔ ابخازیوں کے عوامی عقائد و روایات (folklore) جمع کیے جا چکے ہیں اور مدرسوں کے لیے درسی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، چھُوچُعا Č'oč'ua وغیرہ).

ابخاز کی ''کثیر العناصر'' (polysynthetic) زبان اسی نمونے کی ہے جیسی کہ چِرْکَسی زبان، اس میں صرف دو بنیادی حرفِ علّت ہیں، بمقابلہ ۶۵ حروفِ صامت (consonants) کے، جو شمالی بولی (بْزِیب Bzib) میں ہیں اور ۵۷ حروفِ صامت کے، جو جنوبی بولی اَبْژُو (Abžu) میں ہیں۔ اَبْژُو کو ادبی زبان کی حیثیت سے اختیار کر لیا گیا ہے اور اب یہ زبان گُرجستانی حروف میں، جنھیں حسبِ ضرورت مکمّل کر لیا گیا ہے، لکھی جاتی ہے۔

مآخذ: (۱) بُرُوسے (M. F. Brosset): *Hist. de la Géorgie*؛ (۲) مارکار (J. Marquart): *Osteuropäische und ostasiatische Streifzüge*، لائپزگ ۱۹۰۳ء؛ (۳) روسی مستند تصنیف (تا ۱۸۲۶ء): دُوبْرُوْوَاں (N. Dubrovin): *History of the war and of the Russian rule in Caucasia*، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۷۱ء، نیز قب دُوبْرُوْوَاں (Dubrovin) کی تصنیف پر گُمنام مگر عالمانہ تبصرہ در *Sbornik swed. o kawkazskikh gortsakh*، حصّۂ ششم، تِفْلِس ۱۸۷۲ء؛ (۴) P. Zubow: *Kartina Kawkazskago kraya*، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۳۴-۱۸۳۵ء؛ (۵) A. Dirr: *Einführung in das Studium der Kaukas. Sprachen*، ۱۹۴۰ء؛ (۶) G. Deeters: *Dar abchasische Sprachbau*، در *NGW Gött*، ۱۹۳۱ء، iii/۲: ۲۸۹-۳۰۳؛ (۶) بزبانِ روسی: N. Y. Marr: *Abkhazskiy slovar*؛ اور شمالی ابخازی بولیوں پر (۷) Serdiučenko اور (۸) Tobil' کی تازہ تصانیف (۱۹۴۷-۱۹۴۹ء).

([W. BARTHOLD بارٹولڈ - V. MINORSKY مِنُورْسکی])

----

* **اَبَد:** اصل میں اس لفظ کے معنی، مطلق مفہوم کے لحاظ سے، وقت ہیں اور یہ لفظ ''دَہْر'' کا مترادف ہے [رک بآن؛ نیز دیکھیے زمان، در آ، طبع دوم]۔ جب

یونانی فلسفے کے زیرِ اثر عالَم کی اَبدِیّت (دیکھیے قِدَم) کا مسئلہ مسلمانوں میں زیرِ بحث آیا تو اَبد (یا اَبدِیّہ) ایک اصطلاحی لفظ بن گیا، جو یونانی لفظ ἀφθαρτός (نا قابلِ فساد یعنی انجام کے لحاظ سے دائمی) کے مماثل ہے، بمقابلۂ اَزَل (''یا اَزَلِیَّہ'') کے جو یونانی لفظ ἀγενητός (غیر حادث، آغاز کے لحاظ سے دائمی) کے مطابق ہے (ابن رُشد نے ۔ قب طبع Bouyges، اشاریہ ۔ ''اَزَلِیَّہ'' کو ''نا قابلِ فساد'' [غیر فانی] کے لیے استعمال کیا ہے)۔ [اَزَل کے لیے دیکھیے قِدَم]۔ مسئلہ زیرِ بحث یعنی ''آیا عالَم نا قابلِ فساد (غیر فانی) ہے'' کی بابت اسلامی فلاسفہ ارسطا طالیس کے اس مقولے کو مانتے ہیں کہ اَزَل اور اَبد ایک دوسرے میں مُضْمَر ہیں، یعنی جس کا آغاز ہے اس کا انجام ضروری ہے اور جس کا آغاز نہیں اس کا انجام نہیں ہوسکتا۔ اس نظریے کے مطابق، زَمان، حَرَکَت اور بحیثیتِ مجموعی عالَم یہ سب دونوں مفہوموں میں دائمی ہیں۔ متکلّمین میں، جو سب کے سب عالَم کو حادث مانتے ہیں، فقط ابوالہُذَیل [العَلّاف مولٰی عبد القیس البصری] نے [جو روسائے معتزلہ اور] متقدّ مین معتزلہ میں سے ہے، ارسطا طالیس کے مذکورۂ بالا مقولے کو تسلیم کیا ہے (اس نے اس نظریے کا اطلاق کہ ''جس کے لیے ایک پہلی مدّت ہے اُس کے لیے ایک آخری مدّت بھی ہوگی'' باری تعالٰی کے علم اور قدرت پر بھی کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ باری تعالٰی [کی قدرت کی نہایت ہے]۔ اپنی قدرت کی انتہا کو پہنچنے کے بعد آگے وہ نہ تو ایک ذرّے کو پیدا کر سکے گا، نہ ایک پتے کو حرکت دے سکے گا اور نہ ایک مرے ہوئے مچھّر کو دوبارہ زندہ کر سکے گا) دیکھیے الخیّاط: الاِنتصار، طبع نُوبِرْژ (Nyberg)، ص ۸ ببعد؛ ابن حزم، ۴: ۱۹۲-۱۹۳)۔ علمائے دین نے ارسطا طالیس کے مقولے کی اس دلیل سے مخالفت کی ہے کہ اگر عالَم کی ابتدا نہ ہوتی تو اِس وقت تک ایک غیر متناہی زمانۂ ماضی طے ہو چکا ہوتا اور یہ ناممکن ہے [قب قِدَم]؛ مستقبل کے بارے میں البتہ کوئی ایسی غیر امکانی بات نہیں ہے، کیونکہ مستقبل میں کوئی غیر متناہی زمانہ کبھی طے نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ سلسلۂ اعداد کے لیے ایک پہلا عدد معیّن ضروری ہوتا ہے لیکن آخری عدد کی تعیین ضروری نہیں۔ اسی طرح کسی انسان کو دائمی (ابدی) ندامت ہوسکتی ہے، اگرچہ اس کی اس ندامت کی ضرور ایک ابتدا ہوتی ہے (المَقْدِسی: البَدْء و التأریخ، طبع اِیُوار (Huart)، ۱: ۱۲۵، قب ۲: ۱۳۳)۔ اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عالَم کے نا قابلِ فنا و فساد ہونے یا اس کے برعکس قابلِ فنا و فساد ہونے کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ قرآن [مجید]، ۳۹ [الزُّمَر]: ۶۷، کے مطابق قیامت کے دن ''تمام زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے [''مَطْوِیّاتٌ''] ہوں گے''۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے یہ نظریہ اختیار کیا کہ سارے عالَم کا فنا ہوجانا ممکن ('جائز') ہے (جس میں دوزخ اور جنّت کا فنا ہونا بھی شامل ہے، اگرچہ ان کا ہوگا نہیں جیسا کہ وحی سے معلوم ہوتا ہے)، گویا اسے ایک ایسی چیز مانا گیا جو اللہ کی قدرت کے اندر ہے (البغدادی: فَرْق، ص ۳۱۹)۔ یہ دنیا فنا ہوجائے گی لیکن دوزخ اور جنّت فنا نہ ہوں گے.

مآخذ: اس مسئلے پر غزّالی نے اپنی تہافتُ الفلاسفة، طبع Bouyges، ص ۸۰ ببعد میں بالتفصیل بحث کی ہے، قب ابن رُشد: تہافتُ التَہافت، طبع Bouyges، ص ۱۱۸ ببعد، ترجمہ S. van den Bergh، ص ۶۹ ببعد (مع حواشی)؛ نیز قب S. Pines: *Beiräge zur islamischen Atomenlehre*، ص ۱۵، حاشیہ ۱.

(S. VAN DEN BERGH)

✱ **اَبْدَال:** (عربی، لفظ: بَدَل بمعنی قائم مقام کی جمع)، صوفیہ کے ہاں اولیاء اللہ کے سلسلۂ مدارج کا ایک درجہ۔ اَبْدَال، عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ (''رجال الغیب'') [دیکھیے غیب، در آ، طبع دوم] اپنے زبردست اثر سے نظامِ عالَم کو برقرار رکھنے کے کام میں حصّہ لیتے ہیں۔ صوفی ادب میں جو مختلف بیانات پائے جاتے ہیں ان میں اولیاء اللہ کے اس نظامِ مدارج کے جزئیات پر کوئی اتفاق رائے نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ اَبْدَال کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہے: وہ ۴۰ ہیں، مثلاً بقول ابن حَنْبَل: مُسْنَد، ۱: ۱۱۲، قب ۵: ۳۲۲ اور ہُجْوِیری: کَشْفُ الْمَحْجُوب (طبع ژوکوفسکی)، ص ۲۶۹ (ترجمۂ نکلسن، ص ۲۱۴)؛ وہ ۳۰۰ ہیں (بقول المکّی: قُوتُ الْقُلوب: ۲: ۷۹؛ وہ ۷ ہیں (بقول ابن عربی: فتوحات، ۲: ۹)۔ سب سے زیادہ مسلّمہ رائے کے مطابق اولیاء اللہ کے اس سلسلے میں جو قطبِ اعظم [رک بہ قطب] سے نیچے کو چلتا ہے، اَبْدَال پانچویں درجے پر آتے ہیں۔ قطب کے بعد اور اَبدال سے پہلے یہ لوگ آتے ہیں: (۲) قطب کے ہر دو معاون (الاِمامانِ)؛ (۳) پانچوں الاَوْتاد [رک بآن] یا العُمُد یعنی ''کھونٹے'' یا ''ستون''؛ (۴) سات الاَفْراد (''بے مثال لوگ'')۔ اَبدال پانچویں نمبر پر آتے ہیں، ان کے بعد یہ لوگ ہیں: (۶) سَتّر النُّجَبَاء (معزّزین)؛ (۷) تین سو النُقَبَاء (سردار)؛ (۸) پانچ سو العَصَائب (لشکری)؛ (۹) الحکماء یا المُفْرَدون (''عقلمند'' یا ''منفرد'' لوگ) لا محدود تعداد میں؛ (۱۰) الرَّجَبِیُّون۔ ان دس اصناف میں سے ہر صِنف کسی خاص خطّے میں رہتی ہے اور خاص دائرہ عمل پر مامور ہوتی ہے؛ جب کسی صِنف میں کوئی جگہ خالی ہوتی ہے تو اُسے اُس کے متّصل نیچے کی صنف کے کسی رکن کو ترقی دے کر پُر کر دیا جاتا ہے۔ اَبدال (جنھیں رُقَباء ''نگران'' بھی کہا جاتا ہے) ملک شام میں رہتے ہیں۔ ضرورت پر مینہ کا برسنا، دشمن پر فتح پانا اور عام آفات کا ٹلنا اَبدال ہی کی فضیلت اور شفاعت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اَبدال میں سے ایک فرد ''بَدَل'' کہلاتا ہے، مگر معمولاً لفظ ''بَدِیْل'' (جس کی جمع قواعد کی رو سے ''بُدَلاء'' بنتی ہے) صیغۂ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ترکی، فارسی [اور اردو] میں لفظ اَبدال ہی بسا اوقات صیغۂ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے.

مآخذ: (۱) G. Flügel، در *ZDMG*، ۲۰: ۳۸-۳۹، (جہاں قدیم تر مآخذ مذکور ہیں)؛ (۲) Vollers: محلِّ مذکور، ۴۳: ۱۱۴ ببعد از روے مُناوِی)؛

(۳) حسن العَدَوِي: النَفحات الشاذلِیة، ۲: ۹۹ بعد، (جہاں مدارج کی وہ تقسیم مذکور ہے جسے اکثر تسلیم کیا جاتا ہے)؛ (۴) فان کریمر (A. von Kremer): *Gesch. d. herrsch. Ideen*، ص ۱۷۲ بعد؛ (۵) Bargès: *Vie du célèbre marabout Cidi Abou Médien*، پیرس ۱۸۸۴ء، مقدّمہ؛ (۶) بلوشے (Blochet): *Études sur l'ésotérisme musulman*، در *JA*، ۱۹۰۲ء، ۱: ۵۲۹ بعد، ۲: ۴۹ بعد؛ (۷) *Concordance de la tradition musulmane*، بذیل مادّہ؛ (۸) L. Massignon: *Passion d` al-Halladj*، ص ۷۵۴؛ (۹) وہی مصنّف: *Essai*، ص ۱۱۲ بعد.

(I. GOLDZIHER گولٹ تسیہر)

سلطنتِ عثمانیہ میں درویشوں کے مختلف سلسلے اَبدال اور بُدَلا (بَدِیل کی جمع) کے الفاظ درویشوں کے لیے استعمال کرتے تھے (مثلاً سلسلۂ خلوتیّہ والے، قبّ مثلاً یوسف بن یعقوب: مناقبِ شریف و طریقت نامۂ پیران و مشایخِ طریقتِ علیہ خَلوتیہ، استانبول ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء، ص ۳۴، اس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ شیخ سُنبُل سنان اپنے درویشوں کو 'اَبدال' کہہ کر خطاب کرتے تھے)۔ جب درویشی سلسلوں کی وہ قدر و منزلت جو پہلے انھیں حاصل تھی اٹھ گئی تو ترکی زبان میں 'اَبدال' اور 'بُدلاء' کے لفظ، جو بطورِ واحد استعمال ہوتے تھے، تحقیرًا ''بے وقوف کے'' معنی میں برتے جانے لگے۔ 'بُدلاء' کو ترکی لفظ 'بُت' بمعنی ''جسمِ فربہ'' سے مشتق کرنا (K. Lokotsch: *Etymologisches Wörterbuch der europäischen Wörter orientalischen Ursprungs*، ہائڈل برگ ۱۹۲۷ء، ص ۲۸) غلط ہے، کیونکہ بلغاری، صربی اور رومانوی زبانوں میں بھی بُدلاء اسی مسلّمہ مفہوم میں آتا ہے۔

(H. J. KISSLING کِسلِنگ)

----

* **اَبدالی:** اُس افغان قبیلے کا سابقہ نام جو اب دُرّانی کے نام سے معروف ہے یہ قبیلہ افغانوں کی سَرَبَنی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قبیلے کی اپنی روایت کے مطابق ان کی نسبت اَبدال (یا اَوْدال) ابن تَرِین بن شَرخَبُون بن قَیس کی طرف ہے، جو اَبدال اس لیے کہلاتا تھا کہ وہ سلسلۂ چشتیہ کے ایک ابدال یا ولی اللہ خواجہ ابواحمد کا ملازم تھا۔ اَبدالی بہت عرصے تک قندھار کے صوبے میں بود و باش رکھتے رہے، لیکن شاہ عبّاس اوّل کے دورِ حکومت کے ابتدائی زمانے میں غَلزَئی قبیلے کے دباؤ کی وجہ سے وہ صوبۂ ہرات میں منتقل ہو گئے۔ شاہ عبّاس نے پُوپَل زئی خیل کے سَدُّو نامی شخص کو اس قبیلے کا سردار بنا دیا اور اُسے ''میرِ اَفاغِنہ'' کا خطاب دیا۔ یہ لوگ اگرچہ شاہ عبّاس کے وفادار رہے لیکن سو سال بعد انھوں نے بھی غلزئیوں کی تقلید کی اور اپنے آپ کو عملاً آزاد کر لیا۔ نادر شاہ [رکّ بآن] نے بعد میں ابدالیوں کو زیر کر لیا لیکن اس نے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا اور ان کے بہت سے آدمی اپنی فوج میں بھرتی کر لیے۔ ان ابدالیوں میں محمد زمان خان سدوزئی کا دوسرا بیٹا احمد خان بھی تھا۔ ابدالیوں نے نادر کی خوب خدمت کی اور اُس نے اُنھیں یہ صِلہ دیا کہ اُنھیں اپنے پُرانے عِلاقے قندھار میں پھر بسا دیا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل ہو جانے پر احمد خان خود قندھار میں بادشاہ بن گیا۔ کسی خواب کے نتیجے میں یا [صابر] شاہ نامی ایک فقیر کے زیر اثر احمد خان نے ''دُرِّ دُرّانِی'' (''موتیوں کے موتی'') کا لقب اختیار کر لیا [ممکن ہے کہ صحیح لقب دُرِّ دورانی ہو، جو مخفف ہو کر درّانی بن گیا۔ دیکھیے سامی: قاموس الاعلام، ۱: ۵۲۷] اور اُسی وقت سے یہ قبیلہ دُرّانی کہلاتا ہے۔ اُس کی دو بڑی شاخیں پوپَل زئی اور بارَک زئی تھیں۔ افغانستان کا موجودہ حکمران خاندان بارَک زئی خیل سے تعلق رکھتا ہے (دُرّانی قبیلے کی تاریخ کے لیے دیکھیے مادۂ درّانی اور افغانستان).

مآخذ: (۱) M. Elphinstone: *Caubul*، لنڈن ۱۸۴۲ء، ۲: ۹۵؛ (۲) عبدالکریم: تاریخ احمد، کان پور ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء، ص ۳-۴؛ (۳) محمد حیات خان: حیاتِ افغانی (ترجمہ انگریزی بعنوان *Afghanistan*، ص ۵۷)؛ (۴) محمد مہدی کوکبی استرآبادی: تاریخِ نادِری، بمبئی، ص ۴-۶؛ (۵) B. Dorn: *History of the Afghans*، ۲: ۴۲؛ (۶) L. Lockhart: *Nadir Shah*، لنڈن ۱۹۳۸ء، ص ۳، ۴، ۱۶، ۲۹، ۳۱-۳۴، ۵۲-۵۴، ۱۱۳-۱۱۴، ۱۲۰، ۲۰۱؛ (۷) K. Fraser-Tytler: *Afghanistan*، ص ۸، ۶۲.

(L. LOCKHART لوکہارٹ)

----

* **ابراہام:** رکّ بہ ابراہیم [علیہ السلام]

⊗ **اِبراہیمؑ:** خلیل اللہ، جن کا سلسلۂ نسب عرب مؤرّخوں (الطبری، ابن حبیب، المسعودی) نے یوں بیان کیا ہے: ابراہیم بن تارَح بن ناحُور بن سَارُوغ بن اَرغُو بن فالَغ بن عَابر بن شالَخ [شَالَح] بن اَرفَخشَد بن سام ابن نوح، جو غالبًا سِفرِ تکوین باب ۱۱ سے ماخوذ ہے۔

اکثر علما نے لفظ ابراہیم کو اعجمی قرار دیا ہے۔ اس لفظ کی کئی صورتیں بیان کی ہیں، مثلاً ابراہیم (جو معروف ہے)، اِبرَاہَام، اِبرَاہُم، اِبرَہَم، براہم اور براہمہ (النووی، الجوالیقی)۔ سِفرِ تکوین (۱۱: ۲۶ بعد) میں یہ نام دو طور سے آیا ہے: پہلے اَبرام یعنی والدِ عالی، پھر سِفرِ تکوین (۱۷: ۵) میں ہے کہ تیرا نام پھر اَبرام نہیں کہا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہام [ابراہیم] (اَبُورہام گروہ کثیر کا باپ) ہوگا۔

''ابراہیم'' کے نام سے قرآن مجید میں ایک سورہ [۱۴] بھی ہے، جو مکّے میں نازل ہوئی۔ ابراہیم انبیاے عظام میں سے ہیں۔ اللہ نے انھیں ''اُمّۃ'' قبّ ۱۶ [النحل]: ۱۲۰ اور ''اِمام النّاس'' قبّ ۲ [البقرۃ]: ۱۲۴ کہا ہے۔ اور قرآن کریم میں انھیں بار بار ''حَنِیف'' اور ''مُسلِم'' (مثلاً قبّ ۳ [آل عمران]: ۶۷) کی صفت سے یاد فرمایا ہے اور آلِ ابراہیم کو ''کتاب''، ''حکمۃ'' اور ''مُلک عظیم'' سے

نوازا، قبّ (۴[النسآء]:۵۴)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خُلّت کا شرف بخشا اور سب امتوں میں انھیں ہردلعزیز بنایا۔ اکثر انبیاے کرام ان کی اولاد سے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے احوال واوصاف بالصراحت مذکور ہیں۔ شرک، کوکب پرستی اور بت سازی کے خلاف اپنی قوم اور اَوروں کے ساتھ ان کا مجادلہ ومحاجّہ بڑے زور سے پیش کیا گیا ہے۔

ابراہیمؑ کو بچپن ہی میں ''رُشد'' (۲۱[الانبیآء]:۵۱) عطا کیا اور آپ کو قلبِ سلیم (۳۷[الصّٰفّٰت]:۸۴) بھی عنایت فرمایا تھا۔ تکوینی عجائبات اور ملکُوت السّمٰوات والارض ان کے سامنے تھے؛ انھیں کے مشاہدے سے ابراہیمؑ کو یقین کامل حاصل ہوا (۶[الانعام]:۷۵)۔ احیاے موتٰی کے راز کو سمجھنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تشفّی فرمائی (۲[البقرۃ]:۲۶۰).

بُت پرستی کے خلاف ابراہیمؑ کے جہاد کا ذکر بھی قرآن کریم میں کئی بار آیا ہے۔ ان کی اور ان کے بزرگ آزر کی بحث اس باب میں سورۂ مریم میں دی ہے۔ بالآخر انھوں نے ان سے سلامِ مُتارکہ کیا اور وہ تمام مشرکین سے الگ ہوگئے (۱۹[مریم]:۴۲-۴۷).

ابراہیمؑ کا سوال یہ تھا کہ یہ تماثیل (مورتیں) جن پر تم اُمڈے پڑے ہو کیا ہیں؟ انھیں جواب دیا گیا کہ ہم نے تو اپنے آباواجداد کو انھیں کی پُوجا کرتے پایا۔ اس پر ابراہیمؑ نے فرمایا: تم اور تمھارے بزرگ صریح گمراہی میں رہے۔ اس تبلیغ کا کم از کم ایک اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ متردّد ہوگئے۔ انھوں نے ابراہیمؑ سے پوچھا: تو کیا آپ ہمارے پاس سچّی بات لائے ہیں یا یہ محض دل لگی تھی، قبّ ۲۱[الانبیآء]: ۵۲-۵۵، نیز دیکھیے ۲۹[العنکبوت]:۱۶ بعد و ۲۶[الشعرآء]:۷۰ بعد و ۳۷[الصّٰفّٰت]: ۸۵ بعد۔ جب ابراہیمؑ نے عملی طور پر بتوں کی بے چارگی قوم کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی اور انھیں سمجھایا کہ افسوس ہے کہ تم اللہ کے سوا ایسے معبودوں کی پرستش کرتے ہو جو تمھیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو بعض نے کہا: ابراہیمؑ کو قتل کر ڈالو۔ دوسروں نے کہا: اسے آگ (''الجحیم'') میں جلا کر راکھ کر دو۔ چنانچہ ایک (بھٹی) تعمیر کی گئی اور اس میں آگ بھڑکائی گئی اور ابراہیمؑ کو اس میں پھینک دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ (۲۱[الانبیآء]:۶۹) (اے آگ تو ابراہیم کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی کا باعث بن جا)۔ چنانچہ ابراہیمؑ صحیح وسالم اس سے نکل آئے۔

اسی دَور میں ابراہیمؑ سے ایک کافر (نمرود بن کنعان بن [سنحاریب بن نمرود بن کُوش بن کنعان ابن] حام بن نوح — دیکھیے المحبّر، ص ۳۹۳، ۴۶۵-۴۶۶) نے بھی مناظرہ کیا اور کہا کہ میرے معبود نے مجھے ملک وسلطنت بخشی ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا: میرا معبود و پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے کہا: میں بھی (جسے چاہوں) زندہ رہنے دوں اور (جسے چاہوں) مار ڈالوں۔ ابراہیم نے جواب دیا: اچھا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکالیں (تو جانیں)۔ اس پر وہ کافر ہکّا بکّا ہوکر رہ گیا (۲[البقرۃ]:۲۵۸).

آگ میں سے نکل آنے کے بعد ابراہیمؑ اپنے گھرانے کے لوگوں سمیت، جن میں لوطؑ بھی شامل تھے، ترکِ وطن کرکے عراق سے شام کو چلے گئے۔ قرآن کریم میں ہے کہ بلاشک وشُبہہ ابراہیمؑ اور ان کی جمعیّت مومنوں کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے (۶۰[الممتحنۃ]:۴)۔ چنانچہ ضمناً یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان مہاجرین کی فہرست میں آزر کا نام شامل نہیں تھا جسے ابراہیمؑ سلامِ رخصت کر چکے تھے (۱۹[مریم]:۴۷)۔ یاقوت الحَمَوِی نے بھی آزر کے شام میں وارد ہونے پر شک ظاہر کیا ہے (معجم البلدان، ۱:۷۸۰) لیکن تاریخ سے، جو بہت حد تک اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، یہ پتا چلتا ہے کہ ابراہیمؑ کے والد تارح کی وفات (دیکھیے المُحبّر، ص ۴) حَرّان میں واقع ہوئی۔ اس سے اس گمان کی مزید تائید ہوتی ہے کہ آزر اور تارح دو مختلف ہستیاں ہیں (نیز دیکھیے مادّۂ آزر).

دیارِ غریب میں پہنچ کر ابراہیمؑ سرگرداں رہے۔ بالآخر وہ (کنعان کے علاقے میں) مقیم ہوگئے۔ انھیں اولاد کی تمنّا تھی۔ انھوں نے دُعا بھی کی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (۳۷[الصّٰفّٰت]:۱۰۰)؛ (اے میرے پروردگار مجھے ایک نیک بیٹا عطا کر — چونکہ ان کی بیوی (سارہ بنت لابن بن بثویل بن ناحور، جو ابراہیمؑ کے گھرانے سے تعلّق رکھتی تھیں — دیکھیے المحبّر، ص ۳۹۴؛ المسعودی، ۱:۸۵) کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے انھوں نے (ہاجرہ) سے ابراہیمؑ کا نکاح کر دیا۔ اللہ نے ابراہیمؑ کو ایک ''حلیم'' بچے (اسمٰعیل) کی بشارت دی۔ ابراہیمؑ انھیں کعبۂ معظّمہ کے قریب چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے (۱۴[ابراہیمؑ]:۳۷)۔ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو ابراہیمؑ آئے اور انھوں نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں؛ چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دیا۔ اس آزمائش میں جب ابراہیمؑ پورے اترے تو اللہ نے انھیں 'امامُ للنّاس' بنایا (۲[البقرۃ]:۱۲۴) اور انھیں ایک اَور بیٹے اسحٰق کی بشارت دی (۳۷[الصّٰفّٰت]:۱۰۱).

قرآن مجید میں آیا ہے کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے مل کر جب کعبے کی بنیادوں کو از سرِ نو اٹھایا تو یہ دُعا مانگی: وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ، الخ (۲[البقرۃ]:۱۲۷ بعد) اور تعمیر کے بعد مکّے کی آبادی کے لیے بھی ابراہیمؑ نے دعا مانگی: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا، (۱۴[ابراہیم]:۳۵).

''صُحُف ابراہیم'' کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے (۵۳[النجم]: ۳۶-۳۷؛ ۸۷[الاعلیٰ]:۱۹)۔ اہلِ تاریخ کے نزدیک متعدد صحیفے تھے، ایک صحیفہ جو ان کی طرف منسوب ہے یونانی سے انگریزی میں ترجمہ ہوکر شائع ہو چکا ہے (دیکھیے G. H. Box: *Testament of Abraham*، لنڈن ۱۹۲۷ء).

ابراہیمؑ کی اولاد کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: اسمٰعیلؑ (ہاجرہ کے بطن سے

سب سے بڑے)، اسحٰقؑ (سارہ کے بطن سے)، نیز کئی اور بچے ایک کنعانی بی بی کے بطن سے (دیکھیے المُحبّر، ص ۳۹۴).

النَّوَوی نے نقل کیا ہے کہ ابراہیمؑ اقلیم بابل کے مقام کُوثا میں پیدا ہوے اور ان کی والدہ کا نام نونا تھا (نیز دیکھیے مُعجم البُلدان، ۴: ۳۱۷)۔ ایک اَور روایت ہے کہ ابراہیمؑ کلدانیہ کے شہر اُرُ میں پیدا ہوے اور جب انھوں نے اس دنیا سے رحلت کی تو انھیں حَبرُون میں مَکفِیلَہ (Machpelah) کے غار میں دفن کیا گیا۔ اس مقام کو اب 'الخَلِیل' کہتے ہیں (یاقوت، ۲: ۱۹۴)، جو بیت المقدّس سے ایک منزل سے کم فاصلے پر ہے (نووی).

مآخذ: (۱) قرآن مجید: متعدّد مقامات مع تفاسیر؛ (۲) بائبل؛ (۳) ابن حبیب: المُحبّر، حیدرآباد ۱۹۴۲ء، متعدّد مقامات؛ (۴) الجوالیقی: المُعرَّب، لبسیا ۱۸۶۷ء، ص ۸؛ (۵) الطبری: تأریخ، ۱: ۲۲۰ بعد؛ الثَّعلبی: قَصَص الانبیاء، قاہرہ ۱۳۱۲ھ، ص ۴۳-۴۷، ۴۹-۶۰؛ (۶) الکِسائی: قصص الانبیاء، لائڈن ۱۹۲۲ء، ۱: ۱۲۸-۱۴۵، ۱۵۳؛ (۷) المسعودی: مُرُوجُ الذَّھَب، پیرس ۱۸۶۱ء، ۱: ۸۲ بعد؛ (۸) ابن قُتیبہ: المعارف، طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۱۵؛ (۹) النَّوَوی: تہذیب الأسماء، طبع قاہرہ، ۱: ۹۸، ۱۰۲؛ (۱۰) محمد باقر مجلسی: حیات القلوب، لکھنؤ ۱۲۹۵ھ، ص ۱۸۵-۲۳۵؛ (۱۱) Gesenius: *Hebrew and English Lexicon*، لنڈن ۱۸۵۷ء، ص ۹؛ (۱۲) *Jewish Encyclopaedia*، نیویارک ۱۹۰۱ء، ۱: ۸۳-۹۱؛ (۱۳) Pinnock: *Analysis of Scripture History*، کیمبرج (بلا تاریخ)، بہ اِمداد اشاریہ؛ [(۱۴) سلیمان ندوی: ارض القرآن، طبع چہارم ۱۹۵۶ء].

[احسان الٰہی]

[آ] طبع اوّل میں بذیل مادّۂ ابراہیمؑ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن میں ایک عرصے تک حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کعبے کے بانی اور دینِ حنیف کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی، البتہ عرصۂ دراز کے بعد ان کی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متّصف ظاہر کیا گیا ہے۔ مکّی سورتوں میں کسی مقام پر بھی (حضرت) اسمٰعیلؑ کا ابراہیمؑ سے رشتہ نظر نہیں آتا اور نہ انھیں اوّل المسلمین بتایا گیا ہے۔ بلکہ وہ صرف ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت میں نظر آتے ہیں، وہاں انھیں مؤسّسِ کعبہ، ابو اسمٰعیل، عرب کا پیغمبر و ہادی اور ملّتِ حنیفی کا داعی ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ جب محمدؐ کی زندگی کا مدنی دَور شروع ہوتا ہے تو مدنی سورتوں میں [حضرت] ابراہیمؑ کے ذکر کے وقت یہ تمام خصوصیات نمایاں کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ معترضوں نے یہ تجویز کی کہ مکّی زندگی میں آپ تمام امور میں یہود پر اعتماد رکھتے تھے اور انھیں کے طریقوں کو پسند کرتے تھے اور ابراہیمؑ کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جس سے یہود دیکھتے تھے۔ لیکن جب مدینے میں یہود نے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا تو آپؐ نے یہود کی یہودیت سے جدا دعوتِ ابراہیمی کی بنیاد ڈالی اور ابراہیمؑ کو ملّتِ حنیفی کے داعی، عرب کے پیغمبر، اسمٰعیل کے والد اور کعبے کے مؤسّس کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس اعتراض پر مفصّل بحث کے لیے ملاحظہ ہو محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن، دہلی، ۱: ۱۴۰-۱۵۱۔ اس سلسلے میں محمد فرید وجدی کا ایک تعلیقہ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ۱/۱: ۲۸ بعد میں دیا گیا ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

کسی مؤرّخ نے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، یہ نہیں کہا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعوتِ اسلام کے پھیلانے میں یہود سے مدد لی۔ برخلاف اس کے سب کہتے ہیں کہ یہود مکّے اور مدینے دونوں جگہ آپؐ کے سخت ترین مخالف تھے اور آپؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ خود قرآن کریم میں وارد ہے: [ترجمہ] ''تو یہود اور مشرکین کو ایمان والوں کا سب سے زیادہ کٹر دشمن پائے گا اور ایمان والوں کی محبت میں سب سے قریب ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصارٰی کہتے ہیں'' (۵ [المائدۃ]: ۸۲).

عرب زمانِ جاہلی میں ایسے شخص کو جس پر یہودیّت کی مہر لگی ہو کوئی وقعت نہ دیتے تھے۔ بلکہ اس کی بابت یہ ذکر آیا ہے کہ ان کے پڑوس میں بھی رہنا گوارا نہ کرتے تھے اور انھیں ان مقامات سے نکالنا چاہتے تھے جو انھوں نے اپنی ہجرت کے لیے پسند کیے تھے.

قرآن کریم نے یہ کہنے میں کہ اسمٰعیل یا عدنانی عرب کے مُورِثِ اعلٰی ابراہیمؑ ہیں پہل نہیں کی ہے، بلکہ تورات میں اس سے پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی (دوسری بیوی) ہاجرہ اور اس کے فرزند اسمٰعیل کو سرزمین عرب میں بسایا اور انھیں سے اسمٰعیلی عرب پیدا ہوے.

اسلام نے ابراہیمؑ کے یہودیت کی طرف منسوب ہونے سے کبھی عزّت طلب نہیں کی۔ اس کے برعکس اس نے یہود کے اس دعوے کی کہ ابراہیمؑ یہودی تھے سختی سے تردید کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: [ترجمہ] ''ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ وہ تو سب سے منحرف ہو کر مسلم تھے'' (۳ [آل عمران]: ۶۸)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: [ترجمہ] ''کہہ دیجیے کہ اے کتاب والو، ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، تورات اور انجیل تو اس کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے'' (۳ [آل عمران]: ۶۵).

اسلام کسی وقت بھی یہودیت کے سہارے کھڑا ہونے کا روادار نہ تھا۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ اسلام بنی آدم کے لیے وہی قدیم دین ہے جو اللہ نے انسان کے لیے وحی کے ذریعے بھیجا تھا، پھر اسے مختلف ادیان کے زُعما نے بدل کر اس کے اصلی راستے سے ہٹا دیا۔ پھر اللہ نے ان کی ملاوٹوں سے اسے پاک صاف کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً رسول بھیجے۔ یہاں تک کہ رسول آخر الزّمان محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔ قرآن کریم میں ہے: (ترجمہ) ''تمھارے لیے دین میں وہی راہ ڈالی جس کا حکم دیا تھا نوح کو اور جس کا حکم ہم نے تیری طرف بھیجا اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیم کو اور موسٰی کو اور عیسٰی کو، یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو...... اور جنھوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل چکی ہے تیرے رب کی طرف سے

ایک مقرّر وقت تک تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور جنھیں ان کے پیچھے کتاب ملی ہے وہ البتہ اس سے دھوکے میں ہیں جو چین نہیں لینے دیتا۔ سو تو اس کی طرف بُلا (یعنی اس مشترک بنیاد پر جو سب دینوں میں موجود ہے، اتفاق کرنے کی طرف تاکہ سب دین ایک ہو جائیں۔ وجدی) اور قائم رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا ہے اور ان کی خواہشوں پر مت چل اور کہہ کہ میں ہر کتاب پر جو اللہ نے اتاری ایمان لایا [ادیان کی وحدت ثابت کرنے کے لیے] اور مجھے حکم ہے کہ تمھارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا اور تمھارا رب ہے، ہمیں ہمارے کام ملیں گے اور تمھیں تمھارے کام۔ ہم میں اور تم میں جھگڑا کچھ نہیں (یعنی دشمنی اور خصومت نہیں)۔ اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا (اس درست بنیاد پر تاکہ لوگوں میں اختلاف رفع ہو) اور اسی کی طرف پھر جانا ہے''۔ (یہ آیتیں سورۃ الشوریٰ کی ہیں جو مکے میں نازل ہوئی) (۴۲: ۱۳-۱۵)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم دین کو اٹھا کر اس کی پہلی بنیاد (اصل) کی طرف لے جاتا ہے جو نوحؑ کے زمانے میں قائم ہوئی، ابراہیمؑ کے زمانے میں نہیں، اس میں تصریح ہے کہ ابراہیمؑ اس اصل پر قائم رہنے کے اندر نوح کے پیرو ہیں، نئی اصل قائم کرنے والے نہیں۔

اب اگر قرآن صراحۃً ملّتِ ابراہیمؑ کے اتباع کا حکم دیتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام جاری کیا بلکہ اس لیے کہ وہ عرب کے ایک بڑے گروہ کے جدّ امجد ہیں اور اس طرح اُن میں اُن کے اتباع کا شوق پیدا کیا جائے۔

کعبے کی بابت یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب شکل کا مندر نہ تھا، جیسے کارنیک [دیکھیے ۵۰۷] ہے یا کوئی عوام پسند عمارت نہ تھی، جس میں انتہائی صنعت اور سجاوٹ سے کام لیا گیا ہو اور مختلف اقوام اس پر قبضہ کرنے کے لیے جھگڑا کریں۔ وہ تو ایک سادہ سی چوکور عمارت تھی اور عرب چوکور عمارت ہی کو کعبہ کہتے ہیں اور ویسی ہی عمارت تھی جیسی لوگ خود اپنے ہاتھ سے بنا لیتے ہیں، خواہ انھیں معماری نہ بھی آتی ہو، اس لیے کہ اُسے عبادت خانہ بنائیں۔ تو کیا یہ ابراہیمؑ سے، جنھیں تمام امّتیں بالاتفاق نبی مانتی ہیں، کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس قسم کا ایک گھر اپنے اور اپنے فرزند کے نماز پڑھنے کے لیے بنا لیں۔

اور جب یہ بات ثابت ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے فرزند کو عرب کے اس خطّے میں بسنے کے لیے پہنچایا، جیسا تورات میں تصریح ہے، تو لازمی بات تھی کہ وہ اس خطّے میں اس کے لیے ایک سادہ عبادت خانہ بھی بنائیں اور آج تک کسی نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ اِس عبادت خانے [کی بنیادیں ابراہیمؑ نے اٹھائیں] پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے محض اس گھر کی شان بڑھانے کے لیے اِسے ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیا (گو ابراہیمؑ اِس کے بانی نہ تھے)۔ اِس عبادت خانے کا نام بیت اللہ ہونا کعبے کی خصوصیّت نہیں بلکہ اہلِ اسلام کے نزدیک ہر مسجد بیت اللہ ہے۔ کعبے کی شان اس لیے بڑھی ہوئی ہے کہ وہ پہلا بیت اللہ ہے جو مکّے کے اندر انسانوں کے لیے قائم کیا گیا۔

اس بات کی دلیل کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خانۂ کعبہ کو اپنی دعوتِ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد قرار نہیں دیا یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے قیامِ مکّہ کے سارے زمانے میں [نماز میں اپنا منہ بیت المقدّس کی طرف کیا]۔

یہ بات کہ آپؐ نے اسلام کی دعوت کی بنیاد اس پر نہیں رکھی کہ وہ دینِ ابراہیم [ع] ہے خود شپرنگر اور [ہُرخُرونیے] کے اس قول سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کی تصریح مدینے جانے سے پہلے نہیں کی۔ اب اگر ان کا دعویٰ صحیح مان لیا جائے تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپؐ اس کی تصریح مکّے ہی میں کرتے جبکہ وہ ان قبیلوں کے درمیان تھے جو سب کے سب اپنے آپ کو ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ لیکن جس وقت آپؐ مدینے پہنچ گئے جہاں کے قبائل سارے یمنی تھے، جو ابراہیمؑ کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہیں کرتے تھے [قبّ سلیمان ندوی: ارض القرآن، طبع چہارم، ۱۹۵۶ء، ۲: ۸۵ بعد] تو ان کے پرچانے کا ــ اگر مان لیا جائے کہ آپ پرچایا کرتے تھے ــ یہ طریقہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اسلام کو دینِ ابراہیم کہیں، کیونکہ یہ اس وقت بالکل بےمحلّ اور بے موقع تھا۔

اسلام نے جس چیز کا سہارا لیا اور جسے اپنے دعوت کی بنیاد ٹھیرایا وہ دنیا کے سب سے پہلے رسول کا یہ دین ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے وہ آدمیوں کے درمیان اختلافات مٹانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگو عقل اور علم کا سہارا لو اور اپنے عقیدوں اور شریعتوں کی بنیاد سچائی کی ان نشانیوں پر رکھو جو عالم کے اندر اللہ نے قائم کر رکھی ہیں۔ کسی رسول کی خاص ذاتی بزرگی اور خوبی پر ان کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس نے ہر شخص سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمّے دار اور جوابدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: [ترجمہ] ''کیا تم موجود تھے جس وقت موت یعقوب کے قریب آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے رب کی۔ وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی جو انھوں نے کیا وہ ان کے واسطے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمھارے واسطے ہے اور تم سے ان کے کاموں کی پوچھ نہیں'' (۲ [البقرۃ]: ۱۳۴)۔

اوپر کی باتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام نے کسی شخص، قبیلے یا خاندان کی طرف منسوب ہونے کا سہارا نہیں لیا، بلکہ اس کا اعتماد وجودی حقیقتوں پر ہے اور کسی پر نہیں۔ چنانچہ اسلام نے بلالحاظ نسب، وطن اور رنگ کے، سب آدمیوں کے ایک ہونے پر زور دیا۔ اللہ کا ارشاد ہے: [ترجمہ] ''اے آدمیو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری ذاتیں اور قبیلے مقرّر کیے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ اللہ کے ہاں تو بڑی عزّت اُسی کی ہے جو ادب (تقوٰی) میں سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے'' (۴۹ [الحجرات]: ۱۳)۔ اس کے بعد اسلام نے اس پر زور دیا کہ بشر کی وحدت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کا

دین بھی ایک ہو اور وہ وہی سب سے قدیم دین ہے جسے اللہ نے آدم ثانی کے پاس وحی کے ذریعے بھیجا، جیسا کہ اوپر گزرا۔

ظاہر ہے کہ یہ دین ایک طبعی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے، جس میں کسی بشر کو اختلاف نہ ہو اور وہ انسانی فطرت ہے اور اس کی جڑ عقل اور علم پر مبنی ہونی چاہیے، کیونکہ یہی دو چیزیں ظاہری اور باطنی ترقیات کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے سوا انسان کے لیے کوئی اَور ٹھکانا نہیں اور اپنے باطنی اور عقلی نشاط کے کسی میدان میں اس کے لیے قیامت کے دن تک دوسرا کوئی مقرّ اور ملجأ نہیں (دائرۃ المعارف الاسلامیۃ)۔

(محمد فرید وجدی)

----

* **ابراہیم، ابو اسحٰق**، بن احمد: اَغلَبی خاندان کا نواں [اور اِس نام کا دوسرا] فرمانروا، اگرچہ اُس نے اپنے بھائی محمد [ثانی] ابوالغَرانِیق سے اس کے مرتے وقت حلفیہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے [یعنی ابو الغَرانِیق کے بیٹے] ابوعِقال کی بادشاہت تسلیم کرے گا، تاہم اس نے بھائی کے مرتے ہی ۶ جُمادی الاُولیٰ ۲۶۱ھ/ ۱۶ فروری ۸۷۵ء کو قیروان کے باشندوں کے سکوتِ نیم رضا سے فائدہ اٹھا کر تخت پر قبضہ کرلیا۔ اس نے دو بہت مختلف وجہوں سے شہرت حاصل کی یعنی ایک تو اپنے ذوقِ تعمیر کے سبب اور دوسرے اپنی وحشیانہ بے رحمی کے باعث۔ اس نے الرَّقّادہ میں قصرالبحر بنوایا اور ساحل کے ساتھ متعدّد برج (مَحَارِس) بنا کیے، تاکہ رات کے حملوں کی اطلاع لوگوں کو دی جاسکے، مَحَارِس کی وجہ سے بعض اور عمارتیں بھی غلطی سے اس کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔ اس نے کئی لڑائیاں لڑیں، بالخصوص العبّاس کے خلاف، جس نے اپنے باپ یعنی مصر کے پہلے طولونی حاکم احمد سے باغی ہوکر ۲۶۶ھ/ ۸۷۹-۸۸۰ء میں افریقیہ پر چڑھائی کردی۔ اس نے وادی وَرْدَسا میں اغلبی فوجوں کو، جو محمد بن قُرہُب کے زیرِ قیادت تھیں، شکست دی مگر اس کے بعد پہلے تو لَبدَہ کے محاصرے اور پھر طرابُلُس کے محاصرے کی وجہ سے اسے رکنا پڑا۔ جبل نَفُوسہ کے اِباضی [رک بہ اِباضیہ] اپنے سردار اِلیاس بن منصور کی قیادت میں شہر [طرابُلُس] کی مدد کو پہنچے اور انھوں نے العبّاس کی فوج کو تباہ کردیا۔ اس پر العبّاس مصر بھاگ گیا (۲۶۷ھ/ ۸۸۰-۸۸۱ء)۔ افریقیہ کے بربروں کی بغاوت میں محمد بن قُرہُب مارا گیا (ذوالحجّۃ ۲۶۸ھ/ جون - جولائی ۸۸۲ء) اور یہ بغاوت ابراہیم کے بیٹے ابوالعبّاس کے ہاتھوں ہی فرو ہوئی۔ جب ابوالعبّاس نَفُوسَہ [کے اَبَاضِیوں] کو کاملاً شکست دے چکا تو اسے صِقِلّیہ بھیج دیا گیا جہاں سیرُاقُوزہ [سامی: سرقوسہ، در ابن الاثیر] (Syracuse) پر ۸۷۸ء میں قبضہ ہوچکا تھا۔ کچھ عرصے بعد ابراہیم بھی اس کے پیچھے پہنچ گیا اور خلیفۂ عبّاسی کے حکم سے اُس نے رجب ۲۸۹ھ/ [جون] - جولائی ۹۰۲ء میں ترمینی [طبرمین، در ابن الاثیر] Taormina پر قبضہ کرلیا اور آبنائے کو عبور کرکے قَوزَنْجِہ [سامی: کسنتہ، در ابن الاثیر] Cosenza [اٹلی] کا محاصرہ شروع کردیا، مگر ۱۹ ذوالقعدہ ۲۸۹ھ/ ۲۶ اکتوبر ۹۰۲ء کو دورانِ محاصرہ میں بعارضۂ پیچش اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کی میّت کو قیروان لے گئے، جہاں یکم محرّم ۲۹۰ھ/ ۵ دسمبر ۹۰۲ء کو اُسے دفن کردیا گیا۔ سب مؤرّخ بالاتّفاق اس پر انتہائی بے رحمی کا الزام عائد کرتے ہیں اور اُس کی بے رحمی کی بے شمار مثالیں پیش کرتے ہیں، مثلاً موالی، الرَّقّادہ، اور تونس کے باشندوں، کا قتل عام، اپنے طبیبوں، وزیروں، خدمتگاروں، اپنے بیٹے ابوالاَغلَب اور اپنے آٹھ بھائیوں کا محض موہوم اندیشوں کی وجہ سے قتل۔ اس نے حبشیوں کا ایک محافظ دستہ (باڈی گارڈ) بنا لیا تھا۔ اسے صرف انھیں پر اعتماد تھا اور وہی اس کے ظلم وستم کے آلۂ کار تھے۔

مآخذ: (۱) ابن الاثیر: کامل (طبع تورن برگ)، ۷: ۱۹۵-۱۹۸، ۲۲۲ بعد، ۲۲۵، ۲۵۸، ۳۴۹-۳۵۱، ۳۶۰؛ [وہی کتاب، طبع ۱۳۵۳ھ، ۶: ۵-۷، ۱۹، ۲۱، ۳۹، ۹۷ بعد، ۱۰۳]؛ (۲) ابن عِذاری: *Hist. de l'Afrique et de l'Espagne*، ۱: ۱۰۹-۱۱۷، ۱۲۳-۱۲۷؛ (۳) ابن خلدون، *Hist. de l'Afrique et de la Sicile* (طبع و ترجمہ Desvergers، پیرس ۱۸۴۱ء)، متن ص ۵۵-۶۰، ترجمہ ص ۱۲۶-۱۴۴؛ (۴) Costa-Luzi و B. Lagumina: *La Cronaca Sicula-Saracena* (پلرمو Palermo ۱۸۹۰ء)، ص ۳۲-۳۹؛ (۵) [الشَّمّاخی]: کتاب السِیَر (قاہرہ، بدون تاریخ)، ص ۲۲۵ (از روے ابن الرَّقیق)؛ (۶) المَقریزی: خِطَط (قاہرہ ۱۲۹۰ھ)، ۱: ۳۲۰؛ (۷) النُوَیری: *Hist. des Berbères*، جلد اوّل کا ضمیمہ ترجمہ دیسلان (de Slane)، ص ۳۹۸-۴۰۳؛ (۸) Amari: *Biblioteca arabo-sicula*، بمواضع کثیرہ؛ (۹) وہی مصنّف: *Storia dei Musulmani di Sicilia*، ۲: ۷۲-۹۳؛ (۱۰) ابن ابی دِینار: مُؤنِس، ص ۴۹ بعد؛ (۱۱) یونانی مآخذ کے لیے قب Muralt: *Essai de chronographie byzantine* (پیٹرز برگ ۱۸۹۷ء)، ص ۴۵۶ بعد، ۴۶۰، ۴۷۷ بعد، ۴۸۰؛ (۱۲) Fournel: *Les Berbers*، ۱: ۵۲۳ بعد، ۵۲۵-۵۲۹، ۵۳۹، ۵۵۸ بعد، ۵۶۳ بعد، ۵۷۱-۵۸۳؛ (۱۳) A. Müller: *Der Islam*، ۱: ۵۴۸، ۵۵۲ بعد، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۹۶۔

[رینے باسے RENE BASSET]

----

* **ابراہیم بن احمد**: [آلِ عثمان کا اٹھارھواں سلطان - زامباور] جو سلطان احمد اوّل کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ [۱۲] شوّال ۱۰۲۴ھ/ ۴ نومبر ۱۶۱۵ء کو پیدا ہوا اور اپنے بھائی سلطان مراد رابع (م ۱۶ شوّال ۱۰۴۹ھ/ ۸ فروری ۱۶۴۰ء) کا جانشین ہوا۔ اس کے بھائیوں عثمان ثانی اور مراد رابع نے، جو اس سے پہلے تخت کے مالک رہے تھے، اسے سختی کے ساتھ گوشۂ عزلت میں رکھا تھا اور اس کا یہ زمانہ ان دونوں کی سازباز کے خوف اور قتل کیے جانے کے مسلسل اندیشے میں گزرا۔ جسمانی لحاظ سے بھی وہ کمزور واقع ہوا تھا۔ ان سب باتوں نے مل جُل کر اسے ایک بڑی سلطنت پر حکومت کرنے کے بالکل ناقابل بنا دیا تھا؛ چنانچہ حکومت کے ابتدائی ایّام میں اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے قابل وزیر قرہ

مصطفٰی کے ہاتھ میں چھوڑ دی۔ اس وزیر نے سوِن (Szön) کے معاہدے (۱۵/ مارچ ۱۶۴۲ء) کے ذریعے آسٹریا کے ساتھ صلح کی تجدید کر لی؛ اس نے قلعۂ آزاق یا آزوف (Azow) فتح کیا اور منجملہ اَور معمولی قسم کی شورشوں کے دبانے کے اس نے نَصُوح پاشازادہ کی خطرناک بغاوت بھی فرو کی (۱۶۴۲ء)۔ اس کے ساتھ اس نے ملک کے اُمورِ مالیّہ پر کڑی نگرانی رکھی اور ملک کے سِکّے کی اصلاح کی، سلطنت کے اخراجات کو محدود کیا، مالیات (ٹیکسوں) کی وصول یابی میں سختی سے کام لیا اور اس طرح ملک کی مالی حالت کو بہت بہتر بنا دیا، مگر چار سال کے بعد وہ درباری سازشوں کا شکار ہو گیا اور ۲۱ ذوالقعدہ ۱۰۵۳ھ/ ۳۱ جنوری ۱۶۴۴ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ سلطان، جو حرم سرائے کی رنگ رلیوں میں اپنے پیشرووں اور جانشینوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر مستغرق رہتا تھا، اب پوری طرح اپنی داشتہ عورتوں [اوطہ لیق] اور دوسرے منظورِ نظر لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ بالخصوص رسوائے عالم جِنّی خوجہ حسین کے، جو [زعفرانبولی] Zafranbolu کا ایک جاہل طالبِ دینیات [سوفتہ] تھا، جس نے اپنے جھاڑ پھونک سے ابراہیم کے غشی کے دوروں کا شافی علاج کیا تھا اور اس وجہ سے اس کے مزاج میں بے حد دخیل ہو گیا تھا۔ ملک کی آمدنی ابراہیم اور اس کے درباریوں کے احمقانہ شوق پورا کرنے میں ضائع ہو رہی تھی اور عہدے اور رتبے یا تو منظورِ نظر لوگوں کو دیے جاتے تھے، یا نذرانے کے بدلے میں، یعنی جتنی رشوت دی جاتی اس کے مطابق عہدے ملتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدرِ اعظم اور دیگر وزرا پے در پے بدلتے رہے۔

جب ملک کی حالت ایسی ابتر ہو رہی تھی تو ۲۸ ستمبر ۱۶۴۴ء کو مالٹا کے بحری قزّاقوں نے کرپہ (Karpathos) کے قریب حاجیوں کے قافلے کو، جن کے ہمراہ ایک محافظ جنگی جہاز تھا، پکڑ لیا۔ ان میں سلطان کا قیزلر آغاسی سُنبُل بھی تھا، جو اپنے مال و دولت اور خدم و حشم سمیت قاہرہ جا رہا تھا، جہاں اسے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ سلطان نے انتقام لینے کی ٹھان لی اور چونکہ اس کا منظورِ نظر سلحدار یوسف اُسے پہلے ہی سے وینس (Venice) کے خلاف اُکساتا رہتا تھا اس لیے سلطان نے اس جمہوریہ پر چڑھائی کرنے کا تہیّہ کر لیا، چنانچہ جنگ کا اعلان کیے بغیر ایک طاقتور ترکی فوج اقریطش (کریدیا کریٹ) کے ساحل پر اتار دی گئی اور اس نے خانِیَہ (Canea) پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے سال رِتمو (Rhethymo) بھی فتح ہو گیا لیکن قَنْدِیہ (Candia) کے مضبوط قلعے کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ اس دوران میں ترکوں نے دالماچیہ (Dalmatia) میں بار بار شکست کھائی۔ ان تمام باتوں سے سلطان اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس نے اپنی حکومت کے تمام عیسائیوں کو، کم از کم تمام فرنگیوں (Franks) کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن شیخ الاسلام کی مخالفت کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ اس جنگ نے، جو ۲۵ سال تک جاری رہی، ملک کو خستہ و خراب کر دیا۔ تاہم اس سے سلطان کی عیّاشی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ [سلطانی] محلّ سرائے کی احمقانہ عیش و عشرت میں جو بھاری بھاری رقمیں خرچ کی جاتی تھیں وہ غیر متناسب طور پر بڑھ گئیں اور ضروری رقموں کے مہیّا کرنے کے لیے نئے بھاری ٹیکس لوگوں پر لگا دیے گئے۔ بالآخر رعایا کا غیظ و غضب پھوٹ نکلا۔ بغاوت میں ینی چری پیش پیش تھے اور علما، جن میں شیخ الاسلام بھی شامل تھا، اُن کے مددگار تھے۔ سب سے پہلے صدرِ اعظم ہزار پارہ احمد پاشا بپھرے ہوئے ہجوم کے غضب کا شکار ہوا۔ اس کے بعد سلطان ابراہیم کی باری آئی اور اسے ۲۸ رجب ۱۰۵۸ھ/ ۸ اگست ۱۶۴۸ء کو تخت سے اتار دیا گیا اور چینی لی کوشک (Čīnīlikiöshk) میں بند کر دیا گیا، جہاں چند دن بعد جلّاد نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ جب ابراہیم تخت نشین ہوا تھا تو اس وقت پورے عثمانی خاندان میں فقط وہی ایک زندہ نرینہ فرد موجود تھا۔ اُس نے اپنی وفات پر چار بیٹے چھوڑے اور اس طرح اُس نے اس خاندان کی ازسرِ نو بنیاد رکھی۔ مؤرّخین کے نزدیک اس کا یہی ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے۔

مآخذ: (۱) حاجّی خلیفہ: فَذْلِکہ، ۲: ۲۲۰-۳۳۰، ۳۳۹ ببعد؛ (۲) نَعیما: تأریخ، ۱: ۶۹۷؛ ۲: ۱۷۱؛ (۳) روضۃ الابرار، ص ۶۱۰ ببعد؛ (۴) مُنجّم باشی، ۳: ۶۷۹-۶۹۳؛ (۵) صُولاق زادہ، ص ۷۶۶-۷۷۳؛ (۶) اِوْلیاء چلبی: سیاحت نامہ، ۱: ۲۶۷-۲۷۷، ۳۵۵؛ (۷) وہی مصنّف: Travels etc، ۱: ۱ و ۱۴۶-۱۵۱؛ (۸) Rycaut-Knolles: *History* etc.، ص ۴۹-۷۹؛ (۹) v. Hammer: *Geschichte des Osmanischen Reiches*، ۵: ۲۹۵-۴۵۴؛ (۱۰) Zinkeisen، ۴: ۵۳۰-۸۰۲؛ (۱۱) Ranke: *Die Osmanen und die Spanische Monarchie im xvi u. xvii. Jahrh.*، طبع ثانی، ۴: ۶۴-۷۱.

[مُورُٹمان J. H. MORDTMANN]

ابراہیم بن اَدْہَم: بن منصور بن یزید بن جابِر (ابواسحٰق) التمیمی العِجلِی: ✱ مشہور زاہد، بلخ کے رہنے والے تھے۔ [مکّے میں پیدا ہوئے ــ الکتُبُی]۔ روایت ہے کہ ان کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ وہ یونانیوں کے خلاف ایک بحری مہمّ میں شریک تھے (حِلْیۃ الاولیاء، نسخۂ لائڈن، ۱: ۱۸۸، [مطبوعہ، ۷: ۳۸۸] مگر ان کے سنۂ وفات کے متعلّق اختلاف ہے۔ بہرحال وہ ۱۶۰ھ/ ۷۷۶ء اور ۱۶۶ھ/ ۷۸۳ء کے درمیان فوت ہوئے۔ اس موقع پر محمد بن کُناسَہ کوفی (م ۲۰۷ھ/ ۸۲۲ء) نے، جس کی والدہ ابراہیم بن ادہَم کی بہن تھیں [قب اغانی: و کان ابراھیم.... خالہ او ابن خالہ]، کچھ اشعار ابراہیم کے زُہد اور ذاتی بہادری کی تعریف میں کہے تھے، جن میں اس ''مغربی قبر'' (الجدَث الغَرْبی) کا بھی ذکر کیا تھا جس میں ابراہیم مدفون ہوئے۔ [وہ اشعار یہ ہیں:

أمات الهَوَى حتّى تجنّبَه الهَوَى
كما اجتنب الجانی الدَمَ الطالبُ الدَمَا
ولِلْحِلْم سُلْطانٌ على الجهلِ عندَه
فما يستطيع الجهلُ أنْ يَتَزَمْزَما

و أكثرُ ما تَلْقاهُ فی القوم صامتاً
و اِن قال بَذَّ القائلینَ و أحْكَمَا
یُرى مُسْتَكِینًا خاضِعًا مُتَواضِعًا
و لیثًا اذا لاقى الكتیبةَ ضَیْغَمَا
على الجَدَثِ الغربیّ من آلِ وائلٍ
سلامٌ و بِرٌّ ما اَبَرَّ و اَكْرَمَا]

(اغانی، ۱۲: ۱۱۳ بعد)

ایک بیان کے مطابق انھیں بلادِ روم کے ایک قلعہ سُوقِین میں دفن کیا گیا تھا (یاقوت، طبع وسٹنفلٹ، ۳: ۱۹۶، سطر ۱۴)۔ [ایک روایت یہ ہے کہ وہ بلادِ روم میں ایک بحری جزیرے میں دفن ہوے ـ الکتُبی]۔ اس واقعے کی تائید کہ صوفی مشرب اختیار کرنے کے بعد وہ وطن چھوڑ کر شام چلے گئے اور اپنی وفات تک وہیں محنت مزدوری پر گزران کرتے رہے بہت سی حکایات سے ہوتی ہے، جو حِلیَۃُ الاولیاء میں مذکور ہیں۔ ان کی بابت منقول ہے کہ جب عبداللہ بن مبارک نے ان سے یہ سوال کیا کہ آپ نے خراسان کیوں چھوڑا تو انھوں نے جواب دیا: ''مجھے شام کے سوا کہیں بھی زندگی میں لطف نہیں آتا، جہاں میں اپنا دین لے کر ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک اور ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑتا پھرتا ہوں اور دیکھنے والے مجھے دیوانہ یا کوئی ساربان سمجھتے ہیں''۔

[ابراہیم کے تصوّف اختیار کرنے کا قصہ مہاتما بدھ کی کہانی سے بہت کچھ ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے] (دیکھیے Goldziher: *A Buddhismus hat-ása az Iszlamra*، جس کا خلاصہ T. Duka نے *Journ. Royal. Asiatic Soc.*، ۱۹۰۴ء، میں ص ۱۳۲ بعد پر دیا ہے)۔ اس قصے میں ابراہیم بن ادہم کو بلخ کا ایک شہزادہ بتایا گیا ہے۔ ایک روز وہ شکار کھیل رہے تھے تو ایک غیر مرئی [شخص کی] آواز [ہاتفِ غیبی] نے انھیں متنبہ کیا کہ انھیں خرگوشوں اور لومڑیوں کا پیچھا کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا تھا۔ یہ سن کر ابراہیم گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور اپنے والد کے گڈریوں میں سے ایک گڈریے کا لباسِ صوف لے کر پہن لیا، اپنا گھوڑا اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب کچھ اسے دے دیا اور ''دنیوی شان وشوکت کا راستہ چھوڑ کر زُہد و تقوٰی کا راستہ اختیار کیا'' (ان کی توبہ اور مبدءِ زہد سے متعلق دیگر بیانات کے لیے دیکھیے [مثنوی معنوی، طبع نکلسن، دفتر چہارم، ص ۳۲۱، ۳۲۷ بعد] گولٹ تسیہر (Goldziher)، مقام مذکور، اور فُوَات الوَفَیات، بولاق ۱۲۸۳ء، ۱: ۳، سطر ۱۹ بعد)۔ بعد کے زمانے میں اس ''سلطان ابراہیم'' کے دنیا ترک کرنے کے موضوع پر عجیب و غریب داستانیں وجود میں آئیں، جن کی ترکی، ہندوستانی اور ملائی روایتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

ابراہیم سے متعلق جو حکایات اور ان کے اپنے مقولات ان کے قدیم ترین سوانح نگاروں نے نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل میں ایک باعمل قسم کے زاہد اور متوکّل شخص (quietist) تھے۔ ان کے ہاں اُس نظری (spec-ulative) تصوّف کے آثار، جس کی نشوونما ایک صدی بعد ہوئی، تلاش کرنا بے سود ہے۔ بہت سے اَور قدیم صوفیوں کی طرح انھوں نے بھی اِس کی پوری احتیاط رکھی کہ ان کی خوراک مذہبی مفہوم میں ''حلال'' ہو [قب ابن قُتَیْبَہ: عیون الاخبار، ۲: ۳۶۰/۴]۔ وہ توکّل کے عقیدے کو اس حدّ تک نہیں لے جاتے تھے کہ اپنی روزی کمانے سے بھی انکار کریں۔ برخلاف اس کے وہ باغبانی [''حفظ بساتین'']، فصلوں کی کٹائی، گیہوں کی پسائی وغیرہ کے ذریعے گزر اوقات کرتے تھے۔ بھیک مانگنے کو وہ صرف اس لحاظ سے اچھا سمجھتے تھے کہ اس سے لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب ہوتی ہے اور اس طرح اُن کے نجات حاصل کرنے کے امکانات میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اسے کسبِ معاش کا ذریعہ بنا لینے کی مذمت کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ ''بھیک مانگنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ آدمی لوگوں کے دروازے پر جا کر سوال کرے؛ دوسری یہ کہ وہ کہے ''میں مسجد میں اکثر جاتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں، اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور جو کچھ مجھے دیا جائے قبول کر لیتا ہوں۔ ان دونوں میں، یہ دوسری صورت زیادہ بری ہے اور اس قسم کا آدمی اصرار [''اِلحاف''، اشارہ بہ آیۂ کریمہ ۲ [البقرۃ]: ۲۷۳] کرنے والا بھکاری ہے''۔ ان کی ایک مخصوص صفت، جو بمقابلہ اسلامی تصوّف کے ہندی اور اہلِ سوریہ کے زہد سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اِس حکایت سے ظاہر ہوتی ہے کہ جن تین موقعوں پر انھوں نے خوشی محسوس کی ان میں ایک یہ تھا کہ انھوں نے اُس پوستین کے لباس کو، جو وہ پہنے ہوے تھے، دیکھا تو اس میں اتنی جوئیں تھیں کہ وہ ان کی کثرت کی وجہ سے جوؤں اور پوستین کے رووں میں امتیاز نہ کر سکے (القُشَیری: رسالۃ، قاہرہ ۱۳۱۸ھ، ص ۸۳، سطر ۲۵ بعد)۔ ان کے صوفیانہ اقوال میں سے نمونے کے طور پر مندرجۂ ذیل نقل کیے جا سکتے ہیں [نیز دیکھیے ابن قتیبہ: عیون الاخبار، اشاریہ؛ ابن عبدربہ: العِقْدُ الفرید، طبع ۱۳۲۱ھ، ۱: ۳۴۳ س ۵ بعد]: ''فقر ایک خزانہ ہے جسے اللہ نے آسمان میں رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ خزانہ ان لوگوں کے سوا جن سے وہ محبّت کرتا ہے کسی کو عطا نہیں کرتا''؛ ''اللہ کو پہچاننے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر وقت نیکی اور عبادت کی فکر میں رہتا ہے اور اس کا بیشتر کلام (خدا کی) حمد و ثنا پر مشتمل ہوتا ہے''۔ ابو یزید الجُذامی کے اس قول کے جواب میں کہ ''بڑی سے بڑی چیز، جس کی عبادت گزار بندے خدا سے آخرت میں حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں، جنت ہے'' ابراہیم نے کہا: ''خدا کی قسم، میں سمجھتا ہوں کہ صوفیوں کے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا انھیں اپنے دیدارِ دل آویز سے محروم نہ کرے''۔ اگرچہ ایسے خیالات زہد سے تصوّف کی جانب انتقال کی نشان دہی کرتے ہیں، تاہم یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ ابراہیم بن اَدْہم وہ شخص تھے جس نے ان دونوں کی درمیانی حدّ کو عبور کر لیا تھا۔ ترکِ دنیا اور نفس کُشی ان کے مذہب کے بنیادی اصول ہیں اور انھیں میں وہ پورا اطمینانِ قلب اور خوشی پاتے ہیں نہ کہ مراقبے کے وجد و حال یا از خود رفتگی کے ذوق و شوق میں، [رُواۃِ حدیث نے بھی انھیں مامون اور ثقہ قرار دیا ـ الکتُبی]۔

[ابراہیم بن ادہم کے متعلّق ایک عربی رومان، جس کا ترجمہ اور اختصار دَرْوِیش حسن الرومی کی اصل ترکی کتاب سے احمد بن یوسف سِنان القَرَمانی الدِمَشْقی (م ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۱ء) نے کیا ہے، برلن میں محفوظ ہے (قب براکلمان (Bockel-mann): *Gesch. d. arab. Litt.*، ۲:۲؛ ۳۰۱؛ اس کے محتویات کا جائزہ اہلوارٹ (Ahlwardt): *Verz.* میں موجود ہے) اور ایک مخطوطے کا ذکر، جس کا سرنامہ سیرة السلطان بن ادھم تألیف دَرْوِیش حسن الرّومی ہے، حبیب الزّیات نے خزائن الکتب فی دِمشق و ضَواحیھا، ص ۳۹، عدد ۱۳۰، ۲ میں کیا ہے۔ قصۂ ولی اللّٰہ ادھم منظوم کا ایک مخطوطہ گوتھا (پرچ (Pertsch): *Die arab. Hss.*، عدد ۲۷۵۲) میں ہے۔ ابوالحسن (ابوالحسین) محمد نے ابراہیم کی ایک داستان کو اردو میں نظم کیا ہے اور اس کا نام گلزار ابراهیم رکھا ہے (میرٹھ ۱۸۶۵ء، طبع سنگی، لکھنؤ ۱۸۶۹ء، کان پور ۱۸۷۷ء، قب بلوم ہارٹ (J. F. Blumhardt): *Cat. of Hindustani Printed Books, Brit. Mus.*، ص ۲۱۶؛ گارساں دتاسی (Garcin de Tassy): *Hist. de la Litt. hindouïe et hindoustanie*، طبع دوم، ۱:۱۰۱)۔ ملائی زبان میں بھی ایک رومان موجود ہے جس کا خلاصہ ہولانڈر (J. J. de Hollander) نے *Handleiding bij de Beoefening der Maleische TaaIen Letterkunde*، طبع ششم، بریڈا (Breda) ۱۸۹۳ء، ص ۳۴۸ میں ذیل کے الفاظ میں دیا ہے: ”عراق کے شہزادۂ سلطان ابراہیم چند سال تک خوشحالی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد [فریضۂ] حج [کے ادا کرنے] کا ارادہ کرتا ہے اور اپنی غیر حاضری میں حکومت کا انتظام اپنے وزیروں میں سے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد وزیر کے سپرد کر دیتا ہے۔ کوفے پہنچ کر ابراہیم کا تعارف شریف حسن کی بیٹی سِتّی صالحہ سے ہو جاتا ہے اور وہ اس سے شادی کر لیتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اپنا مکّے کا سفر جاری رکھ سکے۔ بیس سال بعد اس کا بیٹا محمد طاہر، جو اس شادی سے پیدا ہوا تھا اپنے باپ سے، جو اب تک برابر حرمِ کعبہ میں عبادت میں مشغول تھا، ملنے کے لیے مکّے آتا ہے۔ چونکہ سلطان ابراہیم ہمیشہ کے لیے ترکِ دنیا کا پختہ ارادہ کر چکا تھا اس لیے وہ اپنے بیٹے کو اپنی مُہر دار انگشتری دیتا ہے تاکہ وہ عراق کے تخت پر اپنا حق ثابت کر سکے اور اُسے اپنے ملک جانے کا حکم دیتا ہے۔ بیٹا حکم کی تعمیل کرتا ہے اور وزیر اسے جائز حکمران تسلیم کر لیتا ہے لیکن وہ خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا نہیں چاہتا اس لیے وزیر کے حق میں دست بردار ہو جاتا ہے اور اُسے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے تمام خزانے دے دیتا ہے“۔ ملائی رومان کے دو نسخے پائے جاتے ہیں: ایک مختصر (جسے ولندیزی ترجمے کے ساتھ P. P. Roorda van Eysinga نے بنام *Levensschets van Sultan Ibrahiem, vorst van Eirakh* شائع کیا، بٹاویا (Batavia) ۱۸۲۲ء؛ متن کو مع حواشی D. Lenting نے طبع کیا، بعنوانِ *Geschiedenis van Sultan Ibrahiem zoon van Adaham, vorst van Irakh*، بریڈا (Breda) ۱۸۴۶ء؛ جدید ایڈیشن از A. Regensburg، بٹاویا (Batavia) ۱۸۹۰ء، لاطینی حروف میں، محلّ مذکور، ۱۹۰۱ء)، دوسرا نسخہ مطوّل: کہا جاتا ہے کہ یہ مطوّل نسخہ ابوبکر نامی ایک حَضْرَمی شیخ کی اصل عربی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے (قب Ph. S. van Ronkel: *Catalogus der Maleische Handschriften van het Bataiaasch Genootschap*، ص ۱۲۰ - ۱۲۲، عدد ۱۱۷-۱۲۲= *Verhandelingen van het Bataviaasch Genootschap van Kunsten en Wetenschappen*، ج ۵۷)۔ ابراہیم بن ادہم کی حکایات، جن کا کچھ حصّہ مطبوعہ متن کے مطابق ہے، بُستان السلاطین (مؤلّفہ در اَچے (Atjeh) ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۰ - ۱۶۳۱ء) کتاب ۴، باب ۱، میں بھی پائی جاتی ہیں (دیکھیے H. N. van der Tuuk، در *Bijdragen tot de Taal-Land en Volkenkunde van Ned.-Indië*، سلسلہ ۳، ۱:۴۲۴ بعد، عدد ۱۷؛ وہی مصنّف: *Maleisch Leesboek*، ہیگ *(The Hague)* ۱۸۶۸ء، ص ۴۰-۴۸؛ Van Ronkel: کتاب مذکور، عدد ۵۵) اور جاوی تصانیف لاسمس سلاطین *Lasmas (?) Salatin*، (موزۂ برطانیہ، قب G. Niemann: *Inleiding tot de kennis van den Islam*، ص ۴۷۹) اور نَوَوِی، قب J. H. G. Gunning: *Diss.*، لائڈن ۱۸۸۱ء، ج ۲۱ بعد؛ A. C. Vreede: *Catal. van de Javaansche... Handschr. der Leidsche Univ. -Bibl.*، ص ۳۰۳، عدد ۲۲۱ میں بھی موجود ہیں۔ P. P. Roorda van Eysinga (ایمسٹرڈم Amsterdam ۱۸۴۳ء) اور (C. F. Winter) (بٹاویا ۱۸۸۲ء، ۱۹۰۸ء) نے انھیں جاوی زبان میں نظم کے قالب میں ڈھالا ہے، ونٹر (F. L. Winter) کی منثور تصنیف (سیمارَنگ (Semarang) ۱۸۸۱ء) سے اسے نظم کیا؛ قب Vreede: کتاب مذکور، ص ۲۱۶ بعد۔ اس قصّے کے ترجمے سُنڈا (Sunda) زبان میں بھی موجود ہیں (مطبوعۂ بٹاویا ۱۸۵۹ء اور ۱۸۸۸ء؛ قب H. H. Juynboll: *CataI. van de Maleische en Soendaneesche Handschr. der Leidsche Univ. Bibl.*، ص ۳۲۰ بعد، عدد ۳۸۱-۳۸۲؛ *Suppl.*، ص ۳۴ بعد، عدد ۶۳) اور بُوگِنی (Buginese) زبان میں بھی پائے جاتے ہیں (مترجمہ از ملائی؛ قب B. F. Matthes: *Kort verslag aangaande ..... Makassaarsche en Boegineesche Handschr.*، ص ۳۲، عدد ۹۵)۔

(C. VAN ARENDONK)

مآخذ: (۱) ان حوالہ جات کے علاوہ جن کا ذکر متن مادّہ میں کیا جا چکا ہے دیکھیے: (۱) ابوعبدالرحمٰن السُّلَمی: طبقات الصُّوفیة، موزۂ برطانیہ (Brit. Mus.) کا مخطوطہ، ورق ۴ الف؛ (۲) ابونُعَیم الاصفہانی: حِلْیَةُ الاولیاء، نسخۂ لائڈن، ۱:۱۸۲ الف

[۷: ۳۶۷؛ ۸: ۵۸]؛ (۳) القُشَیری: رسالۃ، قاہرہ ۱۳۱۸ھ، ص۹، سطر ۱۲ ببعد؛ (۴) الہُجْویری: کشف المحجوب، مترجمۂ نکلسن (Nicholson)، ص ۱۰۳ ببعد؛ (۵) عطّار: تذکرۃ الاولیاء، طبع نکلسن، ۱: ۸۵-۱۰۶؛ (۶) جامی: نَفَحات الأُنس، طبع لیس (Lees)، عدد ۱۴؛ (۷) الشَّعْرانی: الطبقات الکبرٰی، ۱: ۹۱؛ (۸) ابن خلِّکان: طبع وُسٹینفِلْٹ (Wüstenfeld)، زیادات واختلافات قراءات، ص ۱۳ ببعد؛ (۹) الکُتُبی: فَوَات الوَفیات، ۱: ۳؛ ان کے علاوہ دیکھیے: (۱۰) فان کریمر (Von Kremer): *Gesch. der. herrschenden Ideen des Islams*، ص ۵۷ ببعد؛ (۱۱) نکلسن (Nicholson): "*Ibrahim b. Adham*"، در *Zeitschr. für Assyriol*، ۲۶: ۲۱۵-۲۲۰؛ (۱۲) گولٹ تسیہر (Goldziher): *Vorle- sungen über den Islam*، ص ۱۶۳؛ (۱۳) E. G. Browne: *Li- terary History of Persia*، ۱: ۴۲۵؛ (۱۴) ابراہیم بن ادہم کی داستان کے ایک واقعے کی تصویر کے لیے دیکھیے *Journ. Roy. Aisat. Soc.*، ۱۹۰۹ء، ص ۷۵۱ اور ۱۹۱۰ء، ص ۱۶۷.

(نکلسن NICHOLSON)

----

* **ابراہیم بن الاَغلَب:** (۱۸۴-۱۹۶ھ/ ۸۰۰ - ۸۱۲ء) نیم آزاد اَغلَبی خاندان کا بانی، الاَغلَب بن سالم بن عِقال التَّمِیْمی، مَروالرُّوذی کا بیٹا تھا۔ الاغلب نے ۱۴۸ھ میں ابن الاَشْعَث کی روانگی کے بعد افریقیہ کی حکومت سنبھال لی تھی، مگر وہ دو سال بعد الحَسَن بن حَرْب کی بغاوت میں مارا گیا تھا۔ ابراہیم کو ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء میں زَاب کا والی مقرر کیا گیا تھا، جب ابن مُقاتل، والیِ علاقہ، کی غلط کاریوں کی وجہ سے لوگ اس کے خلاف برافروختہ ہوگئے اور انھوں نے آخرکار ۱۸۳ھ/ ۷۹۹ء میں اُسے نکال باہر کیا تو ابراہیم اس کی مدد کو پہنچ گیا اور امن وامان قائم کرنے کے بعد اس نے اپنی ہوشیاری سے ہارون الرشید کی نظر میں اپنے تئیں ایسا واجب الرعایت بنا لیا کہ خلیفہ نے ہَرْثَمَہ کے مشورے سے اسے اِفْرِیقِیَّہ پر قابض رہنے دیا، اس شرط پر کہ وہ چالیس ہزار دینار سالانہ بطور خراج ادا کیا کرے گا اور اس کے ساتھ ہی مصر کو اُس ایک لاکھ دینار زرِاعانت سے سبکدوش کر دیا گیا جو افریقیہ کو خزانۂ مصر سے سالانہ دیا جایا کرتا تھا۔ یہ تبدیلی ۱۲ جُمادَی الاُخْرٰی ۱۸۴ھ/ ۹ جولائی ۸۰۰ کو عمل میں آئی۔ اَنْدَلُس اور المغرب کے بعد افریقیہ بھی اپنی باری میں سلطنت عبّاسیّہ سے الگ ہوگیا۔ تھوڑے ہی دن کے بعد مصر نے بھی یہی کیا۔ افریقیہ کے نئے امیر نے پہلا کام یہ کیا کہ قَیْرَوان کی جگہ ایک نیا دارالحکومت بنایا اور اس کا نام العبّاسیّۃ [رَکّ بآن] رکھا۔ ایک سال کے بعد اُس کے پاس شارْلمان (Charlemagne) کی طرف سے قاصد آئے (۸۰۱ء) جو واپسی پر اپنے ساتھ افریقہ سے بہت سے عتیقات لیتے گئے: یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سفر کا تنہا مقصد یہی نہ تھا بلکہ شارلمان اندلس کے امویوں کے خلاف ایک حلیف کی تلاش میں تھا۔ ۱۸۶ھ/ ۸۰۲ء میں ابراہیم نے تونس میں حَمدِیس القَیْسِی کی بغاوت فرو کی؛ ۱۸۹ھ/ ۸۰۵ء میں ایک اَور بغاوت طرابُلُس میں رونما ہوئی اور وہاں کے باشندوں نے اَغلَبی حاکم سُفْیان بن المَضَاء کو نکال باہر کیا۔ ابھی یہ جھگڑا ۱۹۴ھ/ ۸۰۹ء میں ایک عام معافی کے اعلان سے پوری طرح ختم نہ ہونے پایا تھا کہ افریقیّہ کے عین مرکز میں ایک اس سے بھی زیادہ سنگین بغاوت رونما ہوگئی۔ عِمْران بن مُجالِد [الرَّبیعی] (ذہبی نے مُجالد کے بجاے [مَخْلَد] لکھا ہے، دیکھیے فانیاں (V. Fagnan): ابن الأثیر: *Annales*، ص ۱۵۸، حاشیہ ۱، ص ۱۷۳) اور قُرَیش بن التُّونِسی اس کی سرکردگی کررہے تھے۔ ابراہیم مکمّل ایک سال تک العبّاسیّہ میں محصور رہا۔ آخر جو روپیہ خلیفہ نے بھیجا تھا وہ باغیوں کو دے کر اُن سے نجات حاصل کی گئی۔ عِمْران کنارہ کش ہوکر زاب کے علاقے میں چلا گیا اور ابراہیم کی وفات تک امن و عافیت کے ساتھ وہیں رہا۔ ۱۹۶ھ/ ۸۱۱ء میں طرابُلُس میں پھر بغاوت ہوئی، جس کے دَوران میں خارجی [ہَوّارہ (بربروں)] نے اسے تاخت وتاراج کیا؛ امیر (ابراہیم) نے اپنے بیٹے عبداللہ کے زیرِ قیادت فوج روانہ کی لیکن ابتدائی کامیابی کے بعد عبداللہ کو مجبورًا ان خارجیوں کے خلاف جنگ کرنا پڑی جو تاہَرت (Tagdemt) سے آئے تھے اور جن کی قیادت ان کا رُسْتَمی امام عبدالوہّاب بن عبدالرحمٰن [رَکّ بآن] کر رہا تھا۔ انھوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور حملہ شروع ہو چکا تھا کہ خبر آئی ابراہیم ۲۱ شوال ۱۹۶ھ/ ۵ جولائی ۸۱۲ کو قَیْرَوان میں فوت ہوگیا ہے۔ عبداللہ نے اپنی میراث پر قبضہ کرنے کے شوق میں عبدالوہاب کو قسطیلیہ اور جزبہ کے ضلعوں کے علاوہ طرابُلُس کا سارا علاقہ (باستثناء شہر طرابلس Tripoli) دے کر اس سے صلح کرلی.

مآخذ: (۱) البَلاذُری: فُتوح البُلْدان (طبع ڈخویہ de Goeje)، ص ۲۳۳-۲۳۴؛ (۲) مصنّف نامعلوم: کتاب العُیُون، (در ڈخویہ اور ڈیونگ (de Jong): *Fragmenta historicorum arabicorum*، ۳۰۲ ببعد؛ (۳) ابن الأثیر: کامل (طبع تورن برگ)، ۶: ۹۶، ۱۰۶-۱۰۸، ۱۱۳، ۱۳۲، ۱۶۳، ۱۸۷ ببعد، [= طبع ۱۳۵۳ھ، ۵: ۹۶، ۱۰۳ ببعد، ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۴۱، ۱۵۶ ببعد]، (ترجمۂ فانیاں (Fagnan): *Annales du Maghreb et de l'Espagne*، ص ۱۴۹، ۱۵۶-۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۷ ببعد، ۱۷۳، ۱۷۵ ببعد)؛ (۴) ابن العِذارِی: *Histoire de l'Afrique et de l' Espagne*، (طبع ڈوزی)، ۱: ۸۱-۸۴، ۸۶، ترجمہ فانیاں (Fagnan)، ۱: ۱۰۸-۱۱۶؛ (۵) ابوالمحاسن: النُّجوم، ۱: ۴۸۸، ۵۱۱، ۵۲۸، ۵۳۲؛ (۶) ابن خَلْدُون: کتاب العِبَر، ۶: ۱۱۳؛ (۷) *Histoire des Berbères*، ترجمۂ دیسلان، ۱: ۲۲۵؛ (۸) *Hist. de l'Afrique et de la Sicile* (طبع وترجمۂ Desvergers، پیرس ۱۸۴۱ء)، متن ص ۳۱، ۳۳-۳۶؛ ترجمہ ص ۸۱، ۸۳، ۹۴؛ (۹) النُّوَیری: *Histoire des Berbèrs* کے ترجمے کی جلد اوّل کے ضمیمے میں ص ۳۹۷-۴۰۳؛ (۱۰) ابوزکریّا: *Chronique*، مترجمۂ Masqueray (الجزائر ۱۸۷۹ء)، ص ۱۲۱-۱۲۶؛ (۱۱) [الشَّمّاخی]: کتاب السِّیَر (قاہرہ بدون تاریخ)، ص ۱۵۹-۲۴۱؛ (۱۲) ابن ابی دِینار: مُؤنس (تونس ۱۲۸۶ھ)،

ص ۴۷؛ (۱۳) Eigenhard: *Annales Francorum*، بذیل سن ۸۰۱ء؛ (۱۴) Reinaud: *Invasions des Sarraz- ins en France*، (پیرس ۱۸۳۶ء)، ص ۱۱۷؛ (۱۵) Fournel: *Les Berbers*، ۱: ۴۰۷، ۴۱۱، ۴۱۵، ۴۴۰ - ۴۵۳، ۴۵۸، ۴۶۰.

(رینے باسے RENÉ BASSET)

---

* **ابراہیم بن خالد:** رک بہ ابوثور.

---

* **ابراہیم بن عبداللہ:** [بن الحسن بن الحسن ابن علیؓ] حضرت علیؓ کے پرپوتے، عبداللہ بن الحسن [رک بآن] کے فرزند، جن کی پرورش اپنے بھائی محمد [النفس الزکیّہ] سمیت اس توقّع میں ہوئی تھی کہ وہ ایک دن خلیفہ بنیں گے، اس لیے یہ دونوں بھائی عبّاسیوں کو غاصب سمجھتے تھے، زیادہ بجا طور پر اس لیے بھی کہ ازروے روایت بنوامیّہ کے سقوط سے پہلے ابوجعفر [المنصور] نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ اسی لیے یہ دونوں بھائی منصور کی نظر میں کچھ کم خطرناک نہ تھے؛ چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد اس نے اپنے مامورین کو اُن کی تلاش میں بھیجا، اس وجہ سے دونوں بھائیوں کو مجبور ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگنے اور چھپے رہنے کے لیے بہت سے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار محمد مدینے چلے گئے اور ابراہیم نے بصرے کی راہ لی، تاکہ اپنے حقّ خلافت کو مشتہر کریں۔ محمد کو مجبور ہو کر رمضان ۱۴۵ھ/نومبر ۷۶۲ء میں علانیہ خروج کرنا پڑا گو ابھی ان کا منصوبہ کسی معنی میں بھی مکمّل نہ ہوا تھا، جس کی وجہ سے، شکوک و شبہات کے باوجود، ان کے بھائی کو بھی ناچار بصرے میں ہی رکنا پڑا۔ شروع میں حالات ابراہیم کے لیے ناسازگار نہیں تھے، کیونکہ اہلِ عراق عواطف و احساسات کے اعتبار سے علویوں کے جوشیلے حامی تھے اور ابوجعفر نے، جو خود کوفے کے سرکش شہر میں مقیم تھا، اپنی بیشتر افواج کو مدینے یا دیگر مقامات کی طرف بھیج رکھا تھا۔ ابراہیم نے سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا اور اپنی فوجوں کو سازوسامان سے لیس کیا، جنھوں نے الاہواز، فارس اور واسط کو اُن کے نام پر فتح کر لیا۔ اتنے میں یہ حوصلہ شکن خبر پہنچی کہ مدینے میں ان کے بھائی (محمد) نے ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ/۶ دسمبر ۷۶۲ء کو جنگ میں جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ اب اپنے سپہ سالار عیسٰی بن موسٰی کو مدینے سے عراق کی طرف بھیجنے کے قابل ہو گیا۔ ابراہیم اس اثنا میں کوفے پر حملہ کرنے کے ارادے سے بصرے سے چل پڑے تھے اور عیسٰی سے اُن کی مُڈھ بھیڑ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۵ھ/ ۴ فروری ۷۶۳ء کو کوفے کے جنوب میں باخَمرٰی کے مقام پر ہوئی۔ پہلے تو ابراہیم کی افواج فتح مند رہیں لیکن جنگ نے پلٹا کھایا، خود ابراہیم کے ایک تیر آکر لگا اور انھوں نے داعیِ اجل کو لبّیک کہا، ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابراہیم، جن کی عمر ۴۸ سال ہوئی، بہ نسبت کسی انقلاب کی رہنمائی کے کام کے ایک پُرحوادث اور سرگردانی کی زندگی کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ اپنے خاندان کے بہت سے افراد کی طرح وہ ذاتی طور پر شجاع تھے۔

مآخذ: (۱) طَبَری، طبع ڈخویہ (de Goeje)، ۳: ۱۴۳ ببعد، بمواضع کثیرہ، ۲۸۲-۳۱۹، ۴۱۶، ۵۳۲؛ (۲) *Fragm. Hist. arabic.*، طبع ڈخویہ، ص ۲۳۰-۲۵۶؛ (۳) مسعودی: مُرُوج الذَّھَب، طبع باربیہ دَ مینار (Barbier de Meynard)، ۶: ۱۹۰-۲۰۲؛ (۴) ابن الاثیر: الکامل، طبع تورن برگ (Tornberg)، ۵: ۳۹۰، ۳۹۸، ۴۰۸، ۴۲۰، ۴۲۸-۴۳۷؛ [= طبع ۱۳۵۷ھ، ۴: ۳۷۰ ببعد؛ ۵: ۵، ۱۱، ۱۵ ببعد]؛ (۵) نولدیکہ: *Sketches from Eastern History*، ص ۱۲۰ ببعد.

[FR. BUHL]

---

* **ابراہیم بن علی:** رک بہ الشیرازی.

---

* **ابراہیم بن محمد:** بن علی بن عبداللہ بن العبّاس پہلے دو عبّاسی خلفا السّفاح اور المنصور کے بھائی، جو ۸۲ھ/۷۰۱-۷۰۲ء میں پیدا ہوے، ان کے والد، جنھوں نے عام روایت کے مطابق ذوالقعدہ ۱۲۵ھ/اگست ۷۴۳ء میں وفات پائی، سرّی دعوتِ عبّاسیّہ کے بانی تھے اور اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے عبّاسی امامت کا حق اپنے بیٹے ابراہیم کو تفویض کر دیا تھا۔ اس سے اگلے سال ابراہیم نے بُکَیر بن ماہان [رک بآن] کو مرو بھیجا، جہاں اس نے خراسانیوں کو محمد کی وفات کی اطلاع دی اور ابراہیم کی جانشینی کا اعلان کیا۔ ۱۲۷ھ/۷۴۴-۷۴۵ء میں بُکَیر کی وفات پر ابوسَلَمہ الخَلّال [رک بآن] کو عبّاسیوں کا مختار مطلق مقرّر کیا گیا۔ ابراہیم اپنے والد کی طرح الحُمَیمہ میں رہتے تھے، جو بحیرۂ مردار کے جنوب میں ایک مقام ہے اور کوفہ وہ مرکزی جگہ تھی جہاں سے اس زبردست دعوت کے پوشیدہ ڈورے ادھر اُدھر پھیلائے جاتے تھے۔ عبّاسی مبلّغوں [دُعاۃ] کی فعالیّت کے لیے خراسان کی سرزمین خصوصیّت کے ساتھ سازگار تھی اور وہیں ۱۲۸ھ/۷۴۵-۷۴۶ء میں ابومُسلِم کو اس خفیہ تحریک کا قائد مقرّر کیا گیا۔ اس سے اگلے سال کے موسمِ گرما میں مدّت سے تیّار کی ہوئی بغاوت کی یہ آگ بھڑک اٹھی اور یکم شوّال ۱۲۹ھ/۱۵ جون ۷۴۷ء کو [قریۂ] سِیقَذَنج میں [جو مرو سے چار فرسخ پر ہے — یاقوت] پہلی مرتبہ عبّاسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی سال خلیفۂ مروان ثانی نے ابراہیم کو گرفتار کر کے انھیں حرّان بلوا لیا، جو اُس وقت اُس کی رہائش گاہ تھی اور ابراہیم نے وہیں تھوڑی مدّت بعد وفات پائی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابراہیم کو مروان ثانی کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: (۱) طبری، ج ۲ و ۳، دیکھیے اشاریہ؛ (۲) ابن الاثیر (طبع تورن برگ)، ۵: ۱۹۱ ببعد [= طبع ۱۳۵۷ھ، ۴: ۲۵۲ ببعد]؛ (۳) یعقوبی (طبع ہُوتسما)،

۲: ۳۹۳-۴۳۳؛ (۴) ابن الطِّقْطَقی: الفَخْری (طبع درانبُورغ)، ص ۱۸۶ ببعد؛ (۵) شَہْرَستانی (طبع کیورٹن (Cureton)، ۱: ۱۱۴، ۱۴۵) (ترجمہ از ہاربرُکر (Haarbrücker)، ۱: ۱۷۳، ۲۱۸)؛ (۶) Van Vloten: De Opkomst der Abbasiden، ص ۶۸ ببعد؛ (۷) وِیلہاؤزن (Wellhausen): Das arabische Reich، ۳۱۲ ببعد.

[K.V. ZETTERSTÉEN تستر شٹائن]

ابراہیم بن مسعود: بارھواں غزنوی فرمانروا، رکّ بہ غَزْنَوِیہ.

ابراہیم بن المہدی العبّاسی: ۱۶۲ھ کے آخر جولائی ۷۷۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ خلیفہ محمد المہدی تھا اور ماں شِکْلَہ نامی حبشیہ کنیز تھی [اسی لیے وہ سیاہ رنگ تھا اور چونکہ عظیم الجثّہ بھی تھا اُسے التِّنِّین کہتے تھے ۔ ابن خَلِّکان]۔ جب خلیفہ المأمون نے، جو اس وقت مرو میں تھا، رمضان ۲۰۱ھ کے آخر ۲۴ مارچ ۸۱۷ء میں [امام] علی الرِضا عَلَوی کو اپنا جانشین مقرر کیا تو عبّاسیوں کے طرفداروں میں شور وشغب اُٹھا اور اواخر ذوالحجّہ/ جولائی ۸۱۷ء میں عبّاسیوں نے المأمون کے چچا ابراہیم کو المبارَک [برکت والا] کا لقب دے کر خلیفہ بنا دیا اور ۵ محرّم ۲۰۲ھ/ ۲۴ جولائی ۸۱۷ء کو وہ بحیثیت خلیفہ عوام کے سامنے مسجد میں آیا لیکن اس کی حکومت دیر پا نہ ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ اپنی فوجوں کو تنخواہ نہ دے سکا اس لیے انھوں نے جلد ہی بغاوت کر دی۔ فوج میں نظم ونسق قائم کرنے کے بعد حیرہ اور کوفہ اس کے قبضے میں آ گئے، لیکن ۲۶ رجب [۲۰۲ھ]/ ۷ فروری ۸۱۸ء کو اُس کے سپہ سالار سعید بن ساجور اور عیسٰی بن محمد کو حسن بن سَہْل نے، جو والی تھا، واسط میں شکست دی اور انھیں بغداد کی طرف پیچھے ہٹنا پڑا۔ تھوڑے ہی دن میں عیسٰی علانیہ طور پر دشمن سے مل گیا اور دوسرے سپہ سالار بھی پوشیدہ طریقے پر المأمون کے لیے مَحوِ عمل ہو گئے۔ جب المأمون خراسان سے واپس آیا تو ابراہیم، جس میں مزید مقابلے کی تاب نہ تھی، اواسط ذوالحجّہ ۲۰۳ھ/ جون ۸۱۹ء میں دعوائے خلافت سے دست بردار ہو گیا اور ۱۵ صفر ۲۰۴ھ/ یکم اگست ۸۱۹ء کو المأمون بغداد میں داخل ہوا۔ اس کے بعد ابراہیم [چھپ گیا اور اس] نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ ۲۱۰ھ/ ۸۲۵ - ۸۲۶ء میں اُسے گرفتار کر لیا گیا لیکن چند روز بعد معافی دے دی گئی۔ رمضان ۲۲۴ھ/ جولائی ۸۳۹ء میں اس نے سُرَّ مَن رَّاٰی (سامرّہ) میں وفات پائی۔ اس میں حکمرانوں کے اوصاف موجود نہیں تھے لیکن وہ ایک شائستہ مذاق کا آدمی تھا اور موسیقی اور گانے میں خاص طور دلچسپی رکھتا تھا۔ [اُس سے پہلے اولادِ خلفا میں اُس سے فصیح تر اور شعر گوئی میں اس سے بہتر دیکھا نہ گیا]۔

مآخذ: (۱) طبری، ج ۳، دیکھیے اشاریہ؛ (۲) ابن الاثیر (طبع تورن برگ)، ۶: ۲۳۰-۳۶۲ [ایضًا، طبع ۱۳۵۷ھ، ۵: ۱۸۴-۲۵۹] بمواضع مختلفہ، دیکھیے اشاریہ؛ (۳) یعقوبی (طبع ہُوتْسما)، ۲: ۵۴۷-۵۵۸؛ (۴) مسعودی: مُرُوج الذھب (طبع پیرس)، ج ۶ و ۷ بمواضع کثیرہ؛ (۵) اغانی، دیکھیے اشاریہ؛ (۶) ابن خَلِّکان (طبع وُسْٹِنْفِلْٹ)، عدد ۸ (ترجمہ دیسلان ۱: ۱۶ ببعد) [ابن خِلِّکان، طبع ۱۳۱۰ھ، ۱: ۸ ببعد]؛ (۷) ابن خَلْدُون: عِبر، ۳: ۲۴۷ ببعد؛ (۸) وائل (Weil): Gesch. d. Chalifen، ۲: ۲۱۹ ببعد، ۲۷۱ ببعد؛ (۹) مُلَّر (A. Müller): Der Islam im Morgen-und Abendland، ۱: ۵۰۴ ببعد؛ (۱۰) میور (Muir): The Caliphate, its Rise, Decline and Fall، (طبع سوم)، ص ۴۹۵، ۵۰۲ ببعد.

(K.V. ZETTERSTÉEN تیسٹر شٹائن)

ابراہیم بن ہِلال: رکّ بہ الصّابیٔ.

ابراہیم بک: مصر کے آخری ممتاز ترین مملوک امیروں میں سے ایک امیر، وہ ایک چرکسی غلام کی حیثیّت سے مصر لایا گیا اور محمد ابوالذَّہَب کی مِلک میں آ گیا، جو علی بک [رکّ بآن] کا مقرّب مملوک تھا۔ ابوالذّہب نے اسے آزاد کر کے اس کی شادی اپنی بہن سے کر دی (قبّ الجبرتی کا بیان بذیل ۴ ربیع الثانی ۱۲۱۶ھ)۔ ۱۱۸۲ھ/ [۱۷۶۸-۱۷۶۹ء] میں اسے چوبیس بکوں میں سے ایک بک مقرّر کیا گیا اور ۱۱۸۶ھ میں اس نے امیر الحج کی حیثیّت سے مصری حاجیوں کے قافلے کی قیادت کی۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی محمد ابوالذّہب اور علی بک کے باہمی جھگڑے کا فیصلہ علی بک کے حق میں ہو چکا تھا۔ اُس کے برادر نسبتی کی چند سالہ حکومت کے دوران میں اس کا اقتدار بہت کچھ بڑھ گیا ہوگا۔ ۱۱۸۷ھ میں وہ دفتر دار کے عہدے پر فائز تھا۔ جب ۱۱۸۹ء میں ابوالذّہب شام کی مہمّ پر گیا تو ابراہیم بحیثیت شیخ [البلد] قاہرہ میں رہا اور جب محمد نے عکّا میں وفات پائی تو اس کا قریب ترین رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ابراہیم اس کی کثیر دولت اور اس کے اثر ونفوذ کا وارث بن گیا۔ وہ محمد کے گھرانے کے ایک اَور امیر مراد بک کے ساتھ، جسے فوج نے اپنا سردار چن لیا تھا، مصر کی حکومت میں شریک ہو گیا؛ چنانچہ اس نے قاہرہ کے شیخ البلد، یعنی لارڈ مئیر (Lord Mayor) کی حیثیّت سے داخلی (سول) حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور مراد نے فوج کی قیادت سنبھال لی۔ ان دونوں کی ممتاز حیثیّت ان کے مملوکوں کی تعداد سے واضح ہوتی ہے۔ وَوْلْنی (Volney) کے بیان کے مطابق، جو ۱۷۸۳ء میں مصر میں تھا، ابراہیم بک کے پاس چھے سو مملوک تھے اور مراد بک کے پاس چار سو، جب کہ دوسرے بکوں کے مملوکوں کی تعداد پچاس اور دو سو کے درمیان تھی۔ اقتدار کی اس تقسیم کے قائم رہنے کا سبب ابراہیم بک کی نرم مزاجی اور صلح پسندی تھی۔ وہ جذباتی اور زود رنج مراد بک سے غالبًا بڑی احتیاط کے ساتھ پیش آتا ہوگا، چنانچہ ان کے درمیان شدید اختلافات کہیں ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ء میں جا کر پیدا ہوئے۔ ان کی

مشترکہ حکومت فرانسیسیوں کی مصر پر چڑھائی کے زمانے تک باقی رہی (۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء)، اگرچہ اس دوران میں اس مشترکہ حکومت میں دو مرتبہ انقطاع واقع ہوا، اوّلاً جب کہ علی بک کے گھرانے کا سب سے زیادہ بارسوخ امیر اسمٰعیل بک صاحبِ اقتدار رہا؛ چنانچہ ۱۱۹۱ھ میں وہ فقط چھے ماہ تک اپنی حیثیت قائم رکھ سکا۔ دوسری مرتبہ ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء میں جب ترکی قپودان (قپطان) پاشا (امیر البحر) حسن نے اسے پھر شیخ [البلد] مقرر کر دیا۔ حسن کی مہمّ مصر کا مقصد بابِ عالی کے نفوذ کو مضبوط کرنا تھا، یہ نفوذ ابراہیم کتخدا کے زمانے سے اور بالخصوص علی بک کے زمانۂ اقتدار میں بہت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ اگرچہ ابراہیم اور مراد، جنھیں حسن پاشا سرِ مجرم سمجھتا تھا، قاہرہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، وہ بابِ عالی کے ایلچی کے اختیارات کا کھلم کھلا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے، مگر حسن کو حکومت مصری مملوکوں ہی کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑی۔ حسن بک کی روانگی کے بعد بھی، جس میں روس سے سیاسی الجھنوں کے باعث عجلت برتی گئی، اسمٰعیل اپنے شیخ [البلد] کے عہدے پر بدستور فائز رہا اور جب تک کہ ۱۲۰۶ھ میں ایک وبائے عام نے اسمٰعیل اور دیگر امرا کو ہلاک نہ کر دیا ابراہیم اور مراد بک قاہرہ واپس نہ آ سکے۔ انھیں بابِ عالی کی طرف سے معافی مل گئی اور اُس وقت سے انھوں نے دوبارہ ملک کی حکومت آپس میں بانٹ لی۔

۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء کی فرانسیسی پیش قدمی کے دَوران میں ابراہیم [نیل کے مشرقی کنارے پر شُبرا اور بُولاق کے درمیان جنگِ اہرام کے نتیجے کا منتظر رہا]۔ ابراہیم نے بُولاق کے جہازوں کو جلا دینے کا حکم دیا، تاکہ فرانسیسیوں کے لیے دریائے نیل کو عبور کرنا مشکل ہو جائے۔ [خانقاہ] اور صالحیّہ کی لڑائیوں کے بعد وہ اپنے ہمراہیوں سمیت شام کی طرف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں جا کر وہ غزّہ میں ٹھیرا اور جب بونا پارٹ (Bonaparte) نے فلسطین کی طرف فوج روانہ کی تو وہ شمال مشرق کی جانب ہٹ گیا۔ ابراہیم صدرِ اعظم یُوسُف پاشا کی افواج کو ساتھ لے کر پھر مصر واپس آیا۔ جب عین شمس (Heliopolis) کی جنگ کے دوران میں نصُوح پاشا، جسے بابِ عالی نے مصر کا والی نامزد کیا تھا، فروری ۱۸۰۰ء میں داخلِ قاہرہ ہوا تو اس وقت ابراہیم بک بھی اس کے ساتھ تھا؛ مگر جب فرانسیسی قاہرہ پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو ابراہیم بک بھی ترکی افواج کے ساتھ قاہرہ سے روانہ ہو گیا۔ اس نے فرانسیسیوں سے کسی قسم کی مصالحت کرنے سے انکار کر دیا لیکن مراد بک نے اُن سے صلح کر کے بالائی مصر کی حکومت حاصل کر لی، تھوڑے ہی دنوں بعد اپریل ۱۸۰۱ء میں وہ بعارضۂ طاعون فوت ہو گیا۔

جون ۱۸۰۱ء میں جب فرانسیسی بالآخر شہر خالی کر کے چلے گئے تو صدرِ اعظم [ترکیہ] نے ابراہیم کو پھر شیخ [البلد] مقرر کر دیا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد ۲۰ اکتوبر ۱۸۰۱ء کو بابِ عالی کے حکم سے، جس نے مملوکوں سے نجات پانے کے لیے موقع کو غنیمت جانا، اسے دیگر مملوک امرا کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ انگریزوں نے [بابِ عالی کو] مجبور کیا کہ قیدی مملوکوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس طرح ابراہیم بک بالائی مصر پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ وہاں سے اس نے آئندہ چند سال کے اندر مصر کے ترکی والی خُسرَو پاشا سے کئی بار گفت و شنید کی۔ جب خُسرو پاشا کو مصر سے نکال دیا گیا اور اَلبانوی سردار طاہر کو، جسے 'قائم مَقام' مقرّر کیا گیا تھا، قتل کر دیا گیا تو محمد علی نے اپریل ۱۸۰۱ء میں ابراہیم بک کو قاہرہ بلا لیا اور اسے شیخ [البلد] کا عہدہ عطا کیا؛ غرض یہ تھی کہ وہ احمد پاشا کو، جو جدّے کا گورنر نامزد ہو چکا تھا اور اُس وقت مصر سے گزر رہا تھا، وہاں قدم جمانے سے روکے۔ ابراہیم بک اس وقت عمر رسیدہ ہو چکا تھا اور اس کا اثر یقیناً بہت زیادہ نہ تھا؛ اُس نے ضرور بھانپ لیا ہو گا کہ وہ محمد علی کے ہاتھ میں محض ایک آلۂ کار ہے۔ بہرصورت اس کے دل میں محمد علی کی طرف سے بدگمانی بڑھتی گئی۔ غالباً وہ محمد علی کی اس سیاسی چال کو سمجھ گیا تھا کہ جب وہ مملوکوں کو مفیدِ مطلب سمجھتا ہے تو ان سے کام لیتا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ وہ کہیں بہت زیادہ طاقت ور نہ بن جائیں، چنانچہ وہ ان کے درمیان ہمیشہ باہمی بُغض و عناد کے بیج بوتا رہتا ہے۔ محمد علی نے ۱۳ مارچ ۱۸۰۴ء کو ابراہیم اور مراد کے جانشین عثمان البَرْدِیسی کے خلاف اچانک کارروائی کرنے کا جو منصوبہ سوچا تھا وہ پورا نہ ہو سکا، کیونکہ ان دونوں نے راہِ فرار اختیار کر لی اور قید ہونے سے بچ گئے۔ ابراہیم پھر کبھی قاہرہ واپس نہ آیا۔ ۱۸-۱۹ اگست ۱۸۰۵ء کو مملوکوں کے قتلِ عام کے وقت وہ اپنے بیٹے مَرْزُوق کے ساتھ طُرا [فُسطاط سے قریب ایک گاؤں - یاقوت، ۳: ۵۲۰] میں تھا اور وہاں اس نے محمد علی کی فوج کو بھاری نقصانات پہنچائے۔ ابراہیم نے کوشش کی کہ تمام مملوکوں کو متّحد کر کے محمد علی کے خلاف ایک محاذ پر جمع کر دے لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی، کیونکہ اوّل تو مملوکوں کے درمیان نفاق و شقاق بہت تھا، دوسرے محمد علی میں یہ ملکہ تھا کہ وہ بڑے بڑے بارسوخ مملوکوں کو خوشامد سے اور اعزازی عہدے دے کر ہمیشہ اپنے ساتھ ملا لیتا تھا۔ ابراہیم نے ۱۸۰۹ء میں محمد علی کی مصالحت کی کوشش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ہمارے درمیان بہت زیادہ خون ریزی ہو چکی ہے۔ ابراہیم کی کوششوں کی بدولت ۱۸۱۰ء میں مملوک اتنے طاقتور تھے کہ اُن کے خلاف محمد علی علی الاعلان کوئی اقدام نہ کر سکتا تھا لیکن ایک چال کے ذریعے وہ اکثر مملوکوں کو قاہرہ لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں ان پر اعزاز و اکرام کی بارش کی گئی اور اس طرح انھیں قابو میں کر لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محمد علی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گئے اور یکم مارچ ۱۸۱۱ء کو قلعہ شہر کے اندر اُن کا قتلِ عام کر دیا گیا۔ ابراہیم بک اور چند دیگر مملوکوں نے محمد علی کے قول و قرار پر اعتماد نہیں کیا تھا، اس لیے ابراہیم مصر کی جنوبی سرحدّ پر رہا اور قتل ہونے سے بچ گیا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایّام بقیۃ السیف مملوکوں کے ساتھ دُنقُلَہ (Dongola) کے علاقے میں گزارے اور وہاں "غلاموں کی سرزمین میں وہ باجرا بوتے تھے اور اس پر گزارا کرتے تھے اور جس قسم کے کپڑے وہاں کے غلاموں کے سوداگر پہنا کرتے وہ بھی ویسے ہی پہنتے تھے یہاں تک کہ بالآخر ربیع الاوّل ۱۲۳۱ھ میں اس کی وفات

کی خبر قاہرہ پہنچی" (جَبَرْتِی)۔ اس کی بیوہ کو، جسے ۱۸۱۱ء میں اپنے بیٹے مَرزُوق کی لاش تلاش کرکے دفن کرنے کی اجازت مل چکی تھی، محمد علی کی طرف سے ابراہیم کی لاش کو بھی قاہرہ لانے کی اجازت مل گئی، یہ لاش رمضان ۱۲۳۲ھ میں قاہرہ پہنچ گئی۔

مآخذ: (۱) سب سے بڑا ماخذ جبرَتی کی تاریخ عجائب الآثار فی التَّراجم و الأخبار ہے (بولاق [۱۲۹۰ھ] و ۱۲۹۷ھ، جو کئی بار چھپ چکی ہے اور جس کا ترجمہ بعنوان *Merveilles Biographiques et Historiques....*، ۹ جلد، قاہرہ ۱۸۸۸-۱۸۹۶ء میں چھپا)۔ اس میں ۱۱۹۰ھ سے ابراہیم بک کا ذکر اکثر آیا ہے اور ۱۲۳۱ھ کے وقائع کے بعد اس کے حالاتِ زندگی مذکور ہیں؛ (۲) C. F. Volney: *Voyage en Syrie et en Egypte pendant les années 1783,1784 et 1785*، پیرس ۱۷۸۶ء وغیرہ، باب ۶-۹؛ (۳) *Histoire scientifique et militaire de l' Expedition francaise en Egypte*، ۱۰ جلدوں میں، پیرس ۱۸۳۰-۱۸۳۶ء؛ (۴) A. A. Paton: *A History of Egypt. Revolution from the period of the Mamelukes to the death of Mohammed Ali*، ۲ جلد، لنڈن ۱۸۶۳ء، ۱۸۷۰ء؛ (۵) مقالۂ *Ibrahim Bey*، از P. Ravaisse، در *La Grande Encyclopédie*، ۲۰: ۵۱۹.

(P. KAHLE کالے)

✱ **ابراہیم پاشا:** رک بہ چَنْدَرلی (Čendereli).

✱ **ابراہیم پاشا (داماد):** [سلطان] احمد ثالث کا مقرّب [اور نظرِ التفات کا فوق العادۃ مورد] اور کئی سال تک اس کا صدرِ اعظم۔ وہ علی آغا نامی ایک شخص کا بیٹا تھا اور نِیگدِہ (Nigde) کے ضلع میں اور گوپ (Ürgüb) کے قریب مُوش قَرہ میں تقریباً ۱۶۷۸ء میں پیدا ہوا۔ بیس برس کی عمر میں وہ دار الخلافہ آیا، جہاں پرانی [اِسکی] سرائے میں اسے حِلوَاجِی (حلوائی) کی جگہ مل گئی۔ اُس کی غیر معمولی ذہانت اور نویسندگی کی قابلیّت نے لوگوں کو ضرور اس کی طرف متوجہ کر دیا ہوگا، کیونکہ تھوڑے ہی عرصے بعد اسے حرمِ شاہی کا کاتب مقرّر کر دیا گیا اور جب وہ اس عہدے پر مامور تھا تو اسے شہزادہ احمد کے ساتھ، جو بعد میں سلطان ہوا، تعارف حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء میں احمد کی تخت نشینی کے بعد ابراہیم چھے سال تک بڑے خواجہ سرا [قِزلر آغاسی] کا کاتب رہا اور اگرچہ سلطان اسے وزارت کا درجہ دینا چاہتا تھا لیکن ابراہیم صوبوں میں 'محاسَبَجی' (کاتبِ مال) اور 'دِفتردار' (خزانچی) کے معمولی عہدوں پر قانع رہا۔ ۱۱۲۸ھ/ ۱۷۱۵ء میں وہ داماد علی پاشا کے ہمراہ ہنگری کے خلاف مہمّ پر گیا اور پیٹر وَردِین (Peterwardein) کی شکست (۱۵ اگست ۱۷۱۵ء) کے بعد اُسے یہ مشکل کام سپرد ہوا کہ وہ جنگ کی تباہ کن رفتار کی اطلاع سلطان تک پہنچائے۔ اس کام کی انجام دہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے ساتھ تماسّ کا موقع اُسے پھر مل گیا اور سلطان نے اُسے میر آخور (یا داروغۂ اصطبل) (Master of the Horse) بنا دیا اور دوسرے سال ۱۶ شوّال ۱۱۲۸ھ/ ۳ اکتوبر ۱۷۱۶ء کو نائب صدرِ اعظم مقرّر کر دیا۔ سلطان کی بیٹی شاہزادی فاطمہ کے ساتھ، جس کی عمر ۱۳ سال کی تھی، اُس کی شادی (۶ ربیع الاوّل ۱۱۲۹ھ/ ۱۸ فروری ۱۷۱۷ء) کے بعد اسے قطعی طور پر صدرِ اعظم بنا دیا گیا (۸ جُمادَی الاخرٰی ۱۱۳۰ھ/ ۹ مئی ۱۷۱۸ء)۔ آئندہ بارہ سال کا زمانہ، جس میں ابراہیم صدارتِ عُظمٰی کے عہدے پر فائز رہا، ترکی تاریخ کا ایک شاندار زمانہ ہے۔ احمد ثالث اور اُس کا صدرِ اعظم دونوں اعلٰی ثقافت کے مالک اور شائستہ ذوق وصفا کی طرف مائل تھے اور علم وفن کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے تھے۔ آبنائے باسفورس اور "میٹھے چشموں کی وادی" ("کاغذ خانہ") پر بے شمار کوشک تعمیر کیے گئے اور اسے وَرسای (Versailles) کا نمونہ بنا دیا گیا۔ مذہبی و غیر مذہبی رسوم کو غیر معمولی شان وشوکت سے منایا جاتا تھا اور ان کی تعداد بھی بڑھا دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ عوامی اداروں اور کتب خانوں، مثلاً کتب خانۂ سرائے اور کتب خانۂ ابراہیم پاشا، کی بنیاد رکھی گئی۔ اس عہد میں ابراہیم مُتَفَرِّقہ [رک بآن] نے فنِّ طباعت رائج کیا۔ صدرِ اعظم کی خارجی حکمتِ عملی یہ تھی کہ یورپی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلّقات قائم رکھے جائیں۔ اس عہدے کو سنبھالتے ہی پازارُوِوِیج (Passarowitz) [در صَربیا] کا معاہدہ (۱۷۱۸ء) کرکے اس نے آسٹریا کے ساتھ جنگ وجدل کا خاتمہ کر دیا۔ پطرس اعظم (Peter the Great) کے ساتھ ایک معاہدے (۱۷۲۴ء) سے ایرانی سرحد کے صوبوں کا مسئلہ طے ہوگیا؛ اس کی بدولت آئندہ چند سال میں ترکی افواج نے ایران کے تمام اہم ترین شہروں، یعنی ہَمَدان، گنجہ، اِرِیون، تبریز وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور ان شہروں پر ترکی قطعی قبضے کی تصدیق ہمَدان کے معاہدے (۳-اکتوبر ۱۷۲۷ء) سے ہوگئی۔ تاہم ۱۷۳۰ء میں طَہماسپ قلی خان نے [ترکیہ] کے اس نو یافتہ صوبوں پر حملہ کر دیا، نتیجۃً بابِ عالی نے [ایران کے خلاف] اعلانِ جنگ کر دیا، اگرچہ سلطان اس پر بہت بادلِ ناخواستہ راضی ہوا۔ یہ اعلانِ جنگ ایک سنگین بغاوت کا باعث بن گیا (ستمبر ۱۷۳۰ء)۔ کیونکہ لوگ ابراہیم پاشا کی حکومت سے غیر مطمئن تھے اور اس کا انجام سلطان احمد اور اس کے مقرّب وزیر دونوں کے زوال پر ہوا۔ احمد کو یہ منظور نہ تھا کہ ابراہیم کو برافروختہ ہجوم کے ہاتھ میں زندہ دے دے، اس لیے اس نے ۳۰ ستمبر ۱۷۳۰ء کو سرائے [محلّ سلطانی] میں اُسے گلا گھونٹ کر مروا ڈالا۔ دوسرے دن اُسے خود مجبوراً تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔

مآخذ: (۱) تاریخ راشِد، ج ۳؛ (۲) چلبی زادہ عاصم وُچّی؛ (۳) دِلاورزادہ عمر: حدیقة الوزراء، ص ۲۹-۳۶؛ (۴) سِجلِّ عثمانی، ۱: ۱۲۳ بعد؛ (۵) Lady Montague: *Letters*، xxviii بعد؛ (۶) Gerard Cornelius von den Driesch: *Historische Nachricht von der kayserl.*

Nürn-) نورن برگ ،Grosse Botschafft nach Constantinopel berg) ۱۷۲۳ء؛ (۷)Mémoire historique sur l'Ambassade de Franceà Constantinopl[e] par le Marquis de Bonnae، طبع شیفر (Ch. Schefer)، پیرس ۱۸۹۴ء؛ (۸) Albert Vandal: Une Ambassade française en Orient sous Louis XV، پیرس ۱۸۸۷ء؛ (۹) فان ہامر: Die Geschichte des Osmanischen Reiches، ج ۷ اور تسِنکائی سِن (Zinkeisen)، ج ۵؛ (۱۰) von den Driesch کی کتاب کے ص ۱۷۱ پر ابراہیم کی ایک شبیہ موجود ہے۔

(J. H. MORDTMANN مؤرتمان)

✱ **ابراہیم پاشا** (داماد): مراد ثالث کا مقرّب اور منظورِ نظرِ التفات اور اس کے جانشین محمد ثالث کے عہد میں تین بار صدرِ اعظم۔ وہ سلاوی نسل سے تھا اور رَاغوزہ (Ragusa) کے قرب و جوار میں پیدا ہوا۔ اس کی تربیت سرائے ہمایونی میں ہوئی اور ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴-۱۵۷۵ء میں وہ 'سِلحدار' (سلطان کا سلاح بردار) مقرر کیا گیا۔ ذوالقعدہ ۹۸۷ھ تا جُمادَی الثانیہ ۹۸۹ھ (اختتام دسمبر ۱۵۷۹ء تا جون [۱۵۸۱ء]) میں وہ ینی چریوں کا آغا تھا اور بعد میں روم ایلی (Roumelia) کا بیگلر بیگی [میر میران] ہوا۔ ۹۹۰ھ [۹۹۱ھ، در قاموس الاعلام، ۱: ۵۵۵] میں اُسے مصر بھیجا گیا، جہاں وہ ڈیڑھ سال تک والی (گورنر جنرل) رہا۔ ۱۵۸۵ء کے آغاز میں وہ لُبنان کے دُرُوزوں کے مقابلے میں ایک مہم لے کر گیا اور اسی سال ستمبر میں قسطنطینیہ واپس آیا۔ وہاں اس کی شادی مراد ثالث کی بیٹی شہزادی عائشہ [سلطان] کے ساتھ جُمادَی الاُخرٰی ۹۹۴ھ/ آخر مئی ۱۵۸۶ء میں ہوئی۔ آخر رجب ۹۹۵ھ/ آخرِ جون ۱۵۸۷ء میں [قلیچ علی پاشا کی وفات پر] اسے 'قپودان پاشا' مقرر کیا گیا اور وہ اس عہدے پر تقریبًا ایک سال فائز رہا۔ محمد ثالث کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد، یعنی ۱۷ شعبان ۱۰۰۳ھ/ ۱۶ اپریل ۱۵۹۵ء کو اسے صدرِ اعظم کا قائم مقام (نائب) مقرر کیا گیا اور ایک سال بعد، ۵ شعبان ۱۰۰۴ھ/ ۱۴ اپریل ۱۵۹۶ء کو صدرِ اعظم بنا دیا گیا۔ جب سلطان نے اِیگر (Eger) (Erlau، ترکی میں: اِگری) پر چڑھائی کی تو ابراہیم بھی اس کے ہمراہ تھا۔ جنگ کیرِزتِس (Keresztes) کے دوسرے دن، ۲۷ اکتوبر کو، اسے معزول کیا گیا اور چھے ہفتے بعد ربیع الثانی ۱۰۰۵ھ کے آخر (وسط دسمبر ۱۵۹۶ء) میں اسے پھر اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ سلطان کی متلوّن مزاجی نے اسے پورے ایک سال بھی اس عہدے پر قائم نہ رہنے دیا، چنانچہ ۲۳ ربیع الاول ۱۰۰۶ھ/ ۳ نومبر ۱۵۹۷ء کو اسے پھر معزول کر دیا گیا لیکن ۹ جمادی الثانیہ ۱۰۰۷ھ/ ۷ جنوری ۱۵۹۹ء کو اسے تیسری بار اپنے عہدے پر واپس بلا لیا گیا اور ہنگری کے مقابلے میں جنگ جاری رکھنے کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ ۱۰۰۸-۱۰۰۹ھ/ ۱۵۹۹-۱۶۰۰ء کی دو مہموں میں اُسے آسٹریا کی فوج کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ربیع الثانی ۱۰۰۹ھ/ اختتامِ اکتوبر ۱۶۰۰ء میں اس نے قانیژہ (Nagy Kanizsa) کا [مضبوط] قلعہ فتح کیا، جس کے صلے میں سلطان نے اسے عمر بھر کے لیے صدارتِ عُظمٰی کا منصب عطا کر دیا۔ اس کے بعد ابراہیم بلغراد واپس چلا آیا، جہاں ۹ محرّم ۱۰۱۰ھ/ ۱۰ جولائی ۱۶۰۱ء کو اس کی وفات ہوئی۔

مآخذ: (۱) سِلانَیکی (Selānikī)، پیچوِی (Pečewi)، حاجی خلیفہ (فَذْلَکَہ اور تقویم التواریخ) اور نعیما کے وقائع نامے؛ (۲) تراجم در حدیقة الوزراء، ص ۴۵ ببعد، و در (۳) عطا: تاریخ، ۲: ۴۱ ببعد و (۴) سِجِلِّ عثمانی، ۱: ۹۷؛ نیز دیکھیے (۵) فان ہامر (von Hammer): Gesch. des Osmanischen Reiches، ج ۴؛ (۶) Charrières: Négociations de la France dans le Levant، ۴: ۴۹۰ ببعد؛ (۷) Wüstenfeld: Fachr ed-din der Drusenfürst und seine Zeitgenossen.

(J. H. MORDTMANN مؤرتمان)

✱ **ابراہیم پاشا** (قرہ): [سلطان] محمد [خان] رابع کا صدرِ اعظم، بایبُورد (Bāibürd) کے قریب بمقام خندَورک (Khandawerk) ۱۰۳۰ھ/ ۱۶۲۰-۱۶۲۱ء میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی ملازمت کا آغاز ایک لوند [بے قاعدہ فوج کے سپاہی] کی حیثیت سے کیا۔ اس کے بعد وہ جلاوطن کیے ہوئے فراری مصطفٰی پاشا کا 'اِیچ آغا' (خدمت گارِ خاص) بنا (فان ہامر von Hammer: Gesch. Osm.، ۶: ۲۶)۔ بعد ازاں اس نے کیایا [کحیا، کتخدا] (نائب یا داروغہ) کی حیثیت سے کئی پاشاؤں کی خدمت کی، جن میں قرہ مصطفٰی بھی شامل تھا، حتّٰی کہ ۲ ربیع الثانی ۱۰۸۱ھ/ ۱۹ اگست [۱۶۷۰ء] کو اسے ''کُوچک میر آخور'' [نائب داروغۂ اصطبل] اور چند ہفتے بعد ''بیُوک میر آخور'' [داروغۂ بزرگ اصطبل] کا عہدہ ملا۔ ۱۷ رمضان ۱۰۸۸ھ - ۱۲ ربیع الاول ۱۰۹۰ھ/ ۱۳ نومبر ۱۶۷۷ء - ۲۳ اپریل ۱۶۷۹ء وہ ''قپودان پاشا'' رہا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ عرصے کے لیے ''قائم مقام'' کے طور پر صدارتِ عُظمٰی کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتا رہا اور جُمادی الاُخرٰی ۱۰۹۴ھ/ [مئی] جون ۱۶۸۳ء کے بعد جب قرہ مصطفٰی وِیَانا کے خلاف مہم لے کر گیا تو اس وقت بھی یہ اس کا ''قائم مقام'' رہا۔ ۶ محرّم ۱۰۹۵ھ/ ۲۵ دسمبر ۱۶۸۳ء کو قرہ مصطفٰی کے قتل کے بعد اُسے صدرِ اعظم بنا دیا گیا؛ مگر ۲۲ محرّم ۱۰۹۷ھ/ ۱۹ دسمبر ۱۶۸۵ء کو وہ معزول ہوا اور ۱۸ مارچ ۱۶۸۶ء کو روڈس (Rhodes) میں جلاوطن کر دیا گیا اور چند ماہ بعد شعبان ۱۰۹۷ھ/ جون - جولائی ۱۶۸۶ء میں وہیں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔

مآخذ: (۱) حدیقة الوزراء، ص ۱۱۰؛ (۲) حاجی خلیفہ: تَقْویم التواریخ، ص ۲۳۱؛ (۳) سِجِلِّ عثمانی، ۱: ۱۱۰؛ (۴) راشد: تأریخ، ج ۱؛ (۵) Rycaut:

History of the Turks؛ (۶) فان ہامر: *Reiches Gesch. des Osm.*، ج ۶.

(J. H. MORDTMANN [مُوَرْتُمان])

✱ **ابراہیم پاشا** [وزیر]: [سلطان] سُلیمان اعظم [قانونی] کا مشہور صدرِ اعظم اور مقرّبِ بارگاہ، پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں اِپیرُ (Epirus) کے شہر پَرغا (Parga) میں عیسائی والدین کے ہاں پیدا ہوا۔ اوائل جوانی ہی میں اسے [ایک اسلامی غازی نے اسیر کرلیا۔ سامی] اور سلیم اوّل کے عہد میں وہ غلام کی حیثیت سے سرائے ہمایونی میں لایا گیا۔ اس کے بعد جب تک ولی عہد شہزادۂ سُلیمان مَغْنِیسَہ میں صاروخان کے والی (گورنر جنرل) کی حیثیت سے رہا ابراہیم اس کے خَدَم وحَشَم میں شامل رہا۔ اپنے حُسنِ اخلاق اور موسیقی میں مہارت کے سبب وہ بہت جلد نوجوان ولی عہد کا خاص مقرّب بن گیا اور ستمبر ۱۵۲۰ھ میں سُلیمان نے اپنی تخت نشینی پر اسے ''خاصّ اوطہ باشی'' (شاہی کمرے کا داروغہ) اور [بعد میں] ''اِیچ شاہین جی لَر آغاسی'' (دربار کا بازدارِ اعلیٰ) مقرّر کردیا۔ ۱۳ شعبان ۹۲۹ھ/ ۲۷ جون ۱۵۲۳ء کو سلطان نے اسے صدرِ اعظم مقرّر کیا اور ساتھ ہی روم اِیلی (Roumelia) کی اِیالت (گورنری) بھی عطا کردی۔ ابراہیم ان عہدوں پر تیرہ سال تک متمکّن رہا اور اس دوران میں اسے سلطان کا ایسا کلّی اعتماد حاصل رہا جو اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی کو نصیب نہ ہوسکا۔ حقیقت میں سلطان نے اسے شاہی اختیارات میں اپنا شریک وسہیم بنالیا تھا اور خاص امتیازی نشاناتِ سلطانی اسے عنایت کر رکھے تھے۔ اسے 'طَبْل خانہ' (فوجی باجہ) دینے کے علاوہ موکبِ سلطانی (شاہی محافظین) کا نصف عملہ بھی اس کے جلو میں کردیا گیا اور وہ 'سرِعسکرِ سلطان' (سلطان کے سپہ سالارِ اعظم) کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ ابراہیم کی شادی (۱۸ رجب ۹۳۰ھ/ ۲۳ مئی ۱۵۲۴ء) ایسی دھوم دھام سے ہوئی کہ عثمانی تاریخ میں یادگار بن کر رہ گئی؛ اس تقریب میں سلطان خود بھی شامل ہوا۔ اس کے کچھ دنوں بعد جب خائن احمد پاشا کی بغاوت کی وجہ سے مشکلات بپا ہوئیں تو ابراہیم [آناطولی اور شام کی راہ سے] مصر گیا (اکتوبر ۱۵۲۴ - ستمبر ۱۵۲۵ء)، تاکہ وہاں دوبارہ امن قائم کرکے ادارۂ ملک کی تنظیم نئے سرے سے کرے۔ ۱۵۲۶ء میں اس نے مجاروں (Magyras) کے مقابلے میں سلطان سُلیمان کی پہلی مہمّ کی قیادت کی (جنگ مُہاج Mohacs ۲۸ اگست ۱۵۲۶ء؛ ۱۰ ستمبر ۱۵۲۶ء اوفن پیسٹ (Ofen-Pest) کا قبولِ اطاعت)۔ تین سال بعد اس نے سلطان کے ہمراہ ہنگری کے خلاف دوسری مہمّ کا بیڑا اٹھایا اور اوفن (Ofen) کو، جہاں بادشاہ فرڈیننڈ (Ferdinand) دوبارہ قبضہ جما بیٹھا تھا، فتح کرلیا اور اپنی فوج وی اَنَا (Vienna) تک لے گیا (محاصرۂ وی اَنَا ۲۷ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر ۱۵۲۹ء تک)۔ ۱۵۳۲ء میں ابراہیم نے تیسری مرتبہ ہنگری پر حملہ کیا لیکن اس مرتبہ وہ گونز (Günz) سے آگے نہ بڑھ سکا اور محض اس علاقے کو تاراج کرنے ہی پر اُسے قناعت کرنا پڑی۔ اس سے اگلے موسمِ بہار میں فرڈیننڈ سے جو عارضی صلح ہوئی اس میں بھی زیادہ تر ابراہیم ہی کے اثر ورسوخ نے کام کیا۔ ہنگری کے مقبوضات کے بارے میں بادشاہ [فرڈیننڈ] اور جان زاپولیا (John Zappolya) کے درمیان جو جھگڑا اچل رہا تھا اس کا فیصلہ سلطان کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور سلطان نے سرحدوں کی حد بندی کا کام ابراہیم کے مقرّب لُوئیگی گرِٹّی (Luigi Girtti) وندیکی کے سپرد کردیا۔ ابراہیم اپنی ایرانی مہمّ (۱۵۳۳ - ۱۵۳۴ء) میں بھی کچھ کم کامیاب نہ رہا۔ سرحد کے نہایت اہمّ قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ۱۳ جولائی ۱۵۳۴ء کو تبریز میں داخل ہوا [جہاں سُلیمان بھی آ گیا] اور اسی سال ۳۱ دسمبر کو اس نے بغداد پر قبضہ کرلیا [مگر اُس نے لوٹ مار سے پرہیز کیا۔ وہ ۸] جنوری ۱۵۳۶ء میں قسطنطینیہ واپس آیا اور وہیں فروری کے مہینے میں فرانسس اوّل (Francis I) کے سفیر کے ساتھ فرانس کو خاص مراعات ('امتیازات') دینے کا پہلا معاہدہ کیا۔ اس وقت ابراہیم طاقت اور شان وشوکت کے اعتبار سے اپنے اوجِ کمال پر پہنچ چکا تھا۔ [التفاتِ سلطانی اور اس کی کامیابیوں نے اس میں غرور ونخوت اور بعض اطوارِ ناہموار پیدا کردیے]۔ ایک روز شام کے وقت جب وہ قصرِ سلطانی میں حاضر تھا اچانک بغیر کسی ظاہری سبب کے سلطان کے حکم کے مطابق [اس کا گلا گھونٹ دیا گیا] (۲۲/۲۲ رمضان ۹۴۲ھ/ ۱۵ مارچ ۱۵۳۶ء)۔ اسی طرح خفیہ طریقے ہی سے اُسے دفن کیا گیا۔ اسے سلاح خانے کے قریب آق میدان (Akmeidan) کے نواح میں دفن کیا گیا، جہاں اس کی مزعومہ قبر بعد میں درویشوں کے تکیۂ (جَوف) [= جانفزا] میں دکھائی جایا کرتی تھی۔ کہا یہ جاتا تھا کہ ابراہیم اپنی جاہ طلبی کی وجہ سے خود بادشاہ بننے کی ہوس میں مبتلا ہوگیا تھا اور سلطان کے پاس اس باب میں قطعی ثبوت موجود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے محرم راز اور معتمد کے دل میں اس قسم کے خیالات کی پرورش اور نمو کا ذمّے دار خود سلطان تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کے اپنے رویّے سے بھی اُن افواہوں کی پوری تصدیق ہوتی تھی جو اس کے بارے میں مشہور تھیں۔ ابراہیم پاشا 'مقبول ومقتول' کی شخصیّت کے گرد بہت جلد انواع واقسام کے افسانے اور اقوال اکٹھے ہوگئے، جن میں سے بعض اب تک زبان زدِ خلائق ہیں۔ اس کے علاوہ متعدّد مسجدوں، 'عمارات' [یعنی طالب علموں کے طعام خانوں، رکّ بہ عمارت]، پلوں اور آب گزروں کی وجہ سے بھی، جو دار الخلافہ اور ولایاتِ ترکیّہ بالخصوص روم اِیلی میں تعمیر ہوئیں، اس کے نام کو دائمی شہرت نصیب ہوگئی۔ آت میدان کے قریب اس کے شان دار محلّ پر بعد میں شاہی ملازمینِ خاص نے قبضہ کرلیا اور ''شاخِ زرّیں'' (Golden Horn) کے ساتھ ساتھ اس کے باغ صدیوں تک شہر کے مشہور مناظر میں شمار ہوتے رہے۔

مآخذ: (۱) معاصر وندیکی بیلی (Baili) کے وہ بیانات جو اَلبیرِی (Alberi) کی *Relationi degli Ambasciatori Veneti*، سلسلہ ۳: ج ۱ اور ۳ میں ہیں؛ (۲) Marino Sanuto کی *Diarii*؛ (۳) شاہی سفیر Cornelius de

Schepper کے گزارش نامے، جو von Gévay کی تالیف *Urkunden und Aktenstücke* etc. حصّہ ۶ اور *Missions diplomatiques de Corneille Duplucius de Schepper, dit Scepperus*، در *Mém. de l'Acad. roy. des sciences...de Belgique*، ج ۳۰ (۱۸۵۷ء)، میں ہیں؛ (۴) Giovio: *Cose dei Turchi*، وینس ۱۵۴۱ء؛ (۴) یُفرا (Geuffroy): *Briefve description de la mort du grand Turc*، پیرس ۱۵۴۶ء؛ (۵) Guillaume Postel: *La tierce Partie des Histoires Orientalés*، پُوآتیہ (Poitiers) ۱۵۶۰ء، ص ۴۸-۶۱؛ (۶) Rabi Moysen Almosnino: *Extremos y Grandezas de Constantinople*، میڈرڈ ۱۶۳۸ء، ص ۱۰۴-۱۲۹؛ (۷) صُولاقزادہ: تأریخ؛ (۸) پچوی (Pečewi): تأریخ، ج ۱؛ (۹) حدیقة الوزراء، ص ۲۴-۲۶؛ (۱۰) عطا: تأریخ، ۲: ۱۵-۱۸؛ (۱۱) حدیقة الجوامع، ۱: ۲۸؛ ۲: ۳۹؛ (۱۲) فان ہامر: *Geschichte des Osmanischen Reiches*، ج ۳ اور ۹: ص xxix بعد اور Zinkeisen، ج ۲؛ ج ۳: ص ۷۰-۸۱۔ طغرا کی شکل میں ابراہیم کے اصلی دستخط فان ہامر نے *Wien's türkische Belagerung vom Jahre 1529*، پسٹ (Pest) ۱۸۲۹ء، ص ۱۷۴ پر نقل کیے ہیں۔

(J. H. MORDTMANN مُورْتمان)

---

* **ابراہیم پاشا بن محمد علی:** محمد علی کا سب سے بڑا بیٹا، سپہ سالارِ کبیر اور والیِ مصر، اسے اکثر محمد علی کا متبنّٰی کہا جاتا ہے۔ اتنا یقینی ہے کہ جس وقت محمد علی نے اَمینہ سے شادی کی تو وہ ایک مطلّقہ عورت تھی، یہ امینہ ابراہیم کے رضاعی باپ کی رشتے دار تھی، جو مقدونیا کے قصبہ قَوالَہ (Kavalla) میں گورنر ('چوربہ جی') تھا۔ اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محمد علی کو اپنے بیٹے طُوسُون سے، جو ۲۸ ستمبر ۱۸۱۶ء کو وفات پا گیا، نسبۃً زیادہ اُنس تھا اور ابراہیم اور طُوسُون کے درمیان یقیناً رقابت بھی تھی (قب مَونژان (Mengin)، ۲: ۸۱ بعد)۔ مگر اس امر کا فیصلہ اس کی تاریخِ ولادت سے قطعی طور پر ہو جاتا ہے، جو بالعموم تو ۱۷۸۹ء بیان کی جاتی ہے لیکن وقتاً فوقتاً ۱۷۸۶ء بھی بتائی گئی ہے۔ قدیم تر مستند مؤرّخین، مثلاً جَبَرتی اور مونژان (Mengin)، کی تحریروں میں اس کا کہیں اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ وہ محمد علی کا حقیقی بیٹا نہ تھا۔ جَبَرتی نے ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء میں اُس کی نسبت کہا ہے کہ یہ نوجوان ابھی بیس سال کا نہیں ہوا۔ لیکن اس کا یہ بیان واقعات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ اس مسئلے کے متعلّق قب Gouin، ص ۱۵۱ بعد؛ کلوت بک (Clot Bey)، ۱: Ixxxiii؛ Murray، ص vi بعد۔

ابراہیم نے مصر کی تاریخ میں محمد علی کے عہد میں بڑے کارہائے نمایاں دکھائے (قب مقالۂ خدیو)۔ اسے اپنے باپ کا زرہ پوش بازو کہا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے باپ کی حکمتِ عملی کی تکمیل ابراہیم کی فوجی کامیابیوں کے بغیر ممکن نہ ہوتی۔

جب مصر میں محمد علی نے اپنا مقام ایک حدّ تک محفوظ کر لیا تو اس نے ۱۸۰۵ء میں اپنے دونوں بیٹوں — ابراہیم اور طُوسُون — کو بلا بھیجا اور ۱۸۰۹ء میں اپنی بیوی اور چھوٹے بچوں یعنی اسمٰعیل اور دیگر دو بیٹیوں کو بھی بلا لیا۔ ۱۸۰۶ء میں ابراہیم کو اس خراج کے لیے یرغمال کے طور پر قپُودان پاشا کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا گیا جو اس کے باپ (محمد علی) نے ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن اسکندریہ سے ۱۸۰۷ء میں انگریزی بحری بیڑے کے چلے جانے کے بعد بابِ عالی نے اُسے واپس مصر بھیج دیا۔ ۱۸۱۰ء میں ابراہیم 'دفتر دار' مقرّر رہوا۔ ۱۸۱۱ء میں مملوکوں کے زبردست قتلِ عام کے بعد ابراہیم کے باپ نے اسے مالیات وصول کرنے کے لیے صعیدِ مصر بھیجا۔ اس نے بچے کھچے مملوکوں کو ملک سے نکال باہر کیا، بدوؤں کو مطیع فرمان بنایا اور ملک میں امن و امان قائم کیا۔ تحصیلِ زر کی کوشش میں اس نے اکثر اوقات بہت بے رحمانہ تدابیر ضرور اختیار کی ہوں گی؛ چنانچہ ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء کے حوادث پر اپنے تبصرے کے آخر میں جَبَرتی اس کے طریقِ کار کی ہولناک کیفیّت لکھتا ہے۔ ۱۸۱۶ء کے آغاز تک صعیدِ مصر کا انتظام اس کے ہاتھ میں رہا۔ اسی دوران میں بابِ عالی کی طرف سے اُس کے باپ کی خدمات کے صلے میں اسے پاشا کا خطاب مل چکا تھا (مُونژان (Mengin)، ۲: ۴۸)۔

۱۸۱۶ء میں اس کے والد نے اسے وہّابیوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے عربستان بھیجا، جہاں اس کا بھائی طُوسُون ۱۸۱۱ سے ۱۸۱۳ء تک اور خود محمد علی بھی ۱۸۱۳ سے ۱۸۱۵ء تک کامیابی کے ساتھ برسرِ پیکار رہا تھا۔ [ابراہیم یَنْبُوع کی بندرگاہ پر ۳۰ ستمبر ۱۸۱۶ء کو اترا]۔ تین سال کی شدید جنگ کے بعد مقصد حاصل کر لیا گیا [حَرَمَین شریفَین سے ابراہیم نے وہابیوں کو نجد کی طرف دھکیل دیا] اور ان کا دارالحکومت دَرعِیّہ [رک بآن] تباہ کر دیا گیا اور عبداللہ بن [سُعُود] کو مع اس کے رشتے داروں کے قید کر کے مصر بھیج دیا گیا (قب مادّۂ ابن سُعُود، عبداللہ)۔ ستمبر [۱۸۱۸ء تک وہّابیوں کو دبا دیا گیا] اور دسمبر ۱۸۱۹ء کو ابراہیم فاتحانہ شان سے قاہرہ میں داخل ہوا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد سلطان نے اسے جِدّہ کا والی بنا دیا۔ اس دوران میں محمد علی نے اپنے تیسرے بیٹے اسمٰعیل کو سوڈان کی فتح کے لیے مامور کر دیا تھا۔ اس مہم کے دو مقصد تھے: ایک تو سونے کی قدیم کانوں کا پتا لگانا اور دوسرے غلاموں کا اسیر کرنا، جنھیں محمد علی اپنی نئی فوج کی اساس بنانا چاہتا تھا۔ ابراہیم پاشا کو مزید فوج دے کر بھائی کی مدد کے لیے وہاں بھیجا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہاں بہت سے دلیرانہ منصوبے لے کر گیا تھا (de Vaulabelle، ۲: ۲۳۱) لیکن شدید پیچش کی شکایت نے اسے ۱۸۲۲ء کے آغاز میں بہ عجلت قاہرہ واپس آنے پر مجبور کر دیا۔

آئندہ سالوں میں ابراہیم ان فوجی دستوں (''نظامِ جدید'') کی تربیّت میں حصّہ لیتا رہا جنھیں فرانسیسی فوجی افسر کرنل سیوْ (Sève) کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ ابراہیم اس اتالیق کا بڑا محنتی شاگرد ثابت ہوا اور یہی اتالیق آئندہ فوجی

مہموں میں "سلیمان پاشا" کے نام سے اس کا سب سے بڑا مددگار بن گیا۔

جب محمد علی کو سلطان کے فرمان مؤرّخہ ۱۶ جنوری ۱۸۲۴ء کی رُو سے [شبہِ جزیرہ] مورہ (Morea) کی فتح کے لیے نامزد کیا گیا تو اس نے جولائی ۱۸۲۴ء کے آخر میں اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو اُس کثیر فوج کے ساتھ، جس کی تربیت مغربی طریق پر ہوئی تھی، روانہ کیا اور بہت سا سامانِ جنگ اُس کے ہمراہ کیا۔ جب ابراہیم نے نَوارِینو (Navarino) فتح کر لیا اور تِرِی پُولِیچہ (Tripolista) میں داخل ہو گیا تو عملی طور پر اس سے مورہ کا تقریباً تمام جزیرہ نما اس کے قبضے میں آ گیا۔ فروری سے [۲۴] اپریل ۱۸۲۶ء تک زمانہ مِیسولَونگی (Missolonghi) کے محاصرے اور تسخیر میں صرف ہوا۔ جب بابِ عالی اور محمد علی نے دُوَلِ عُظمٰی کی مداخلت منظور کرنے سے انکار کر دیا تو اکتوبر ۱۸۲۷ء میں نوارینو کی جنگ ہوئی، جس میں مصری اور ترکی بحری بیڑے کا بیشتر حصّہ انگریزوں، فرانسیسیوں اور روسیوں کے متحدہ بحری بیڑے کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور بالآخر انگریز امیر البحر کوڈْرِنگْٹَن (Codrington) اسکندریہ کے سامنے آ موجود ہوا اور اس نے محمد علی کو اپنے بیٹے اور مصری افواج کو واپس بلا لینے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ابراہیم پاشا [نے یکم اکتوبر ۱۸۲۸ء کو ملک خالی کر دیا اور] ۱۰ اکتوبر کو وہ اسکندریہ پہنچ گیا۔

۱۸۳۱ء میں ابراہیم پاشا کو اس کے باپ نے شام کی مہم کی قیادت سپرد کی، چنانچہ وہ یکم نومبر کو اپنی فوجیں لے کر فلسطین پہنچا اور چھے ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے ۲۷ مئی ۱۸۳۲ء کو عکّا فتح کر لیا۔ اس سے پہلے [زَرّاعۃ] کے میدان میں، جو حِمص کے جنوب میں ہے، وہ طرابُلس اور حلَب کے پاشا پر فتوحات حاصل کر چکا تھا۔ اس واقعے کے بعد ۸/۹ جولائی کو اس نے حِمص کے مقام پر ترکی فوج کے ہراول کو، جس کا قائد محمد پاشا الحَلَبی تھا، بھگا دیا اور پھر بتاریخ ۲۹ جولائی اسکندریہ کے مقام پر درۂ بیلان میں اس نے اُس ترکی فوج کے قلب کو جس کا سالار حسین پاشا تھا شکست دی اور بعد ازاں قونیہ کے مقام پر بتاریخ ۲۱ دسمبر اُن ترکی فوجوں پر فتح پائی جو رشید پاشا کی سرکردگی میں تھیں۔ ان فتوحات سے ابراہیم کے لیے شام اور ایشیائے کوچک میں پیش قدمی کا امکان پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ ان فتوحات نے مصری فوج کی برتری ثابت کر دی اور ان سے ابراہیم کی اہلیّت بحیثیت ایک سپہ سالار کے واضح ہو گئی۔ ان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شام کے متفرّق گروہوں کو "ترکی جوے سے آزادی" کا نعرہ لگا کر ایک جھنڈے کے نیچے متّحد کر دینے اور لُبنان کے بااثر امیر بشیر کو اپنے ساتھ ملا لینے میں ابراہیم نے بہت ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ ابراہیم بڑھتے بڑھتے کُوتاہِیَہ تک جا پہنچا۔ اسی مقام پر [۶] مئی ۱۸۳۳ء کو بابِ عالی اور محمد علی کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوے ــــ معاہدہ کرانے میں مغربی طاقتوں کا دباؤ بھی کام کر رہا تھا ــــ اس کی رُو سے شام اور اَدَنہ (اَطَنہ) محمد علی کو دے دیے گئے اور ابراہیم کو سلطان کی جانب سے مُحَصِّلِ اَدَنہ (اَطَنہ) کا خطاب عطا ہوا۔ ابراہیم کے باپ نے اِس نئے علاقے کا انتظام اُس کے سپرد کر دیا، جو وہاں کی گوناگوں آبادی کو دیکھتے ہوے مشکل کام تھا۔ اگرچہ یہاں کے تمام باشندے متفقہ طور پر ترکی حکومت سے بیزار تھے لیکن جو سخت نظامِ حکومت ابراہیم نے قائم کیا وہ بھی ان کی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جا بجا شورشیں برپا ہو گئیں، گو ہتھیاروں کی عام ضبطی سے ابراہیم انھیں کسی حدّ تک دبا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ باشندوں کو فوجی ملازمت کے لیے بھرتی کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بڑی تعداد میں ایشیائے کوچک اور مابین النہرین کی طرف ہجرت کر گئے اور باربرداری کے جانوروں کو فوجی مقاصد کے لیے جبرًا پکڑ لینے سے زراعت اور تجارت کو نقصان پہنچا۔ اگرچہ ملک کے اندر بالعموم امن تو قائم رہا لیکن بے چینی اور بے اطمینانی بہت زیادہ تھی۔

۱۸۳۹ء میں جب ترکیہ نے دوبارہ جنگ شروع کی تو ابراہیم نے ۲۴ جون کو بیرِہ جِک (Biredjik) کے مغرب میں (ولایت حلَب کے) مقام نِزِیب (Nezib) [نصیبین] پر ترکی فوج پر، جس کا سالار حافظ پاشا تھا، قطعی فتح حاصل کی اور ترکی بحری بیڑا، جو فوزی پاشا کے ماتحت تھا، محمد علی کے ساتھ جا ملا۔ اس پر [آسٹریا اور برطانیہ] نے مداخلت کی۔ (نام نہاد اتّحادِ اربعہ) اور ان کی گفت وشنید سے ۱۵ جولائی ۱۸۴۰ء کو معاہدۂ لنڈن مرتّب ہوا، جس سے صورتِ حالات بدل گئی۔ محمد علی نے فرانسیسیوں کی مدد کی امید پر اس مطالبے کے ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ عکّا تک شام کا علاقہ خالی کر دے اور مصر کی موروثی حکومت ('پاشالق') پر اکتفا کرے۔ لیکن اُسے کسی قسم کی مدد نہ ملی اور اتّحادی بیڑوں نے شام اور مصر کی ناکہ بندی کر دی، اس سے ابراہیم مشکلات میں گھر گیا، کیونکہ ایک طرف تو اتّحادیوں نے اپنی فوجیں ساحل پر اتار دیں اور دوسری طرف لُبنان کے سرکش لوگوں کو اس کے برخلاف ابھارا گیا۔ آخر کار انگریزی امیر البحر نیپیر (Napier) نے عکّا پر قبضہ کر کے اسکندریہ میں محمد علی سے گفت وشنید شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد علی کو بتاریخ ۲۲ نومبر ۱۸۴۰ء شام خالی کر دینے پر مجبورًا رضامند ہونا پڑا۔ چنانچہ ۲۹ دسمبر کو ابراہیم اپنی فوج کے ساتھ دمشق کو خیرباد کہہ کر غزّہ کے راستے مصر واپس آ گیا اور فوج کا ایک حصّہ سلیمان پاشا کی سرکردگی میں عقبہ کے راستے مصر واپس بھیج دیا۔

آئندہ سالوں میں ابراہیم زیادہ تر مصر کے اداری معاملات ہی میں مصروف رہا۔ زراعت سے اس کی واقفیت اور دلچسپی کی تعریف کی جاتی ہے۔ وہ کئی بار یورپ گیا اور صحت کی بحالی کے لیے کبھی کبھی معدنی چشموں کی بھی سیر کی۔ یورپ میں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ ۱۸۴۸ء کے آغاز میں وہ مالٹا میں تھا کہ اس کے والد کی مخدوش حالت نے اسے مصر واپس آ جانے پر مجبور کر دیا۔ جون ۱۸۴۸ء میں وہ ملک کا عملی طور پر حاکم بن گیا اور ستمبر میں سلطان نے اُسے قسطنطینیہ میں باضابطہ طور پر مصر کی پاشالق ایالت عطا کر دی مگر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو ساٹھ سال کی عمر میں اس کی وفات ہو گئی۔ اُسے خاندانی قبرستان میں امام شافعیؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ اس کے انتقال کے وقت اس کے بیٹوں میں سے احمد (سنۂ پیدائش ۱۸۲۵ء)، اسمٰعیل (جو بعد میں خدیوِ مصر ہوا، سنۂ پیدائش ۱۸۲۷ء)

اور مصطفٰی (سنۂ پیدائش ۱۸۳۲ء) زندہ تھے.

ابراہیم پاشا کی ایک تصویر Cadalvène و Barrault نے اپنی تاریخ (Histoire, etc.) میں دی ہے۔ اس کی ذاتی اور شخصی خصوصیات کا بیان کلوت بک (Clot Bey) (۱: xxxiii بعد) اور پیٹن (Paton) (۲: ۵۵) کی تصانیف میں موجود ہے.

مآخذ: (۱) جبرتی: عجائب الآثار فی التراجم والاخبار، بولاق ۱۲۹۰ھ اور بعد ازاں کئی بار طبع ہوئی؛ ترجمہ بنام *Merveilles Biographiques et Historiques ou Chroniques du Cheikh Abd-el-Rahman el Djabarti*، ج ۸ و ۹، قاہرہ ۱۸۹۶ء (۱۸۲۰ء تک کے حالات)؛ (۲) علی پاشا مُبارک: الخِطَط التوفیقیة [بولاق ۱۳۰۶ھ]، ۱: ۶۵ – ۷۷؛ (۳) مَوْنژواں (Félix Mengin): *Histoire de l'Egypte sous le Gouvernement de Mohammed Aly, ou récit des événements politiques et militaires qui ont eu lieu depuis le départ des Français Jusqu'en 1823*، ۲ جلد، پیرس ۱۸۲۳ء؛ (۴) وہی مصنّف: *Histoire sommaire de l'Egypte sous le gouvernement de Mohammad Aly* (۱۸۲۳ – ۱۸۳۸ء کے حالات کے لیے)، پیرس ۱۸۳۹ء؛ (۵) A. de Vaulabelle: *Histoire moderne de l'Egypte (1801-1834) =Histoire scientifique et militaire de l'Expédition française en Egypte*، ج ۹ و ۱۰، پیرس ۱۸۳۰–۱۸۳۶ء؛ (۶) Cadalvène و E. Barrault: *Histoire de la Guerre de Méhémed-Ali contre la Porte Ottomane (1831-1833)*، پیرس ۱۸۳۷ء؛ (۷) وہی مصنّف: *Deux années de l'histoire d'Orient (1839-1840)*، پیرس ۱۸۴۰ء؛ (۸) F. Perrier: *La Syrie sous le gouvernement de Méhémed-Ali jusqu'en 1840*، پیرس ۱۸۴۲ء؛ (۹) A. B. Clot-Bey: *Aperçu général sur l'Egypte*، ۲ جلد، پیرس ۱۸۴۰ء؛ (۱۰) Edouard Gouin: *L'Egypte au XIX^{e} siécle. Histoire militaire et politique, anecdotique et pittoresque de Méhémet-Ali, Ibrahim Pacha, Soliman Pacha*، پیرس ۱۸۴۷ء؛ (۱۱) Paul Mouriez: *Histoire de Méhémet-Ali, vice-roi d'Egypte*، ۴ جلد، پیرس ۱۸۵۵–۱۸۵۸ء؛ (۱۲) Ch. Aug. Murray: *A short Memoir of Muhammad Ali*، لنڈن ۱۸۹۸ء؛ (۱۳) A. A. Paton: *A History of the Egyptian Revolution from the Period of the Mamelukes to the Death of Muhammad Ali*، ۲ جلد، لنڈن ۱۸۶۳ء؛ (۱۴) G. Rosen: *Geschichte der Turkei van dem Siege der Reform im Jahre 1826 bis zum Pariser Traktat Vam Jahre 1856*، ۲ جلد، لائپزگ ۱۸۶۶ – ۱۸۶۷ء؛ (۱۵) میخائیل شرُوبیم بک: الكافی فی تأریخ مصر القدیم و الحدیث، بُولاق ۱۳۱۸ھ، ج ۴؛ (۱۶) مقالات "Ibrahim Pacha" از P. Ravaisse در *La Grande Encycloépdie*، ۲۰: ۵۲۰؛ (۱۷) W. Alison Phillips: Mehemet Ali (= *The Cambridge Modern History*)، کیمبرج ۱۹۰۷ء، جلد ۱۰، باب ۱۷) جہاں مزید حوالہ جات درج ہیں؛ (۱۸) A. Hasenclever: *Die orientalische Frage in den Jahren 1838-1841 Ursprung des Meerengenvertrages vom 13. Juli 1841*، لائپزگ ۱۹۱۴ء.

(P. KAHLE کالے)

----

* **ابراہیم حقّی پاشا:** ایک نومسلم گُرجی کا پوتا اور محمد رمزی کا بیٹا، جو اپنی وفات کے وقت شہر قسطنطینیہ کی کونسل ("شہر امانتی مجلسی") کا صدر تھا۔ ابراہیم حقّی پاشا ۲۲ شوال ۱۲۷۹ھ / ۱۲ اپریل ۱۸۶۳ء کو قسطنطینیہ کے بِشِکْطاش محلّے میں پیدا ہوا اور اس نے ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۲ء تک قسطنطینیہ کے مِلکِیّہ مکتبی یعنی مدرسۂ ادارہ میں تعلیم پائی [جہاں ملکی نظم و نسق کی تعلیم دی جاتی تھی۔] یہاں اس نے محمد مُراد بک (معلّم تاریخ)، پُرْتقال مِیکائیل اِفندی (معلّم مالیات) اور آحانس اِفندی (معلّم اقتصادیات) کے درس سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا۔ مدرسے سے شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ سلطان عبدالحمید [ثانی] کے قصرِ یِلدِز میں ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۴ء تک مترجم کے عہدے پر فائز رہا۔ ادبی اور علمی سرگرمیوں کی بدولت اس نے ۲۳ سال کی عمر میں قسطنطینیہ کے "حُقُوقِ مکتبی" یعنی مدرسۂ حُقُوق (School of Law) میں استادِ تاریخ کی کرسی حاصل کرلی، جس کے ساتھ تھوڑے دنوں بعد ۱۸۸۸ء میں حُقُوقِ سیاسیّہ (قانونِ دستوری، constitutional law) کی کرسی کا بھی اضافہ کردیا گیا۔ ابراہیم حقّی پاشا کی تدریسِ تاریخ کی مدّت ۱۸۹۱ء میں ختم ہوگئی تو اس کے بجائے اسے ۱۸۹۲ء میں حُقُوقِ سیاسیّہ کی کرسی کے ساتھ قانونِ اداری کی کرسی بھی تفویض ہوگئی اور ۱۸۹۳ء میں مدرسۂ حقوق ہی میں اسے بین الاقوامی قانون کی کرسی عطا ہوئی۔ ایک قادر الکلام خطیب اور مقابلۃً بیباک نقّاد ہونے کی وجہ سے اس نے طلبہ کو اپنا گرویدہ بنالیا اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس نے غیر ترکوں اور غیر مسلموں میں بھی دولت عثمانیہ کی بہبودی کے ساتھ دلچسپی پیدا کردی۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ابراہیم حقّی بابِ عالی کا قانونی مُشیر (حُقُوق مُشاوِری) مقرّر ہوا۔ ۱۹۰۱ – ۱۹۰۲ء میں صدرِ اعظم محمد سعید پاشا نے وزارتِ خارجہ کا معاون یا وکیل (انڈر سکرٹری) بنانا چاہا لیکن سلطان نے یہ تجویز پسند نہ کی۔ حقّی بک نے قانونی مشیر کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کی اور وہ اس عہدے پر ۱۹۰۸ء تک فائز رہا اور تیس سے زائد ہیئاتِ مامورین (کمیشنوں) میں بحیثیت رکن یا بحیثیت صدر شریک ہوتا رہا، جو عقدِ معاہدات یا متنازع فیہ

قانونی مسائل کی بحث و تمحیص کے لیے مقرر رہوے۔ چونکہ وہ کئی زبانیں جانتا تھا اس لیے سلطان عبدالحمید نے اسے سفیر بنا کر دو بار یورپ اور امریکہ بھیجا۔ جب ۱۹۰۸ء میں ترکی میں دستوری حکومت دوبارہ قائم ہوئی تو ابراہیم حقّی فوراً سیاسی میدان میں اتر آیا، وہ انتہائی جدید خیالات کا حامی بن گیا اور اُس قلیل مدّت میں، جس کے اندر ۱۹۰۸ء میں وزارتِ تعلیم کا قلمدان اس کے ہاتھ میں رہا، اس نے یہ دلیرانہ قدم اٹھایا کہ مرکزی دفاتر میں پانچ سو عہدے داروں میں سے صرف ایک سو کو مستقل کیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد ایک قلیل مدّت کے لیے وہ وزیرِ داخلہ بھی رہا۔ اس کی عظیم تندہی اور گرمجوشی سے سست رفتار عہدے دار خوفزدہ ہوگئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے ان منصبوں سے بہت جلد کنارہ کش ہونا پڑا۔ اس کے بعد بھی وہ قانونی تدریس کی کرسیوں پر بدستور فائز رہا، یہاں تک کہ ۱۹۰۹ء میں اسے بحیثیتِ سفیر روم بھیج دیا گیا۔ وہ پہلے ہی ایک مدّت سے انجمنِ اتّحاد و ترقّی (Committee of Union and Progress) کا نامزد امیدوارِ وزارت تھا، اس لیے ۱۲ جنوری (بقول Schulthess، ۱۰ جنوری) ۱۹۱۰ء میں اسے وزیر کا رتبہ دیا گیا اور پھر صدرِ اعظم بنا دیا گیا۔ ابراہیم حقّی نے اپنے آپ کو سیاسی میدان میں ممتاز خطیب اور نمایاں اور بیّن عقائد کا معتقد ثابت کیا لیکن اس کے خیالات میں وہ لچک موجود نہ تھی جو مشرق میں معمولاً پائی جاتی ہے اور شاید ضروری بھی ہے۔ نوجوان ترکوں کے حلیف ہونے کی حیثیت سے اس نے صدارتِ عظمٰی کا عہدہ ۲۱ ماہ تک سنبھالے رکھا۔ وہ اَلبانیوں اور دوسرے ایسے لوگوں کا سخت مخالف تھا جو دولت عثمانیہ سے الگ ہونا چاہتے تھے۔ جب اٹلی نے بابِ عالی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو ابراہیم اور اس کی مجلسِ وزرا ۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مستعفی ہوگئی.

اس کی وَزارت کا سب سے بڑا کامیاب سیاسی کارنامہ یہ تھا کہ اعلٰی عثمانی قائد (چیف آف سٹاف) احمد عزّت پاشا نے یمنی باغیوں کے خلاف کامیابیاں حاصل کیں اور یہ کہ یمنی زیدیوں کے سردار، امام یحیٰی سے صلح کا معاہدہ طے ہوگیا، جس کی بنیاد یمن کی مذہبی، قانونی اور کسی حدّ تک مالی آزادی پر تھی۔ اس معاہدے کی تکمیل میں بھی احمد عزّت پاشا کا ہاتھ تھا.

ابراہیم حقّی پاشا کی تصنیفات زیادہ تر اصولِ قانون سے اور دوسرے درجے پر تاریخ سے متعلّق ہیں۔ اس کی پہلی تصنیف مِدْخَلِ حُقوقِ دُوَل (یعنی بین الاقوامی قانون کا مقدّمہ) تھی اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے تاریخ حقوق بن الدُّوَل (بین الاقوامی قانون کی تاریخ) (استانبول ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵-۱۸۸۶ء) لکھی۔ یہ دونوں کتابیں جامع، ناقابلِ اعتراض اور یونیورسٹی کے نصاب کے لیے قابلِ اعتماد ملخّص ہیں۔ تقریبًا اسی زمانے میں محمد عزمی کے ساتھ مل کر اس نے ایک مختصر تاریخ اسلام (مختصر اسلام تاریخی) شائع کی، جو مدارسِ رُشدِیّہ (متوسّطہ) کی ادنٰی جماعتوں کے لیے لکھی گئی تھی (چھٹا ایڈیشن، استانبول ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳-۱۹۰۴ء)۔ اسی محمد عزمی کے ساتھ مل کر اس نے دولت عثمانیہ کی ایک مختصر تاریخ تالیف کی اور پھر اسی موضوع پر ایک چھوٹی سی کتاب، جو اس کی اپنی تصنیف ہے، ابتدائی مدارس کے لیے لکھی (استانبول ۱۳۰۱ھ/ [۱۸۸۳-۱۸۸۴ء])۔ اس سے تھوڑے دنوں بعد اس نے اپنی سب سے اہم تاریخی تصنیف تاریخ عُمُومی تین جلدوں میں شائع کی، جو ابتدائی زمانے سے لے کر سولھویں صدی عیسوی تک کے حالات پر مشتمل ہے (تاریخِ عُمُومی، استانبول ۱۳۰۵ھ اور ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۷-۱۸۸۸ء اور ۱۸۸۸-۱۸۸۹ء)۔ ان میں سے کسی تصنیف میں بھی کوئی خاص جدّت نہیں پائی جاتی.

ابراہیم حقّی کی سب سے زیادہ قابلِ قدر تصنیف قانونِ نظم و نسق پر بنام حُقُوق ادارہ ہے (طبع اوّل، استانبول ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰-۱۸۹۱ء؛ طبع ثانی، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴-۱۸۹۵ء)۔ یہ کتاب نیم وزیری (ہشت برگی) تقطیع کی دو جلدوں میں ہے۔ اس میں پہلی بار نہایت ماہرانہ طرز پر ایک شاخ در شاخ اور پیچیدہ موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اب بھی اس قسم کی دیگر کتب پر بہت فوقیت رکھتی ہے۔ اس نے کئی اَور غیر مطبوعہ کتابیں بھی تیّار کر رکھی ہیں، جنھیں گزشتہ بیس سال کی تعلیمی اور سیاسی مصروفیتوں کی وجہ سے وہ ابھی تک شائع نہیں کر سکا ہے۔ [اس مادّے کی تیّاری کے وقت بلکہ ۱۹۱۴ء تک بھی ابراہیم حقّی پاشا زندہ تھا اس کے بعد اُس کا انتقال ہوگیا].

مآخذ: (۱) Schulthess: *Europäischer Geschichtskalender*، سلسلۂ جدیدہ سال بیست و ششم ۱۹۱۰ء (میونخ München ۱۹۱۱ء)؛ سال بیست و ہفتم ۱۹۱۱ء (München ۱۹۱۲ء)؛ (۲) احمد اِحسان: نَو سالِ ثروتِ فُنون (استانبول ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳-۱۸۹۴ء) ص ۴۷-۵۰، ۶۰؛ (۳) اسمٰعیل صُبحی و محمد فؤاد: سالنامۂ ثروت فُنون، استانبول ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۱۱-۱۹۱۲ء اور ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء؛ (۴) سعید پاشا: خاطِرات، ۲: ۲ (دیرِ سعادت ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۱ء)، ص ۲۳ ببعد۔ اس کے علاوہ اپنی ذات کے متعلّق مقالہ نگار کو خود ابراہیم حقّی نے بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں.

(K. Süssheim سُوسہائم)

----

* **ابراہیم خان:** خاندانِ ابراہیم خانزادہ کا مُورثِ اعلٰی، جو سلطان سلیم ثانی کی بیٹی شہزادی اِسمٰی خان [سلطانی] [م ۹۹۳ھ/ ۱۵۸۵ء۔ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ] کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کا باپ مشہور صدرِ اعظم محمد صُوقُلّلی پاشا تھا، جس سے شہزادی کی پہلی شادی ہوئی تھی اور جسے ۱۹ شعبان ۹۸۷ھ/ ۱۱ اکتوبر ۱۵۷۹ء کو قتل کر دیا گیا۔ روایت ہے کہ ابراہیم خان کے باپ نے اُس کے پیدا ہوتے ہی اُسے چھپا دیا تھا اور اس لحاظ سے وہ پہلا شخص تھا جس نے عثمانی خاندان کے اس دستور کو توڑا جس کی رو سے شہزادیوں کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا تھا (حدیقۃ الجوامع، ۲: ۳۸، قب مادّۂ داماد)۔ اسی طرح سلطان احمد اوّل نے اُسے خلافِ قاعدہ متعدّد صوبوں کا والی (گورنر جنرل) مقرر کیا اور یہ، از روے روایت، اس بات کے صلے میں کہ اس نے وہ جائداد سلطان کی نذر کر دی

تھی جس میں اس کے باپ صُوقُلّلی پاشا کا محلّ واقع تھا تاکہ وہاں آت میدان کی بڑی مسجد تعمیر کی جاسکے (Barozzi-Berchet: *Relazione* etc، ص ۱۸۱)۔ ابراہیم کی وفات ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱-۱۶۲۲ء کے بعد ہوئی اور اس کی اولاد یعنی ابراہیم خانزادوں سے (اِوْرِنُوس زادوں اور طُور خانزادوں کی طرح) مملکتِ عثمانیہ کے تاریخی خاندانوں میں سے ایک خاندان قائم ہوا، مگر اس خاندان کے افراد نے سلطنت کے اندر کبھی کوئی اہم عہدے حاصل نہیں کیے، سوا ابراہیم خان کے ایک پوتے علی بیگ کے، جو اُن چند افراد میں سے ہے جن کا ذکر وقائع نگاروں نے بار بار کیا ہے (راشد: تأریخ، ۲: ۲۲۰ ب؛ Knolles-Rycaut: *The Turkish History*، ص ۲۶۳؛ v. Hammer: *Geschichte d. Osm. Reiches*، ۹: ۵۶۳، عدد ۲۶۹۶؛ De la Motraye: *Voyages*، ۱: ۳۲۶)۔ سترھویں صدی کے نصف آخر کے قریب یہ بات مشہور ہوگئی کہ عثمانی خاندان کے ختم ہوجانے کی صورت میں ابراہیم خانزادے تخت نشین ہوں گے اور اس لیے موجودہ عثمانی سلاطین کا فرض ہے کہ اس خاندان کے تمام افراد کی جانوں کا حفظ و احترام کریں (De la Motraye: کتاب مذکور ۱: ۲۶۱ بعد؛ Driesch: *Historiche Nachricht* etc.، ص ۱۳۷؛ Kantemir: *Ottoman History*، ص ۱۰۷؛ Lüdeke: *Beschreibung des Türk. Reiches*، ۱: ۲۹۲؛ ۲: ۶۳)۔ یہ لوگ ایوّب کے نواح میں ''شاخ زرّیں'' پر سکونت پذیر تھے اور مورثِ اعلیٰ محمد صوقُلّلی پاشا کے 'اوْقاف' کے اب تک متولّی چلے آرہے ہیں (جَوْدت Djewdet: تأریخ، ۶: ۱۹۸)۔

مآخذ: (۱) ان تصانیف کے علاوہ جن کا حوالہ متنِ مادّہ میں دیا جاچکا ہے دیکھیے: سِجلِّ عثمانی، ۱: ۹۹؛ (۲) White: *Three Years in Constantinople*، ۲: ۳۰۷۔

(J. H. Mordtmann مُورْدْتمان)

✱ **ابراہیم لودی:** ہندوستان کے لودی خاندان کا سب سے آخری فرمانروا (دیکھیے سکندر لودی)، جو ۱۵۱۰ء میں تخت نشین ہوا اور آگرے میں تقریباً سولہ سال حکومت کرنے کے بعد اپریل ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا۔ وہ تندخو اور سخت گیر تھا، چنانچہ امرا اس سے منحرف ہوگئے اور انھوں نے بابر کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ ابراہیم اپنے ہزاروں افغان سپاہیوں سمیت بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اُس پر وہی گزری جو ہیرلڈ (Harold) پر گزری۔ [۱۰۶۶ء میں ہیرلڈ شاہ انگلستان تھا، اس کے لیے دیکھیے کولمبیا وائکنگ ڈسک انسائکلوپیڈیا، ص ۴۱۶ عمود ا؛ ولیم فاتح سے لڑا اور مارا گیا]۔ اس سے پیشتر کہ اسے بیرونی دشمن سے مقابلہ پیش آئے وہ خود اپنے خاندان کے افراد سے اُلجھ چکا تھا۔ اس کے چچا علاء الدین نے پہلے اسے گجرات سے بے دخل کرنے کی کوشش کی اور بعد ازاں کابل سے نکالنا چاہا اور اس میں بابُر سے مدد لی۔ لیکن ابراہیم نے اپنے چچا کو شکست دی اور علاء الدین کو مغلوں سے ساز باز کر کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

مآخذ: (۱) نظام الدّین: طبقات اکبری؛ (۲) بابر: توزک، ترجمہ از اَرْسکِن (Erskine) اور پاوِہ دَ کُورتِیّ Pavet de Courteille؛ [ایضًا، ترجمہ از مسز بیورج؛ بہ امداد اشاریہ]؛ (۳) Elphinstone: *History*؛ (۴) عبداللہ: تاریخ داؤدی، جس کا حال مع اقتباسات Elliot: *Hist.*، ۴: ۴۳۴ میں درج ہے [نیز دیکھیے سٹوری، ۱: ۵۱۵]؛ (۵) نعمت اللہ: *History of Afghans*، ترجمۂ ڈارن (Dorn)، ص ۱۷۰۔

(H. Beveridge بیورج)

✱ **ابراہیم مُتَفَرِّقہ:** (یعنی داروغۂ دربار): دولتِ عثمانیہ میں طباعت کا موجد، جو تقریباً ۱۶۷۴ء میں ملک ہنگری کے مقام قولوس وار (Kolozsvar) میں کالوینی (Calvinistic) عقیدے کے (عیسائی) والدین کے ہاں پیدا ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اُسے ایک ترکی دستۂ فوج نے، جس نے ہنگری پر حملہ کیا تھا، قید کرلیا۔ اسے قسطنطینیہ لایا گیا اور غلامی میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہوکر علوم دینیہ کے مطالعے میں مشغول ہوگیا۔ ۱۷۱۵ء میں بابِ عالی کی طرف سے اسے شہزادۂ یُوجِین (Prince Eugen) کے پاس کسی سیاسی مقصد سے بھیجا گیا (فان ہامر (von Hammer): *Geschichte des Osmanischen Reiches*، ۷: ۱۹۳ بعد)۔ اس کے بعد ابراہیم ٹرانسلوانیا (Transylvania) [اردل] کے ایک امیر فرانسیس راکوزی (Francis Rakoszy) کے عملے کے ساتھ منسلک ہوگیا، جو ہنگری کے باغیوں کا قائد تھا اور ۱۷۱۸ سے ۱۷۳۵ء تک ترکیّہ میں پناہ گزین رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ابراہیم بابِ عالی کے ترجمان کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ ۱۷۳۷ء کے شروع میں اسے پولینڈ میں سفیر بنا کر بھیجا گیا (فان ہامر: کتاب مذکور، ۷: ۴۸۰-۵۲۰) اور آسٹریا کی جنگ میں اس نے توپ خانے (طوپ عَرَبَجی لَری) کے کاتب کی حیثیت سے حصّہ لیا۔ بعد ازاں وہ اپنے زمانے کی سیاسی سازشوں میں دلچسپی لینے لگا اور ان میں اُلجھ گیا، بالخصوص ان سازشوں میں جن کا تعلق فرانسیسی سفیر اور قسمت آزما بُونُوال (Bonneval) سے تھا (Vandal: *Une Ambassade française en Orient sous Louis XV*، ص ۱۸۱؛ فان ہامر: کتاب مذکور، ۷: ۵۲۰ بعد؛ ۸: ۴۳؛ پرچ (Pertsch): *Verzeichn. d. türk. Handschr. Berlin*، ص ۲۵۶)۔ رجب ۱۱۵۶ھ کے آخر (ستمبر ۱۷۴۳ء) میں دولتِ عثمانیہ نے اُسے یہ خدمت سپرد کی کہ وہ داغستان جا کر احمد خان اُسْمِیْ کو قبائل [قِپْچاق] کے خان ہونے کی حیثیت سے خلعتِ حکومت پہنچائے (صُبحی: تأریخ، ورق ۲۲۱ ب)۔ اس نے ۱۱۵۷ھ/ ۱۷۴۴-۱۷۴۵ء میں وفات پائی لیکن اس کی اصلی شہرت کا باعث اس کی سیاسی سرگرمیاں نہیں ہیں بلکہ اس کا سب

سے زیادہ اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں میں فنِّ طباعت کی بنیاد ڈالی۔ وسط ذوالقعدہ ۱۱۳۹ھ/ابتداے جولائی ۱۷۲۷ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے اجازت ملنے کے بعد ابراہیم نے قسطنطینیہ میں پہلا مطبع قائم کیا۔ اس مطبع کے قائم کرنے میں اسے داماد ابراہیم پاشا ایسے روشن ضمیر صدرِ اعظم کی مدد حاصل تھی اور سعید محمّد نے بھی حوصلہ افزائی کی تھی، جو اپنے والد یِنرمی سِکز چلبی محمّد کے ہمراہ تھا، جب اسے ۱۷۲۱ء میں لوئیس پانزدہم کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس مطبع کا سب سے پہلا کام قاموس وَانقُولی کی طباعت تھی، جو قطعِ کبیر (folio) کی دو جلدوں میں یکم رجب ۱۱۴۱ھ/ ۲۰ جنوری ۱۷۲۹ء کو شائع ہوئی۔ اکتوبر ۱۷۳۴ء میں مطبع کا کام بند کر دیا گیا، لیکن چھے سال کے وقفے کے بعد پھر شروع ہوا اور پھر ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء میں بالکل بند ہو گیا۔ اس دوران میں اس چھاپے خانے میں کل سترہ کتابیں طبع ہوئیں، جو اسلامی طباعت کی قدیم ترین کتابیں ہیں (مکمّل فہرست کے لیے دیکھیے فان ہامر: کتاب مذکور، ۷: ۵۸۳ ببعد).

مآخذ: (۱) J. de Karacson در *Revue Historique publiée par l'Institut d'Histoire Ottomane*، شمارہ ۳: ۱۷۳ - ۱۸۵، مع ان اضافوں کے جو مِستاکِیدِس (B. A. Mystakides) نے مجلّۂ مذکور کے شمارۂ ۵ اور ۷ میں دیے ہیں؛ (۲) سِجلِّ عثمانی، ۱: ۱۲۷؛ ۱۱۳۹ھ کا فرمان قاموسِ وانقولی کی پہلی اشاعت کے دیباچے میں درج ہے اور ابراہیم کے مزار کا کتبہ مع قطعۂ تاریخ وفات روزنامۂ صَباح، شمارہ ۸۵:۵، مؤرّخہ ۱۴ جمادی الأُخرٰی ۱۳۳۱ھ میں شائع ہوا ہے.

(J. H. Mordtmann مُوِرتمان)

✱ **ابراہیم المَوْصِلی:** ابراہیم بن ماہان [یا میمون — العقد] بن بَہمَن [التمیمی بالوَلاء، الارَّجانی]، جسے 'الندیم الموصلی' بھی کہتے ہیں، تاریخِ عرب کے مشہور ترین مغنّیوں میں سے ہے۔ ابراہیم [جو عجم کے ایک بڑے گھرانے سے تھا] کوفے میں ۱۲۵ھ/ ۷۴۲ء میں پیدا ہوا۔ [اس کے بچپن ہی میں اس کا باپ فوت ہو گیا تھا، بنو تمیم نے اسے پالا اور اس کی تربیت کی، اس لیے وہ ان کی طرف منسوب ہوا۔ موصِل میں ایک مدّت رہا، اس لیے مَوصِلی کہلایا (ابن خَلِّکان)۔ وہ مرجّح روایت کے مطابق ۱۸۸ھ/ ۸۰۴ء میں بغداد میں فوت ہوا۔ المأمون نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی — العقد]۔ اُس نے موسیقی کا علم ایرانی استادوں سے حاصل کیا اور گانے اور عود بجانے میں فوق العادۃ مہارت حاصل کر لی۔ عبّاسی خلفا کے دربار میں المہدی، الہادی اور خاص طور پر الرّشید کے عہد میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس کے بیٹے اسحٰق (م ۲۳۵ھ/ ۸۴۹ء) نے، جو بڑا فاضل اور باکمال آدمی تھا، اپنے باپ کی پیروی کی۔ وہ موسیقی اور آہنگ سازی میں اپنے باپ کا پورا ہمسر ثابت ہوا اور الرشید، المأمون اور المعتصم کے عہد میں بغداد میں نمایاں شخصیّت کا مالک تھا [دیکھیے العقد الفرید، بہ اِمداد اشاریہ، ۱: ۱۵۹]۔ ابراہیم کی قابلیت کے بارے میں حیرت انگیز کہانیاں بیان کی گئی ہیں؛ مثلاً الاغانی، ۵: ۴۱۔ ان دو قصّوں میں سے جو اس کی بابت بہت دور دور تک مقبول و مشہور ہوے ایک قصّہ ان [سات] گانے والی لڑکیوں (مغنّیات) کا ہے جن کے گھر میں وہ ایک زنبیل میں بیٹھ کر داخل ہوا تھا (الاغانی، ۵: ۴۱ ببعد؛ الغُزُولی: مطالِع البُدُور، ۱: ۲۴۳ ببعد؛ ابن بَدْرُون، طبع ڈوزی، ص ۲۷۲ ببعد، اور اَلف لیلة و لیلة۔ آخری دو کتابوں میں یہ قصّہ اسحٰق کی بابت بیان کیا گیا ہے)؛ دوسرا قصّہ شیطان کا ہے، جو اس کی ملاقات کے لیے آیا تھا اور جس نے اسے ایک حیرت انگیز نغمہ سکھایا تھا (الاغانی، ۵: ۳۶ ببعد؛ الغُزُولی، ۱: ۲۴۱ ببعد، اور الف لیلة و لیلة (جس میں یہ قصّہ اسحٰق کے بارے میں بیان کیا گیا ہے)۔ [زِریاب، جو اندلس میں پہنچ کر امیر عبدالرحمٰن بن الحکم کا مغنّی بنا، ابراہیم کا حبشی غلام اور شاگرد تھا — العقد، ۳: ۲۰۰].

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: عدد ۹ (ترجمۂ دیسلان، ۱: ۲۰ ببعد، [طبع قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۹])؛ (۲) اغانی (طبع اوّل)، ۵: ۲ - ۴۹، ۵۲ - ۱۳۱؛ (۳) [ابن ندیم: الفہرست، ص ۱۴۰ - ۱۴۲؛ (۴) ابن عبد ربّہ: العقد الفرید، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، بہ اِمداد اشاریہ، ۱: ۱۴۰]؛ (۵) Barbier de Meynard: *Ibrahim, fils de Mehdi*، در JA، ۱۸۶۹ء، ص ۲۰۱ - ۳۴۲؛ (۶) فان کریمر (von Kremer): *Culturgeschichte des Orients*، ۲: ۱۷ ببعد؛ (۷) اہلوارٹ (Ahlwardt): *Abu Nowas*، ص ۱۳ ببعد؛ (۸) براکلمان (Brockelmann): *GAL*، ۱: ۷۸؛ [تکملہ، ۱: ۲۲۳ ببعد، مع مزید حوالہ جات].

(C. C. Torrey ٹورِی)

✱ **الاَبرُزِی:** رکّ بہ عَمِیدُ الدّین اسعد.

✱ **اَبَرشَہر:** نیشاپور [رکّ بآن] کا قدیم تر نام، جو صوبۂ خراسان کے چار اَرباع (حصّوں) میں سے ایک کا صدر مقام تھا۔ مسلمان جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق فارسی زبان میں اس کے معنی ''شہرِ ابر'' ہیں، لیکن مارکار (Marquart) کا بتایا ہوا اشتقاق (*Ērānšahr*، ۷۴) یعنی ''Απαρνοι کا ضلع'' (ارمنی Apar ašxart سے قیاس کرتے ہوے)، زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ بعض دفعہ اسے ایران شہر یعنی ''شہر ایران'' کا اعزازی نام بھی دیا جاتا تھا۔ ساسانی سِکّوں پر اس کا مضروب نام Apr یا Apršš یا Apršš ہے اور یہی شکلیں بالالتزام عربی۔ساسانی نمونے کے ان درہموں پر بھی برابر نظر آتی ہیں جو مسلم فاتحین نے (۵۴ھ/ ۶۷۳ - ۶۷۴ء سے ۶۹ھ/ ۶۸۸ - ۶۸۹ء تک) مسکوک کیے۔

بنو امیّہ کے عہد میں اس کا عربی نام [نیسابور] ۹۱ھ/ ۷۰۹ - ۷۱۰ء سے ۹۷ھ/ ۷۱۵ - ۷۱۶ء تک زمانۂ مابعد اصلاحات کے دراہم پر موجود ہے۔ اموی عاملین زیاد بن (ابی سفیان) اور اس کے بیٹوں عبیداللہ اور سَلْم نیز عبداللہ بن خازم کے نام اَبَرشَہر کے سِکّوں پر موجود ہیں۔ اس کے بعد اس شہر کی ٹکسالی کارروائی

نیسابُور کے نام سے جاری رہی.

مآخذ: (۱) لی سٹرینج (Le Strange)، ۳۸۳؛ (۲) مارکار (J. Marquart): *Ērānšahr*، برلن ۱۹۰۱ء؛ (*Abh. G. W. Gött. N. S*، ۳/۲)، ص ۶۶، ۶۸، ۷۴؛ (۳) مارک وارٹ (J. Markwart): *A Catalogue of the Provincial Capitals of Eranshahr*، روم ۱۹۳۱ء، (*Analecta Orientalia, iii*) ص ۵۲ ـ ۵۳؛ (۴) واکر (J. Walker): *A Catalogue of the Arab-Sassanian Coins*، لنڈن ۱۹۴۱ء، ص ci-cii، cvi، ۳۶، ۴۲، ۴۷، ۸۷ـ۸۸؛ (۵) ہرتسفلٹ (E. Hertsfeld)، در *Transactions of the Intern, Congress of Numismatists*، ۱۹۳۶ء، ص ۴۲۳، ۴۲۶.

(واکر J. WALKER)

----

* **اَبَرقُباذ:** ساسانی تقسیم ملکی کے مطابق، جسے عربوں نے اپنا لیا تھا، خُسرہ شاذ بَہمان یا دجلہ کے علاقے (فارسی: استان، عربی: کورہ) کی ایک شق (طَسُّوج)، جو واسط اور بصرے کے مابین خوزستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک خطّۂ زمین پر مشتمل ہے۔ یہ نام ساسانی بادشاہ کَواذ (قُباذ) اوّل سے ماخوذ ہے۔ اس نام کا پہلا جزو غالبًا اَبَر ہے (فارسی لفظ اَبَر یا اَبُر بمعنی "بادل" مقامات کے ناموں کے شروع میں بکثرت پایا جاتا ہے)۔ یہ "اَبز" یا "اَباذ" نہیں ہے، جیسا کہ عرب جغرافیہ نگاروں نے لکھا ہے۔ بعض عرب مصنّفین نے اَبَرقُباذ کا نام اس خطّے کو دیا ہے جس میں اَرَّجان واقع ہے، لیکن یہ بظاہر کسی مغالطے کی بنا پر ہے.

مآخذ: (۱) ابن خُرَّداذبہ، ص ۷؛ (۲) قُدامہ: الخراج (طبع ڈخویہ de Goeje)، ص ۲۲۵؛ (۳) یاقوت، ۱: ۹۰؛ (۴) بلاذُرِی: فُتُوح، ص ۳۴۴؛ (۵) ابن سعد، ص ۷/۱: ۳؛ (۶) طبری، ۱: ۲۳۸۶؛ ۲: ۱۱۲۳؛ (۷) Th. Nöldeke: *Gesch. d. Perser u. Araber z. Zeit d. Sasaniden*؛ ص ۱۴۶؛ حاشیہ ۲؛ (۸) M. Streck: *Babylonien nach den arab. Geogr.*، ۱: ۱۵، ۱۹؛ [(۹) G. C. Miles: *Abarqubādh, a new Umayyad Mint*، در *American Numism. Soc. Museum Notes*، ۴، ۱۹۵۲ء: ۱۱۵ـ۱۲۰].

(شٹرک M. STRECK)

----

* **اَبَرقُوہ:** یَزْد سے متعلّق ایک چھوٹا سا قصبہ، جو شیراز سے یزد جانے والی سڑک پر (شیراز سے ۳۹ فرسخ اور یزد سے ۲۸ فرسخ کی مسافت پر) واقع ہے اور جسے ایک دوسری سڑک آبادہ [رک بآن] سے بھی ملاتی ہے۔ یہ ایک میدان میں واقع ہے اور مُستوفی: نزهة، ص ۱۲۱، کے قول کے مطابق اس کا نام ("پہاڑ پر") اس کے قدیم ترمحلّ وقوع سے منسوب ہے۔ ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء میں جب کاکُوئی امیر [ابومنصور] فَرامُرز [ظہیرالدّین] کے ہاتھ سے اصفہان نکل گیا تو طُغرل بیگ نے اسے اس کے عوض یَزْد اور اَبَرقُوہ دے دیے (ابن الاثیر، ۹: ۳۸۴)۔ اس کے جانشین اتابک کے لقب سے ان شہروں پر حکومت کرتے رہے۔ آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی میں مظفریوں کی تاریخ میں اَبَرقُوہ کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ابرقوہ کے بے شُمار شکستہ آثار میں سے قدیم ترین وہ مقبرہ ہے جو ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں فِیرُوزان نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی کے اجیر سپاہیوں کے مشہور سردار فِیرُوزان اَشکَوَرِی [منسوب بہ اَشکَوَر] (در گیلان) کے اخلاف میں سے تھا۔ طاؤس الحرمین کی طرف منسوب مقبرہ ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں ایک امیر ملقب بہ مجد الدنیا والدّین تاج المعالی ابوبکر محمد (المظفّری) کے کسی خلف نے (جو اُس کی پانچویں پشت میں تھا) تعمیر (یا دوبارہ تعمیر) کرایا تھا.

مآخذ: (۱) لی سٹرینج (Le Strange)، ص ۲۸۴، ۲۹۴، ۲۹۷؛ (۲) P. Schwarz: *Iran*، ۱: ۱۷؛ (۳) A. Godard، در آثار ایران، ۱۹۳۶ء، ص ۴۷ـ۷۲؛ (۴) محمود کُتُبِی: *History of the Muzaffarids*، در *GMS*، جلد ۱۴، رک بہ اشاریہ در ۱۴/ ۲؛ (۵) قاسم غنی: تأریخ عَصرِ حافِظ، جلد ۱، ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۴۲ء، اشاریہ.

(مِنَوُرسکِی V. MINORSKY)

----

* **ابرہہ:** چھٹی صدی مسیحی کے وسط میں جنوبی عرب کا ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ اسلامی ادب میں اس کی شہرت اس روایت کی وجہ سے ہے کہ اس نے ایک یمنی لشکر لے کر مکّے پر [حضرت] نبی [کریمؐ] کے سالِ پیدائش، یعنی حدودِ ۵۷۰ء میں چڑھائی کی تھی۔ (سورۃ ۱۰۵ [الفیل] میں اس کا ذکر آیا ہے)۔ مسلم مؤرّخین نے ابرہہ کی زندگی کے جو حالات لکھے ہیں وہ زیادہ تر عوامی متداول روایات کی قسم کے ہیں، جنھیں محض من مانے طریق پر ایک نامی شخصیت کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے [مگر دیکھیے سطورِ آئندہ]۔ مستند معلومات کے لیے ہمیں پروکوپی اس (Procopius) کی تصانیف اور حِمیَری کتبوں کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔ پروکوپی اس کے قول کے مطابق ہیلِس تھی اِے اوُس (Hellestheaios)، شاہِ حبشہ (ء ل ص ح ہ L'ṢḤH، در کتبۂ استانبول، شمارہ ۷۶۰۸ مکرّر) نے ۵۳۱ء سے چند سال پہلے جنوبی عرب پر چڑھائی کی۔ وہاں کے بادشاہ کو مار ڈالا اور ایک نمائشی حکمران مسمّٰی ایسیمی فے اوس (Esimiphaios) (کتبوں کا سمیفع SMYF') اس کی جگہ مقرر کر دیا اور خود حبشہ کو واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حبشہ کے فراریوں نے، جو جنوبی عرب میں رہ گئے تھے، سمیفع کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی جگہ ابرہہ کو تخت پر بٹھا دیا جو اصلاً عَدُولی (Adulis) [حبشہ کی ایک بندرگاہ] کے ایک بوزنطی تاجر کا غلام تھا۔ ہیلِس تھی اِے اوُس شاہ حبشہ نے باغیوں کے خلاف دو مہمیں بھیجیں، جو ناکام رہیں اور ابرہہ تخت پر متمکّن رہا۔ یوستینیانوس

(Justinian) [قیصرِ روم] نے ابرہہ کو ایران پر حملے کے لیے ابھارنے کی کوشش کی لیکن بے سود، کیونکہ ابرہہ شمال کی جانب تھوڑی دور تک جا کر واپس ہوگیا۔ جب تک ہیلیس تھی اِیے اَوس زندہ رہا، ابرہہ حبشہ کو خراج دینے سے انکار کرتا رہا لیکن اس کے جانشین کو خراج دینے پر رضا مند ہوگیا۔ کتبے کی قسم کا ہمارا سب سے بڑا ماخذ خود ابرہہ کا طویل کتبہ ہے جو سدِّ مَارِب (Ma'rib) پر لگا ہے (*Corpus inscr. Sem.*، ۴: ۵۴۱)۔ اس کتبے میں ایک بغاوت فرو کرنے کا تذکرہ ملتا ہے، جسے شاہِ معزول سُمیفَع (Esimiphaios) کے بیٹے کی تائید حاصل تھی اور سبائی دورۂ تاریخ کے سنہ ۶۵۷ میں (یعنی [۵۴۰] اور [۵۵۰ء] کے درمیان) وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کتبے میں اس مرمّت کا ذکر ہے جو اسی سال کچھ مدّت بعد کرائی گئی، نیز حبشہ، بوزنطیہ، ایران، حیرہ اور عرب کے ''رئیس قبیلہ'' (فِلارْک Phylarch) حارث بن جَبَلہ کے سفیروں کی باریابی اور اگلے سال سدِّ مَارِب کی مرمّت کی تکمیل مرقوم ہے۔ ایک اَور متن (Ryckmans، ۵۰۶، دیکھیے *Le Muséon*، ۱۹۵۳ء، ۲۷۵ - ۲۸۴)، جو بالائی وادی تَثلیث کے مشرق میں مُرَیْغان کے مقام پر ملا ہے، اس شکست کا ذکر کرتا ہے جو سبائی دورۂ تاریخی کے سنہ ۶۶۲ میں ابرہہ نے شمالی عرب کے قبیلۂ معدّ کو دی۔ مارب کا کتبہ اس طرح شروع ہوتا ہے: ''خدا، اس کے مسیح اور روح القدس (ر ح ق د س rh qds) کے جلال، عنایت اور رحم و کرم کے ساتھ''۔ فرقہ وارانہ اختلافِ عقیدہ کے اظہار کے نقطۂ نظر سے سمیفع (Esimiphaios) کے الفاظ شاید معنی خیز ہیں (وہ اپنے حبشی آقا کی طرح بلاشبہہ مسیحؑ کی وحدتِ فطرت کا قائل (Monophysite) تھا) جو مختلف عبارت استعمال کرتا ہے، یعنی: ''خدا اور اس کے بیٹے فتح مند یسوع اور روح القدس (م ن ف س ق د س mnfs qds) کے نام سے''؛ ممکن ہے ابرہہ کا میلان نسطوری مذہب کی طرف ہو۔ اس نے اپنے لیے جو شاہی القاب اختیار کیے وہ اس کے متّصل پیش رووں کے القابات کے عین مطابق ہیں، یعنی ''سباء و ذُوریْدان و حضرَموت و یَمَنات اور ان کے بلند و پست علاقے کے عربوں کا بادشاہ''، لیکن مَارِب کے کتبے میں وہ ان القاب کے علاوہ اپنے آپ کو ع ز ل ی م ل ک ن و گ، ز ی ن ('zly mlkn' g 'zyn)، موسوم کرتا ہے۔ کلمۂ ع ز ل ی (zly)، اَور کسی جگہ نہیں ملتا اور اس جملے کی کوئی اطمینان بخش تشریح اب تک نہیں کی جاسکی۔ کونٹی، روزینی (Conti-Rossini) کی تشریح کہ اس سے مراد ''اَگعزی، ('Ag'azi)'' قبیلے کی بہادر بادشاہ'' ہے ترکیب نحوی کے اعتبار سے غیر اغلب ہے۔ گلازر (Glaser) نے اس کا ترجمہ جو ''شاہِ حبشہ کا نائب السلطنت'' کیا ہے وہ اس کتبے کی بعد کی ایک عبارت سے مطابقت نہیں رکھتا، جس میں مذکور ہے کہ ابرہہ نے حبشہ کی سفارت کو (کوئی خصوصیت نہیں دی بلکہ اُسے) بوزنطی اور ایرانی سفارتوں کے ہم رتبہ رکھ کر باریاب کیا۔ رِکمانس (J. Ryckmans) نے ان الفاظ کو ع ت ل ی م ل ک ن ('tly mlkn)، پڑھا ہے، جس کے معنی ''جلالۃ الملک'' بنتے ہیں۔ اور یہ تشریح لائق لحاظ ہے۔ اس وقت کے بعد سے قابلِ وثوق ماخذ خاموش ہیں اور ہمارے پاس وہ روایت رہ جاتی ہے جو اسلامی ماخذ میں آئی ہے کہ مکّے پر ابرہہ کی لشکرکشی حرم کعبہ سے حسد کی بنا پر تھی اور اس کی فضول کوشش یہ تھی کہ وہ کعبے کی بجائے اپنے صنعا کے کلیسا کو سارے عرب کے لیے حج کا مقام بنا دے۔ اگر ابرہہ (ہی) فی الواقع اس قسم کی مہم لایا تھا (قرآن [مجید] میں مہم کے قائد کا نام مذکور نہیں) [تو ہوسکتا ہے] کہ شاہ حبشہ ہیلیس تھی اِیے اَوس (Hellestheaios) کے جانشین کے ساتھ صلح کر لینے کی وجہ سے ابرہہ نے ایران کے خلاف زیادہ جارحانہ روش اختیار کرلی ہو اور یہ مہمّ ایران کے مقبوضات پر حملہ کرنے کے منصوبے کا پہلا اقدام ہو۔ بہرحال یہ مہم ناکام رہی بلکہ اس نے ایرانیوں کو اشتعال دلایا، جنھوں نے چند سال بعد وَہرِز کے زیرِ قیادت یمن پر فوج کشی کرکے جنوبی عرب کی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے نابود کردیا۔ *The Martarium Arthae* میں دعوٰی کیا گیا ہے کہ ابرہہ کو حبشہ کے بادشاہ اِیلِس بآس (Elesbaas)، جسے عام طور پر پروکوپی اُس (Procopius) کا بیان کردہ ہیلیس تھی اِیے اَوس (Hellestheaios) سمجھا جاتا ہے، نے ذونُواس کی موت کے فوراً بعد تخت پر بٹھایا تھا۔ دیگر کلیسائی ماخذ مثلاً *Leges Homeritarum* میں، جسے ظَفار کے اُسقُف Gregentius سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کے مماثل بیان درج ہیں۔ لیکن واقعات کی یہ صورت، جو پروکوپی اس (Procopius) اور کتبوں کے بیانات دونوں سے بنیادی تباین رکھتی ہے، لازماً غیر تاریخی مانی جائے گی اور اسے یا تو ناموں میں خلط ملط کا نتیجہ سمجھا جائے گا اور یا مناظرانہ وجوہ کی بنا پر غلط بیانی پر محمول کیا جائے گا۔

مآخذ: (۱) طبری: ۱: ۹۳۰ - ۹۴۵؛ (۲) ابن ہشام ۱: ۲۸ - ۴۱؛ (۳) اغانی، ۱۶: ۷۲؛ (۴) لبید، xlii:۱۹؛ (۵) قیس بن الخطیم (Kowalski)، xiv: ۱۵؛ (۶) Caussin de Perceval: *Essai sur l'histoire des Arabes avant l'Islamisme*، ۱: ۱۳۸ - ۱۴۵؛ (۷) نولدیکہ (Th. Nöldeke): *Gesch. d. Perser u. Araber zur Zeit d. Sassaniden*، ص ۲۰۰ - ۲۰۵؛ (۸) پُروکوپی اُس (Procopius): *De bello persico*، ۱: ۲۰؛ (۹) گلازر (E. Glaser): *Mitt. d. vorderas. Gesch*، ۱۸۹۷ء، ص ۳۶۰ - ۴۸۸؛ (۱۰) رِکمانس (J. Ryckmans): *L'institution monarchique en Arabie méridionale avant l'Islam*، ص ۲۳۹ - ۲۴۵، ۳۲۰ - ۳۲۵؛ (۱۱) وہی مصنّف: *Le Muséon*، ۱۹۵۳ء، ۳۳۹ - ۳۴۲؛ (۱۲) C. Conti-Rossini: *Storia d' Etiopia*، ص ۱۸۶ - ۱۹۵؛ (۱۳) A. F. L. Beeston: *Notes on the Mureighan ins cription*، در *BSO(A)S*، ج ۲۶، حصّہ دوم - نیز قبَل افسانے کے ایک پہلو کے بارے میں مادّۂ ابورِغال؛ [(۱۴) رونارٹ (S. and N. Ronart): *Concise Encycl. of Arabic Civilization*، جمبٹن - ایمسٹرڈم، ص ۱۶ بعد)].

[ابرہہ کے کتبات اسلامی روایات سے متناقض نہیں ہیں مگر وہ ۵۵۰ء کے

بعد کے حالات پر کچھ روشنی نہیں ڈالتے۔ یہ مواد صرف عرب مؤرّخوں کے ہاں ملتا ہے اور وہ جزئیات میں بھی ایک دوسرے سے تضاد یا اختلاف نہیں رکھتے۔ جب ابرہۃ الاشرم نے صنعا کا معبد بنایا تو یمن کے عربوں کو حج کی غرض سے اس میں عبادت کے لیے آنے کی دعوت دی اور ان کے انکار پر غضبناک ہو کر شاہ حبشہ سے ہاتھی منگوایا اور ۵۷۰ء میں مکّے پر چڑھائی کی۔ عرب قبائل جو مزاحم ہوئے انھیں پچھاڑا اور حرم کے قریب المُغَمّس میں جا اترا۔ ابرہہ کے حکم سے ہاتھی کعبے کی طرف ہانکا گیا مگر ہاتھی رک گیا اور آگے نہ بڑھا۔ یہی وہ واقعہ ہے جسے قرآن مجید کی سورۃ الفیل (۱۰۵) میں بیان کیا گیا ہے]۔

(A. F. L. BEESTON بیسٹن)

•• ------------ ••

⊗ اَبْرَہہ (۲): وہی نام ہے جو عربی میں اِبراہیم اور مغربی زبانوں میں ابراہام کی صورت میں ملتا ہے۔ حبشہ ہی میں نہیں، جنوبی عرب میں بھی ابرہہ ایک بہت قدیم نام ہے۔ مثلاً کَلْبی (ابن حبیب: المُحبَّر، ص ۳۶۴؛ الطّبری: تاریخ، ۱: ۴۴۱) کے مطابق ابرہۃ الرائش ذوالمنار یمن کا حِمْیَری بادشاہ تھا، جو بلقیس ملکۂ سبا اور حضرتِ سلیمان سے بھی بہت پہلے گزرا ہے۔ عہدِ اسلام میں نَجاشی کی ایک لونڈی کا نام بھی ابرہہ ہے اور وہی ام حبیبہؓ کو رسول اکرمؐ کی طرف سے نکاح کا پیام پہنچاتی ہے (الطبری، ۱: ۱۵۷۰ بعد)، نیز ۲۰ھ میں ابرہہ بن الصبّاح نامی ایک شخص مصر میں فوجی خدمات انجام دیتا ہے (وہی کتاب، ۱: ۲۵۸۶ بعد)، لیکن سب سے زیادہ مشہور شخصیت وہ ہے جسے قرآن (سورۃ الفیل) نے اصحاب الفیل میں شامل کیا ہے۔ مسلمان مؤرّخ کہتے ہیں کہ اسی سال چند ماہ بعد رسول اللّٰہؐ کی ولادت ہوئی۔ اس شخص کو الاَشْرَم (نکٹا) بھی کہتے ہیں، کیونکہ ایک خانہ جنگی میں اس کی ناک اور ہونٹ کٹ گئے تھے۔

کوکب اور حِمیٰ میں یہودی بادشاہ ذونُواس یوسف کے جو تقریباً ہم مفہوم دو کتبے ملے ہیں (*Muséon*، ۱۹۵۳ء، ۶۶: ۲۸۴ - ۳۰۳) ان میں سے پہلے میں ۶۳۳ یمنی مطابق ۵۱۸ء میں حبشیوں کے خلاف ایک کامیاب جنگ، تیرہ ہزار دشمن قتل ہونے، ساڑھے نو ہزار قیدی اور دولاکھ اسّی ہزار جانور لُوٹ میں ملنے کا ذکر ہے اور دوسرے اسی سنہ میں چودہ ہزار قتل، گیارہ ہزار قیدی اور دولاکھ نوّے ہزار جانور لُوٹ میں ہاتھ آنے کا۔ استانبول کے عجائب خانۂ مشرق قدیم میں یمن سے لایا ہوا جو کتبہ (شمارہ ۷۵۱۵) ہے اس میں Gaderet شاہ حبشہ اور Yad'ab (یَدْاَب) شاہِ حَضْرَمَوْت کی مخالفت کا ذکر ہے۔ وہیں ایک دوسرے کتبے (شمارہ ۷۶۰۸ مکرّر) میں شاہ حبشۃ الاصبحہ کے (جسے پروکوپی اس، یوستنیانوس (Justinion) (حکمرانی: ۵۲۷-۵۶۵ء) کا درباری مؤرّخ ہیلس تھی اِے اَوْس (Hellestheaios) سے موسوم کرتا ہے) یمن پر کسی وجہ سے حملہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ ۵۳۱ء سے کچھ پہلے کا واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ پروکوپی اس کے بیان کے مطابق، حملہ آور مقامی بادشاہ کو قتل کر کے اس کی جگہ کٹھ پتلی اِسِیمی فے اوس (Esimiphaios) کو (کتبۂ حصن الغراب میں سُمَیْفَع کے ۵۳۱ء میں برسرِ حکومت ہونے کا ذکر ہے) تخت پر بٹھا کر واپس چلا گیا اور جو حبشی وہاں رہ گئے انھوں نے کچھ عرصہ بعد بغاوت کر کے سُمَیْفَع کی جگہ ابرہہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ ''یہ ابرہہ عیسائی تھا اور حبشہ کی بندرگاہ Adulis (عَدَولِی [دیکھیے *BSO(A)S*، نقشہ مقابل ص ۴۲۶]) میں بحری تجارت کرنے والے ایک رومی (بوزنطی) شخص کا غلام رہ چکا تھا'' (پروکوپی اس، ج ۱، باب ۲۰)؛ لیکن کتاب *Martyrium Arethae* میں لکھا ہے کہ ۵۲۵ء کے حملۂ دوم اور ذونُواس کی موت کے فوراً بعد الاصبحہ نے ابرہہ کو یمن میں اپنا نائب مقرّر کیا۔ ابرہہ نے گریگنیتیوس (Gregentius) کو ظفار کا اُسْقُف مامور کیا تھا۔ اس کی تالیف ''قوانین برائے حِمیَر'' *Leges Homeritarum* میں بھی مماثل بیان ملتا ہے۔ قسطنطینیہ کے مؤرّخ کی سنی سنائی باتوں پر ان مقامی روایات کو ترجیح دینا چاہیے۔ مسلمان مؤرّخ بھی بالکل یہی بیان کرتے ہیں، مگر ان کا بیان زیادہ مفصّل اور موجّہ ہے، یعنی ذونُواس نے نجران کے تقریباً بیس ہزار عیسائیوں کو زندہ جلایا تو یوستنیانوس (Justinian) اور نجاشی نے مل کر یمن پر حملہ کیا۔ ذونُواس نے مقابلے کی جگہ صلح جوئی کا دکھاوا کیا اور جب حبشی افسر موعودہ خراج وصول کرنے آئے تو انھیں بھی قتل کرا دیا اور غافل حبشی فوج پر بھی دھاوا بول کر خوب خونریزی کی۔ ذونُواس کے مذکورہ حِمیَری کتبوں ہی کے ساتھ یمن میں ایک یونانی کتبہ بھی ملا ہے (*Expédition en Arabie Centrale* : Lippens، ۱۹۵۶ء، ص ۱۰۰): ''خدایا میری مدد فرما!''۔ یہ غالباً اس فوج کے ایک مفرور بھٹکے ہوئے سپاہی نے لکھا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک نئی حبشی فوج انتقام لینے آئی (یونانی تاریخوں کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار، لیکن محتاط عرب مؤرّخوں کے قول کے مطابق ستّر ہزار)؛ اس میں اَریاط اور ابرہہ دو قائد تھے۔ ذونُواس نے خودکشی کر لی، پھر اریاط کو بے دخل کر کے ابرہہ تنہا حاکم بن گیا، حتّٰی کہ حبشہ کو خراج بھیجنا بھی بند کر دیا۔

ابرہہ کا دورِ حکومت پھولوں کی سیج نہ تھی۔ مقامی معزول سردار گلوخلاصی کے لیے کش مکش کرتے رہے۔ تعجب نہیں کہ اس میں اہل کِنْدہ پیش پیش رہے ہوں کیونکہ سابق میں شاعر امرؤالقیس کے باپ دادا کے زمانے میں کندیوں نے نہ صرف عرب کے بڑے حصّے پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ ایران اور خود بوزنطیوں سے بھی بہت سے علاقے چھین لیے تھے۔ ابرہہ کے دونوں دستیاب شدہ کتبوں میں بھی ان کا ذکر ہے۔ یہ اس قابل ہیں کہ انھیں کامل طور پر نقل کیا جائے۔ پہلا کتبہ گلاَزِر (Glaser) نے حِمیَری عبارت کو عبرانی حروف میں نقل کر کے جرمن ترجمے کے ساتھ (*Mitt. vorderasiat. Gesell.*، ۱۸۹۷ء، ص ۳۶۰ - ۴۸۸) شائع کیا۔ یہ کتبۂ گلاَزِر نمبر ۶۱۸ کہلاتا ہے، نیز مجموعۂ کتبات سامیہ *CIS*، نمبر ۵۴۱۔ ارض القرآن میں سید سلیمان ندوی نے اس کا اقتباس دیا ہے۔ احمد فخری نے (*An Archaeological Mission to Yemen*، قاہرہ ۱۹۵۲ء، تین جلد) مکرّر بر موقع مطالعہ کر کے متن کی تصحیح کی ہے۔ جواد علی نے

(مجلۃ المجمع العلمی العراقی، ۱۹۵۶ء، ۴/۱/۴: ۱۸۶-۲۱۹) اصل حمیری متن، عربی خط میں نقل کر کے عربی ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے اور ان کی یہ رائے قابلِ اعتنا ہے کہ پرانی یمنی زبان کو عبرانی اور آرامی کی مدد سے (جن کا ذخیرۂ لغت محدود ہے) حل کرنے کی کوشش کی جگہ عربی کی روشنی میں پڑھنا مفید تر ہے۔ دوسرا کتبہ رِکمانس (Ryckmans) نمبر ۵۰۶ کہلاتا ہے، جو پروفیسر گونزاگ رکمانس نے فرانسیسی ترجمے کے ساتھ (*Muséon*، ۱۹۵۳ء، ۶۶: ۲۶۷-۳۱۷) شائع کیا۔ (اس رسالے میں ژاک رکمانس نے (ص ۳۳۹-۳۴۲) اس پر بحث کی ہے اور بیسٹن (A. F. L. Beeston) نے (*BSO(A)S*، لنڈن، ج ۱۶، حصہ ۲: ص ۳۸۹-۳۹۲) کچھ بحث کر کے تصحیح شدہ انگریزی ترجمہ دیا ہے۔

گلازر نمبر ۶۱۸ میں ۱۳۶ سطریں ہیں۔ شروع میں صلیب کا نشان کندہ ہے۔ پھر یوں لکھا ہے: ''بحیل و [ر] دا و رحمت رحمنن و مسحه و رح [قد]س سطروذن مزندن ان [ابر]ه عتلی ملکن اجعزین رمحز زبیمن ملکن سباو ذریدن و حضرموت و یمنت و اعربهم وطودم وتهمت و سطرو ذن مزندن ....'' اس عبارت میں لفظ 'عتلی' کو گلازر نے، عزلی نقل کیا تھا، احمد فخری نے 'عتلی' لکھا ہوا پایا ہے۔ 'عزلی' غیر معروف لفظ ہے، سیاق کی بنا پر گلازر نے اٹکل سے نائب (وائسرائے) ترجمہ کیا تھا۔ اب جدید لفظ کے معنی بیسٹن نے ''بلند مرتبت'' تجویز کیے ہیں، مگر پھر بھی گتھی حل نہیں ہوتی۔ اس عبارت کو جدید عربی میں یوں لکھا جا سکتا ہے: ''بحول و رداء و رحمة الرحمان و مسیحه و روح القدس سطروا هذا المُسْنَد: انّ أبرهة عتلی (؟) ملک الجعز رمحز زیمان، ملک سبا و ذی ریدان و حضرموت و الیمنات و أعرابهم والطود والتهامة، و سطروا هذا المسند......''

دیگر حکمرانوں مثلاً سُمیفع کے یمنی کتبے میں ''خدا اور اس کے بیٹے مسیحِ فاتح اور نفسِ قُدس کے نام سے'' کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس سے گمان کرنا پڑتا ہے کہ ابرہہ موحّد تھا اور حضرت مسیح کے ابن اللہ ہونے کا قائل نہ تھا (مکتوب نبوی کی وصولی اور اسلامی نظریۂ حضرت مسیح کی توضیح پر نجاشی نے بھی (طبری، ۱: ۱۵۶۹-۱۵۷۰؛ حمید اللہ: الوثائق السیاسیة، عدد ۲۱، ۲۳) یہ کہا تھا کہ مسیح اس سے رتّی بھر بھی زیادہ نہیں؛ اور بخاری کے مطابق آنحضرتؐ نے نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھی تھی)۔ یمن کے دیگر کتبوں میں حکمران کے نام کے ساتھ لفظ بادشاہ نہیں ملتا، یہ صرف ابرہہ اور ذونُواس کے کتبوں میں ملتا ہے؛ شاید اس لیے کہ یہ دونوں نو دولت تھے، لہٰذا اس لقب پر اصرار کرتے تھے۔ یہ بھی محسوس ہوا ہوگا کہ اردو کی طرح حمیری میں بھی تعظیم کے لیے فعل اور ضمیر میں جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مسلمان مؤرّخ ابرہہ کو ابویکسوم کہتے ہیں [دیکھیے شرح دیوان لبید، کویت ۱۹۶۲ء، ص ۳۳۵، نیز دیکھیے ۱۰۸]۔ اس کتبے کی سطر ۸۲-۸۳ سے اس بات کی بھی توثیق ہوتی ہے کہ بادشاہ کا بیٹا اکسوم ذومعاہر سفر میں ساتھ تھا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابرہہ کے کتبے حبشی خط کے بجائے یمنی خط میں ہیں، حتّٰی کہ آخر میں سنہ بھی حکومتِ کِندہ کا دیا ہے، جو گمان کیا جاتا ہے کہ ۱۱۵ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اس تمہید کے بعد کتبے کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے؛ مزید تشریح قوسین میں دی گئی ہے:

رحمان (خدا) اور اس کے مسیح اور روح القدس کی قوّت اور پشت پناہی اور رحمت سے! لکھتے ہیں یہ کتبہ کہ بادشاہ گیعز (Ge'es) (حبشہ) رمحز زیمان کے عتلی (؟) اَبرْہہ، سبا اور ذوریدان اور حضرَموت اور یَمَنات اور ان کے اعراب (بدویوں) اور پہاڑی علاقے اور میدانی علاقے کے بادشاہ ہیں [ان مقامات کے لیے دیکھیے نقشہ در *BSO(A)S*، ج ۱۶، ۱۹۵۴ء، مقابل ص ۴۲۶] اور یہ کتبہ لکھتے ہیں کہ (علاقہ) کِدہ (کِندہ) اور دا کا خلیفہ (گورنر) یزید بن کبشہ سرکشی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ سبا کے اقوال (سردار) مُرّہ اور ثُمامہ اور حَنَش اور مَرثَد اور حنیف اور ذو خلیل نیز آل یزان، یعنی (غالباً سابق معزول بادشاہ سُمیفع کا بیٹا) معدی کرب بن سُمیفَع اور ہعان اور اس کے بھائی بنی اسلم بھی شریک ہیں۔ ان سے لڑنے کے لیے جرہ (غالباً جرّاح) ذوزنبور کو مشرقی سمت قائد بنا کر بھیجتے ہیں لیکن وہ (یزید) اسے ہرج (قتل) کر دیتا ہے اور مصنعہ (قلعہ) کدار پر قبضہ کر لیتا ہے اور اپنی اطاعت کرنے والے سارے اہل کندہ و حریب وحضرموت کو جمع کرتا ہے اور اذمر کے ہجان (سردار) مازن پر اچانک دھاوا بول کر عبرات [حضرموت کے شمال میں، دیکھیے وہی نقشہ] فرار ہو جانے پر مجبور کرتا ہے، اس (حادثے) کی صُراخ (چیخ) ان (یعنی ابرہہ) کو پہنچتی ہے تو وہ اٹھتے ہیں اور ماہ ذی قیاط ۶۵۷ (یمنی، مطابق ۵۴۲ء) میں ہزاروں حبشیوں اور حِمیَریوں کی فوجیں جمع فرماتے ہیں اور (علاقہ) سبا میں پہنچتے اور صرواح سے نبط جاتے ہوئے عبرات آتے ہیں۔ جب وہ نبط پہنچتے ہیں تو الو، لمد اور حمیر پر کدر میں غالب آتے ہیں اور ان پر اپنے دو خلیفہ (نائب) مامور فرماتے ہیں۔ (یعنی) ذوجدن کے طہ اور عودہ کو، اس پر یزید نبط میں ان کے پاس حاضر ہوتا ہے اور فوجی قائدوں کے روبرو دست اطاعت دراز کرتا ہے۔ اتنے میں سبا سے صراخ (چیخ) پہنچتی ہے کہ ماہ ذی المذرح سنہ ۷ (یعنی ۶۵۷ یمنی، مطابق ۵۴۲ء) میں عَرِم (تالاب کا بند) ٹوٹ گیا اور ذوافان کی دیوار اور حوض اور ذخیرہ گاہ آب بھی؛ جب یہ عہد اطاعت حاصل ہو گیا تو وہ ردنان کو عفو کی خبر بھیجتے ہیں تاکہ دا کے ان اعراب (بدوی) سرداروں تک پہنچائیں جو یزید کے ہمراہ آئے تھے۔ ان سب نے بھی دستِ اطاعت دراز کیا اور مارب میں رہائن (یرغمال) بھیجے، لیکن جو سروات (قائد) کدار [نجران سے مشرق کی طرف؛ دیکھیے نقشۂ محولۂ بالا] کی طرف بھیجے گئے تھے، ان سے وہاں کے اقوال (سرداروں) نے مقابلہ کیا اور قلعہ بند ہو گئے اور یزید کی اطاعت کے باوجود مطیع نہ ہوئے۔ تب بادشاہ شعوب (قبائل) کو حکم دیتے ہیں کہ تعمیر کی مٹی، پائے کے پتھر، تعمیر کے سرخ پتھر، درخت خَنْج (Nipple-Wost plant) کے پتّے، سفید پتھر اور پگھلانے کا سیسہ فراہم کریں، تاکہ بند، دیوار اور مارب میں پیدا شدہ انہدام کی مرمّت کریں۔ یہ ماہ ذی صراب سنہ ۷ میں عمل میں

آیا۔ بدویوں کو یہ حکم دینے کے بعد وہ (یعنی بادشاہ) شہر مارب جاتے ہیں اور مارب کے بیعہ (گرجا) کی رسم تقدیس ادا فرماتے ہیں۔ وہاں ایک قسّیس (پادری) تھا، جو اس گرجا کی خدمت کرتا تھا۔ وہ وہاں سے عَرِم (تالاب کے بند) کو تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کھودتے ہوے اساس تک پہنچتے ہیں اور اس پر پایہ رکھتے ہیں تاکہ اس پر بند قائم ہو۔ اس سلسلے میں پایہ اٹھانے میں مشغول تھے کہ قبائلی بدویوں اور شہر (مآرب) کے باشندوں میں دل تنگی اور تنافر پیدا ہو گیا۔ جب یہ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ اس سے قبائل کو تکلیف ہو گی تو اپنے حبشیوں اور حمیریوں کو چلے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ قبائل کو رخصت کی اجازت مرحمت فرمانے کے بعد ان حاکم اقوال (سرداروں) کے پاس تشریف لاتے ہیں جو کدار میں قلعہ بند تھے۔ اور بادشاہ سروات (قائدوں) کے ساتھ آتے ہیں اور باغیوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اور باغی دستِ اطاعت دراز کرتے ہیں۔ وہاں سے بادشاہ عَرِم والے مآرب کو واپس آتے ہیں۔ ان کی خدمت واطاعت میں یہ حاکم اقوال تھے: بادشاہ کے فرزنداً [ک] سوم ذو معاہر، مرجزف ذو ذرناح، عادل ذو فائش، ذو شولمان، ذو شعبان، ذو رعین، ذو ہمدان، ذو الکلاع، ذو مھدم، ذو ثات، علس ذو یزأن، ذو ذبیان، کبیر حضرموت، ذو فرنت۔ اور ان کے پاس نجاشی کے محشکت (سفیر) آئے اور آئے بادشاہ روم کے محشکت، بادشاہ فارس کے تنبلت (ایلچی)، المنذر کے رسول، حارث بن جبلہ کے رسول اور ابو کرب بن جبلہ کے رسول، نیز ان سب کے جو ہماری دوستی چاہتے ہیں، بحمدِ رحمان؛ اور (بادشاہ) قبائل پر عائد کیے ہوے وقت کو ایک اَور وقت پر ڈال دیتے ہیں اور جب یہ وقت آیا تو (قبائل) ان کے پاس ذو دوآن الآخر کے دوران میں آجاتے ہیں اور قبائل ان کی خدمت میں وہ بُر (گیہوں) پیش کرتے ہیں جن کی پیشکش ان پر واجب تھی اور دیوار کے رخنے کی مرمّت کرتے ہیں۔ اسے یعفور نے...... [عبارت ضائع] ......سبا میں انجام دیا۔ اور وہ اقوال بھی جو بادشاہ کے ساتھ تھے اور ان کی نصرت (مدد) کر رہے تھے اور اساس سے چوٹی تک دیوار کی اصلاح فرماتے ہیں۔ قبائل کی مدد سے جو اصلاح و ترمیم اور دیوار کی تجدید عمل میں آئی وہ طول میں ۴۵ امم [امم = تقریباً ڈیڑھ گز]، ریم (بلندی) میں ۳۵ امم اور رحبہ (عرض) میں ۱۴ امم تھی اور وہ عَرِم (بند تالاب) کی تعمیر کرتے ہیں۔ یہ سب سرخ پتھروں میں تھا اور بند کی تعمیر کو مثلِ سابق کر دیتے ہیں، اس کی نہر کی گزرگاہ کو مکمّل کرتے ہیں اور حشم میں پانی کی جدولیں بناتے ہیں، علاوہ پانی کے مخرج کے جو مغول میں تھا۔ اور غزو (جنگ) شروع کرنے سے لے کر بیعہ (گرجا) کی تقدیس اور عَرِم اور دیوار کی تعمیر تک جو کچھ ان کاموں پر صَرف اور خرچ فرما چکے تھے وہ پچاس ہزار آٹھ سو چھے (تھیلے) دقیق (آٹا) اور چھبیس ہزار (تھیلے) تمر (کھجور) یدع اِیل کی پیشکش سے، اسی طرح تین ہزار مذبوح جانور اور بقر (گائے) کا طبیخ (پکوان) ہوا۔ اور دو لاکھ سات اِیل (اونٹ) اور تین ہزار اونٹوں پر لدی ہوئی شراب غربیب اور فصی (کشمش) اور نبیذ خرما کے گیارہ ہزار ال [......] کلب (پیپے؟) اور تعمیر کی تکمیل

اٹھاون دن............ میں ماہ ذی معان ۶۵۸ (یمنی، مطابق ۵۴۳ء) مکمل فرماتے ہیں [ترجمہ ختم ہوا]۔

دوسرا کتبہ، جو مُرَیْغان میں ملا، صرف دس سطری ہے اور خاصا اہم؛ شروع میں ایک چھوٹی سی صلیب کا نشان بھی ہے:

(۱) + بحول رحمان و مسیح آن، مَلِک (بادشاہ) ابرہہ زَیبمان (کتبۂ سابق میں زیبمان تھا!)، سبا، ذو رَیدان اور حضرموت۔

(۲) اور یمن اور وہاں کے اعراب اور طَود (پہاڑی علاقے) اور تہامہ کے بادشاہ یہ سطریں تسطیر کرتے ہیں جبکہ وہ غزوہ کرتے ہیں جبکہ۔

(۳) معدّ نے غزوہ کیا ربیع (موسم بہار میں) ماہ ذی ثبتان میں، جبکہ کل بنی عامر (ابن صعصعہ) نے سرکشی کی تھی۔

(۴) اور اب بادشاہ ابگبر کو کدّہ (کِندہ) اور عال کا سرلشکر بنا کر اور بشر بن حصن کو۔

(۵) سعد (بن بکر) کا سرلشکر بنا کر بھیجتے ہیں اور یہ دونوں سرلشکر لڑتے ہیں تو بنی عامر؟ سے کندہ اور عال کا اور ز [......] رن [......] مراد کا سعد سے مقابلہ ہوتا ہے، ایک وادی میں۔

(۶) جو منہج (راستۂ) تربان پر ہے، وہ ہرج (قتل) اور اُسر (قید) کرتے ہیں اور کافی مالِ غنیمت حاصل کرتے ہیں اور بادشاہ حلبان میں جنگ کرتے ہیں اور قریب پہنچ جاتے ہیں، [تربان بظاہر تُربہ مراد ہے اس کے اور حلبان کے لیے دیکھیے نقشۂ محولۂ بالا]۔

(۷) سائے کی طرح معدّ پر (یعنی چھا جاتے ہیں) اور وہ رہائن (یرغمال) دیتے ہیں، اس کے بعد عمرو بن منذر ان سے وشع (مصالحت؟) کرتے ہیں۔

(۸) اور انھیں رہائن دیتے ہیں۔ اور اپنے (کون شخص؟) بیٹے کو معد پر خلیفہ بناتے ہیں۔ اور حلبان سے واپس ہو جاتے ہیں۔

(۹) بحول رحمان، بتاریخ دو اور ساٹھ۔

(۱۰) اور چھے سو (سنہ ۶۶۲ یمنی مطابق ۵۴۷ء)۔

دیوان قیس بن الخطیم [طبع کوالسکی (Kowalski)، لائپزگ ۱۹۱۴ء] (قصیدہ ۱۴، بیت ۱۴-۱۵) میں انھیں عمرو بن المنذر اور بنی سعد بن بکر کا ذکر معلوم ہوتا ہے:

أَبَحْنَا المُسْبِعِيْنَ كَمَا أَبَاحَتْ
يَمانُونا بَنِي سَعْد بن بَكْرِ
فَإنْ نَلْحَقْ بِأَبْرَهَةَ اليَماني
ونُعْمان يُوجِّهُنَا وَ عَمْرِو

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ سابقہ کتبے میں کندہ باغی تھے تو اب حلیف و مددگار رہیں۔ اس طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ ژاک رِکمانس (*Muséon*، ۶۶: ۳۳۹ بعد) لکھتا ہے: "مُرَیْغان کے کنویں کا یہ کتبہ وادی تثلیث کی گزرگاہ

کے وسط میں مشرق کی طرف، بِیشہ سے ۷۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں اور حمٰی کے شمال مغرب میں ۱۳۰ کیلو میٹر پر ہے...... وہ شاہراہیں جو جنوب (یمن) سے مکّے جاتی ہیں — مثلاً دَرْب الفیل [بِیشہ، حمٰی اور درب الفیل کے لیے دیکھیے وہی نقشہ] ...... نیز یمنی وحضرمی حُجّاج کی گزرگاہیں — مُرَیْغان سے دُور، اس کے مغرب میں گزرتی ہیں اور یہ حمٰی اور الأفلاج سے ہوکر یمامہ (نجد) جانے والی شاہراہ سے بھی ہٹا ہوا ہے۔ (ابرہہ کی) اس مہم کی منزلِ مقصود کا پتہ شاید یوں چلایا جا سکتا ہے کہ وہ ظَفار سے مُرَیْغان آنے والے سیدھے راستے پر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ الحِیرہ اور المدائن کا راستہ ہے۔ اسی خط پر مُرَیْغان سے ۴۲۰ کیلو میٹر پر شمال میں حَلبان کی چھوٹی سی بستی موجود ہے۔ وہاں کی وادی اور پہاڑ کی چوٹیوں کا بھی یہی نام ہے''۔ رِکْمانس کا یہ گمان صحیح ہوگا کہ اس مہمّ کو کعبے کی مہمّ سے کوئی تعلق نہیں مگر اُس کا اس مہم سے یہ استنباط دور از کار بلکہ بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کہ کعبے کی مہمّ فرضی ہے۔ مُرَیْغان کی مہمّ ۵۴۷ء کی ہے اور کعبے کی مہمّ ۵۷۰ء کی۔ عمرو بن المنذر مَضَرِّط الحِجارہ کی تخت نشینی رِکْمانس نے ۵۵۴ء بتائی ہے لیکن کتاب المحبّر (ص ۳۵۹) کے مطابق وہ ۵۶۱ - ۵۷۷ء حکمران رہا۔ غالبًا ابرہہ سے جنگ اس کے باپ المُنذِر بن امرؤالقیس (حکومت ۵۱۲ - ۵۶۱ء) نے کی اور شہزادہ عمرو بن المنذر محض سرلشکر تھا اور اسی سے مصالحت ہوئی۔ رِکْمانس (ص ۳۴۲) یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اس اثنا میں رومی - ایرانی صلح ہوگئی اور اسی لیے ابرہہ راستے سے واپس ہوگیا۔

پروکوپی اس (Procopius) کی تاریخ (ج ۱، ب ۲۰ کا آخری پیرا) بھی قابلِ ذکر ہے: ''جب ابرہہ نے اپنا اقتدار مضبوط کرلیا تو قیصر یوستینانوس (حکومت ۵۲۷ - ۵۶۵ء) کے زور دینے پر کئی بار یہ قبول کیا کہ سرزمینِ ایران پر چڑھائی کرے، لیکن گیا وہ اس طرف صرف ایک بار اور تب بھی فورًا ہی واپس ہوگیا۔ رومیوں کے جو تعلقات حبشیوں اور حِمیَریوں سے شروع ہوئے تھے وہ اس طرح ختم ہوگئے''۔ یاد رہے کہ رومیوں کی بڑی جنگ ۵۴۰ء میں شروع ہوئی تھی۔

کیا ۵۴۷ء والے کتبے کا ابرہہ ۵۷۰ء یعنی ولادتِ نبوی کے سال تک زندہ تھا؟ یہ فرض کریں کہ یمنی اور عیسوی سالوں میں واقعی ۱۱۵ سال کا تفاوت ہے اور یہ بھی فرض کریں کہ ذونُواس پر دوسرے حبشی حملے یعنی ۵۲۵ء کے وقت شریک سپہ سالار ابرہہ پچیس سال کا تھا تو ۵۷۰ء میں وہ ستر سالہ سردار ہوگا۔ یہ بذاتِ خود کوئی ناممکن چیز نہیں۔ آ آ (طبع اوّل، مادّۂ ''ابرہہ'') میں بُول (Buhl) نے نولدیکہ کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ اگر ابرہہ کی مہمّ مکّہ ۵۷۰ء میں ہوئی تو ''اس بات کے لیے کافی وقت نہ رہے گا کہ ایرانی یمن کو ۵۷۰ء میں فتح کریں اور ابرہہ اور اس کے لڑکے مزید کچھ عرصہ حکمرانی کریں''۔ مگر اس دلیل میں کوئی وزن نہیں نظر آتا۔ ابرہہ کو ایک ہزیمت ہوئی اور اس کی فوج وبا کا شکار ہوگئی تو ایرانیوں کے لیے اس سے بہتر کیا موقع ہوگا کہ اپنے پرانے دشمن پر فورًا انتقامی حملہ کریں؟ خاص کر جب کہ ایک یمنی سردار سیف بن ذی یَزَن (یزأن) ان کے ہاں آیا ہوا ہو اور اپنا تعاون پیش کرتے ہوئے ان کی مدد کا طالب ہو! واپسی کے سفر کے بعد اگر ابرہہ بیمار اور چند مہینے زندہ رہتا ہے اور اس اثنا میں اس کے بیٹے ایالت (گورنری) کرتے ہیں اور باپ کے مرنے پر ہر بیٹا تقسیمِ وراثت کے طور پر اپنے صوبے میں خود مختار ہوجاتا ہے تو اس پر بھی کوئی حیرت نہ ہوگی۔ ہم جانتے ہیں (دیکھیے مادّۂ ''الابناء'') کہ وِہرِز کی سرکردگی میں جو مختصر فوج آئی وہ سیف بن ذی یزأن کو تخت دلا کر واپس ہوگئی۔ پھر جب سیف مقامی سازشوں میں مارا گیا تو سابقہ آسان فتح سے ہمت پا کر وِہرِز مکرّر آتا ہے اور حبشیوں کو کامل طور پر نکال باہر کرتا ہے۔ اس ایرانی فتح کا آغاز ۵۷۰ء میں ہو تو ضروری نہیں کہ اتمام ذرا بعد ہونے پر واقعہ غلط بیانی پر مشتمل ہوجائے۔

یمن میں دَرْب الفیل اور بئر الفیل اب تک موجود ہیں اور مکّے جانے کے راستے ہی پر ہیں۔ قیس بن الخَطِیم کی طرح عہدِ مُخَضْرَم (جاہلیّت واسلام) کا ایک اَور شاعر ابوقیس بن الاَسْلَت بھی ان واقعات کی تفصیل دیتا ہے (ابن ہشام، ص ۳۹، ۱۷۸)؛ ابن ہشام نے اس انتساب کی صحت پر ذرا بھی شُبہہ نہیں ظاہر کیا اور اسے ''غداۃ ابی یکسوم'' (ابویکسوم کے دن) سے تعبیر کیا ہے۔ اوپر ہم ابرہہ کی دین پروری کا ذکر دیکھ چکے ہیں کہ تالاب کی مرمّت کا کام شروع کرنے سے پہلے مزدوروں کے لیے ایک نئے گرجا کا افتتاح کرتا ہے۔ اصحاب الاُخدُود کی یادگار میں اس نے نَجران میں بھی ایک بڑا گرجا بنایا۔ پایۂ تخت صنعا کا گرجا (قُلَیس) یادگارِ عالم ہے (اور اس کے آثار اب تک موجود ہیں)۔ ابرہہ کی تبلیغِ مسیحیت پر قلامسہ کو، جنھیں حجِ مکّہ میں نسِیٔ (تقویم سازی) کا اہمّ عہدہ حاصل تھا، اگر غصّہ آیا ہو اور اپنے بدویانہ انداز میں وہاں جا کر قُلَیس میں رات کو گندگی کی ہو تو حیرت نہیں ہونی چاہیے اور اس توہینِ دین پر ابرہہ کو حبشیانہ انداز میں غصہ آتا ہے اور وہ بدویوں کے بُت خانے ہی کی بیخ کنی کا فیصلہ کرتا ہے تو اس پر بھی تعجّب کی وجہ نہیں۔ ابرہہ کی چڑھائی، راستے میں خَثعم وغیرہ قبائل کی مزاحمت، ابورِغال کا بت خانۂ طائف کی حفاظت کے معاوضے میں مکّے تک رہبری کرنا، وہاں کے باشندوں کا فرار، عبدالمطّلب کا ابرہہ کے فیلبان سے متعارف ہونا (جو غالبًا تجارتی سفرہائے یمن کا نتیجہ تھا) اور اس توسّط سے ابرہہ سے ایک ملاقات بھی کرسکنا وغیرہ بہ کثرت واقعات اتنے مختلف اسنادات و مآخذ سے مروی ہیں کہ ان سب کا جعلی قرار دینا مزید وزنی دلائل کا محتاج ہوگا۔ کسی عیسائی مؤلّف کے لیے عیسائی مذہب کے دفاع میں اختیار کی ہوئی مہمّ کا قہرِ خداوندی کا شکار ہونا ظاہر ہے کہ تعصب اور غصّہ پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور اس کی خواہش یہی ہوگی کہ واقعے کی تردید کرے؛ لیکن تاریخ محض خواہش پر مبنی نہیں ہوتی۔ ''طَیرًا ابابیل'' کا قرآن میں جو واقعہ بیان ہوا ہے، اس پر موجودہ عیسائیوں سے زیادہ مشرکین مکّہ کو تردید کا موقع تھا۔ آغازِ بعثت نبوی پر اس واقعے کے عینی شاہد مکّے میں خاصی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے قرآن پر استہزا کی داستانیں (۱۵ [الحجر]: ۹۵؛ البلاذری: انساب، ۱: ۱۲۵ - ۱۵۰؛ ابن حبیب: المُحبّر، ۱۵۸ - ۱۶۰) تفصیل سے ہم تک پہنچتی

ہیں اور یہ اعتراض طرح طرح کے ہیں، لیکن سورۃ الفیل پر لب کُشائی کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، حالانکہ اس میں مشرکین کو قہرِ خدا کی دھمکی ہی دی گئی ہے۔

مآخذ: (۱) سلیمان ندوی: ارض القرآن، ۱: ۳۱۶ بعد، طبع اوّل؛ (۲) محمد حمیداللہ: رسول اکرم کی سیاسی زندگی (باب: حبشہ اور عرب قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں)؛ (۳) جواد علی: کتابة أبرهة (در مجلة المجمع العلمي العراقي، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء، ۴: ۱۸۶-۲۱۹)؛ (۴) نبیہ مؤید العظم: رحلة إلى بلاد العرب السعيدة، قاہرہ ۱۹۳۵ء؛ (۵) الازرقی: أخبار مكة، ۸۸ (طبع یورپ)؛ (۶) ابن ہشام: سيرة رسول الله، ص ۲۸-۴۱، ۱۷۸ (طبع یورپ)؛ (۷) الطبری: تأريخ، ۱: ۹۳۰-۹۴۵ (طبع یورپ)؛ (۸) وہی مصنّف: تفسیر بر سورۃ البروج و سورۃ الفیل؛ (۹) ابن کثیر: تفسیر بر سورۃ البروج و سورۃ الفیل (۴: ۴۹۵ بعد، ۵۴۹ بعد)؛ (۱۰) یاقوت: معجم البلدان (مادّۂ مأرب)؛ (۱۱) ابو الفَرَج الاصبہانی: الاغانی (طبع اوّل)، ۱۶: ۷۲؛ (۱۲) الھَمدانی: الإکلیل، محلِّ مذکور؛ (۱۳) ہم عصر شعرا (قیس بن الخَطِیم: دیوان، طبع کوالسکی، قصیدہ ۱۴)؛ [شرح دیوان لبید، کویت ۱۹۶۲ء، ص ۳۳۵]؛ قیس بن الاسلت، در سیرۃ ابن ھشام، ص ۳۹، ۱۷۸؛ عبداللہ بن الزِّبَعْرٰی، در سیرۃ ابن ھشام، ص ۳۹)؛ (۱۴) Jaques Rykmans: *L'Institution monarchique en Arabie méridionale avant l'Islam*، ص ۲۳۹-۲۴۵، ۳۲۰-۳۲۵؛ (۱۵) جے. رِکمانس (J. Rykmans): تعلیقات در *Muséon*، ۱۹۵۳ء، ۶۶/ ۳۳۹-۳۴۲؛ (۱۶) جی. رِکمانس (Gonzague Rykmans): *Inscriptions sud-arabes*، در *Muséon*، ۶۶/ ۲۶۷-۳۱۷؛ (۱۷) گلازر (Glaser): *Zwei Inschriften*، در *Mitt.d. Vorderasiat. Gesell.*، ۱۸۹۷ء، ص ۳۶۰-۴۸۸؛ (۱۸) Th. Nöldeke: *Geschichte der Perser und Araber z. Zeit d. Sassaniden*، لائڈن ۱۸۷۹ء؛ (۱۹) A. F. L. Beeston: *Notes on Mureighan Inscription*، در *BSO(A)S*، ۱۶/ ۲: ۳۸۹-۳۹۲؛ (۲۰) Lippens: *Expédition en Arabie Centrale*، پیرس ۱۹۵۶ء؛ (۲۱) A. Jamme: *Classification descriptive générale des inscriptions sud-arabes*، تونس ۱۹۴۸ء؛ (۲۲) Ahmed Fakhry: *An Archaeological Journey to Yemen*، تین جلد، قاہرہ ۱۹۵۲ء؛ (۲۳) Conti-Rossini: *Storia d'Etiopia*، ۱۸۶-۱۹۵؛ (۲۴) Procopius: *De bello persico*، حصّۂ اوّل، باب ۲۰.

(محمد حمیداللہ)

---

* **اَبْشَر:** (اَبیشے Abeche) سلطنت وَدائی کا دارالحکومت، جو فرانسیسی استوائی افریقہ کے علاقۂ چاد (Tchad) میں، ۱۴° عرض بلد شمالی اور ۲۱° طول بلد مشرقی پر، پرانے دارالحکومت وَارَہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس شہر کی بنیاد ۱۸۵۰ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ ایک لاکھ پچیس ہزار باشندوں کے ایک علاقے اور ضلع کا صدر مقام ہے، جن میں سے ۱۱۹ یورپی ہیں۔ ابشر انگریزی۔مصری سودان اور چاد (Tchad) کے درمیان آمد و رفت کا اہم مرکز ہے۔ بہت سے 'جَلّابہ' سوداگر اُمّ دُرمان (Omdurman) سے آ کر یہاں سکونت پذیر ہو گئے ہیں۔ یہ شہر مویشیوں، گوشت اور قراقُلی بھیڑوں کی تجارت کا، جو ابوگُدَم (Abugudam) کی نواحی چراگاہ میں پالی جاتی ہیں، مرکز ہے۔ گوشت کو منجمد کرنے کے لیے تاسیسات کی تعمیر زیرِ تجویز ہے۔ ۱۹۵۱ء میں یہاں ایک فرانسیسی عربی مدرسہ کھولا گیا، جس کا استاد تمام ودائیوں کی طرح تیجانی سلسلے میں داخل ہے۔ یہ شہر ایک ایسے وسیع اور خشک میدان میں تعمیر ہوا ہے جس پر ایک دوسرے سے الگ پہاڑ سایہ فگن ہیں۔ یہ پانچ بڑے گاؤں اور ایک یورپی بستی پر مشتمل ہے۔

مآخذ: Lt. J. Ferrandi: *Abéché, capitale des Ouadaï (Publ. Comité de l'Afr. franç.)*، ۱۹۱۳ء؛ نیز دیکھیے مادّہ ودائی [در آ، لائڈن، طبع دوم].

(J. DRESCH)

---

* **اَبْشُقہ:** رکّ بہ علی شیر نوائی.

---

* **الاِبْشِیہی:** (الاِبْشَیْہی یا شاید الاَبْشِیْہی) بہاء الدّین ابو الفتح محمد بن احمد (شہاب الدین ابو العبّاس) بن منصور بن احمد بن عیسٰی المَحَلّی الشافعی، مصر کا عرب عالم، جو صوبۂ الغَربیّہ میں بمقام اَبْشُوَیہ Abshuyah (قبّ یاقوت: معجم، طبع وُسٹنفِلٹ، ۱: ۹۲؛ دساسی (de Sacy): *Relation de l'Egypte par Abd-Allatif*، ص ۶۳۱، عدد ۷؛ ابن دُقماق: الانتصار، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۵: ۸۲ تحت) ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء میں پیدا ہوا۔ یہاں دس برس کی عمر میں قرآن [مجید] حفظ کرنے کے بعد اس نے فقہ اور نحو کا درس بھی لیا اور ۸۱۴ھ/ ۱۴۱۲ء میں حج کیا۔ وہ اکثر قاہرہ آ کر جلال الدین البُلْقینی کا درس سنا کرتا تھا۔ اپنے والد کی جگہ وہ اپنے وطن میں 'خطیب' مقرر رہا۔ علاوہ ان مشاغل کے وہ تصنیف و تالیف میں منہمک رہا۔ اس کا میلان خاص طور پر علمِ ادب کی طرف تھا۔ السَخاوی کا بیان ہے کہ اُس کا نحو کا علم وسیع نہ تھا اور نہ ہی اس کا کلام اغلاط سے پاک تھا۔ وہ ادب کی ایک کتاب المُسْتَطْرَف فی کُلِّ فَنٍّ مُسْتَظْرَف [مخطوطوں اور طباعتوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے براکلمان: تکملہ، ۲: ۵۶] کا مصنّف ہے، جس کا فرانسیسی ترجمہ G. Rat نے کیا: *Al-Mostatraf, Receuil de morceaux choisis .... par le Śaïk Śihâb-ad-dîn Âhmad al-Âbśîhî,* etc. پیرس۔تولون ۱۸۹۹-۱۹۰۲ء۔ السَخاوی کے قول کے مطابق اس نے دو جلدوں میں ایک پند آموز کتاب ["فی الوعظ"] اَطْواق الازهار على صُدُور الانهار بھی لکھی تھی اور

ایک کتاب خط و کتابت سے متعلّق (''فِی صَنْعَۃ التَرَسُّل وَ الکِتَابَۃ'') لکھنا شروع کی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ تَذکِرۃ العارفین و تَبْصِرَۃ المُسْتَبْصِرِین کا مصنّف بھی وہی ہو (مخطوطۂ دمشق، حبیب الزَّیّات: خزائن الکتُبُ فی دِمَشْق وغیرہ، ص ۸۰، عدد ۲۴ [دیکھیے براکلمان: تکملہ، ۲:۵۶]۔

ابن فَہْد اور البِقاعی نے ۸۳۸ھ میں المَحلّہ میں الاِبْشِیْہی سے ملاقات کی۔ اس کی وفات حدود ۸۵۰ھ/۱۴۴۶ء میں ہوئی۔ فضلاے ذیل کی نسبت بھی الاِبْشِیْہی ہی ہے:

شِہاب الدّین احمد بن محمد بن علی بن احمد بن موسٰی، قاہرہ کے ایک شافعی مدرّس، متوفّی ۹۲[۸]ھ (السَّخاوِی: کتاب مذکور، مخطوطہ Warn، ۳۶۹ ب، ص ۵۱۸ بعد)؛ شِہاب الدّین احمد المُقْری (وہی کتاب، ص ۶۶۱) اور بہاء الدّین محمد بن شہاب الدّین احمد بن محمد...... المَعْرَاوِی القاہری المالکی المعروف بہ ابن الاِبْشِیْہی، پیدائش ۲۱ رمضان ۸۳۴ھ، وفات ۸۹۸ھ، قاہرہ میں (السَّخاوی: کتاب مذکور، مخطوطۂ Warn، ۳۶۹ الف، ص ۵۸۲)۔

مآخذ: (۱) السَّخاوِی: الضوء اللامع، مخطوطۂ Warn، ۳۶۹ الف، ص ۵۸۲ [مطبوعہ ۷:۱۰۹]؛ براکلمان (Brockelmann): *GAL*، ۲: ۵۶ [وتکملہ، ۲: ۵۵ بعد؛ (۳) گولٹ تسیہر (Goldziher)، در *ZDMG*، ۳۵:۵۲۸]۔

(اَرِنڈونک C. VAN ARENDONK)

----

* **اَبُعام:** (بُوعام) رکّ بہ تافیلالت.

----

* **اَبْقَیْق:** (صحیح شکل: ''بُقَیق'')، [سُعُودی] عرب کے صوبۂ الحَساء کا ایک گاؤں اور تیل کا معدن۔ یہ نام بُقَیق کے کم گہرے منابعِ آب (مادّہ ''ن-ب-ع'') سے لیا گیا ہے، جو موجودہ قصبے سے ۱۵ میل جانب شمال ریگستان میں واقع ہیں۔ بُقَیق اور البَقّہ (اسی قسم کے منابع آب جو یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر بجانب شمال موجود ہیں) بظاہر عربی مادّہ ''ب-ق-ق'' سے مشتق ہیں، جس کے معنی کھٹملوں کی نسبت پانی سے زیادہ متعلّق معلوم ہوتے ہیں۔ بدوی لوگ اس شہر کی جاے وقوع کو ''ابَاالقِعْدان'' کے نام سے جانتے ہیں، جس کے معنی ہیں ''جوان نر اونٹوں کا مقام''۔

بُقَیق (۴۹°، ۴۰ طول بلد مشرقی، ۲۵°، ۵۵ عرض بلد شمالی) البَیْضاء کے بھاری ریتیلے ٹیلوں سے گھرا ہوا ہے اور الظَّہران اور الہُفُوف کے درمیان تقریبًا نصف فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا محلِّ وقوع اس بڑی سڑک پر ہے جو عرب کے اندرونی اضلاع کو خلیج فارس کی بندرگاہوں الدمّام اور راس تنُّورہ سے ملاتی ہے اور سُعُودی عرب کی ریلوے لائن (الدمّام - الریاض) پر بھی پڑتا ہے۔ اَبْقَیْق میں تیل کی دریافت کیلیفورنیا سٹینڈرڈ آئل کمپنی نے (جس کا نام اب ''عرب امریکن آئل کمپنی'' ہے) ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں کی تھی؛ اُس سے پہلے اس جگہ کوئی بستی نہ تھی۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں اس قصبے کی آبادی تخمینًا پندرہ ہزار تھی جس میں ۱۳۱۰ امریکی تھے۔

ریت کے ان ٹیلوں کے بیابان میں تیل کی دریافت کا سہرا سب سے بڑھ کر امریکی ماہر طبقات الارض سٹائینیکے (Max Steineke) کے سر ہے۔ تیل کا یہ معدن بتیس میل لمبا اور اوسطًا پانچ میل چوڑا ہے اور کچھ عرصے تک دنیا میں مٹی کے تیل کا سب سے زیادہ حاصل خیز معدن یہی تھا۔

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں صرف اکسٹھ کنووں سے تیل کی روزانہ برآمد تقریبًا چھے لاکھ پیپے [گیلن] (نوے ہزار ٹن) تک پہنچ گئی تھی۔

(مَلِیگَن W. E. MULLIGAN)

----

* **اَبْکارِیُوس:** اِسْکَنْدر آغا ابن یعقوب، پیدائش کے اعتبار سے ارمنی تھا۔ اس نے اپنی زندگی بیروت میں گزاری اور عمر بھر بڑے شوق سے شعر عربی کے مطالعے میں منہمک رہا۔ اس کی تصنیف نِہایَۃ الاَرَب فی اَخْبارِ الْعَرَب (مارسیلز ۱۸۵۲ء، جو بعد از نظر ثانی بعنوان تَزْیِین نِہایَۃ الاَرَب ۱۸۵۸ء میں بیروت میں طبع ہوئی [مطبع الوطنیہ ۱۸۶۷ء]) پیشتر ازیں یورپ میں بھی بہت متداول تھی لیکن اب اسے متروک سمجھنا چاہیے، کیونکہ اس کی اسناد یعنی کتاب الاغانی نیز عبدالقادر البغدادی: خِزَانَۃ الاَدَب تک اب ہماری رسائی ہو چکی ہے۔ اس کی انگریزی - عربی لغت کی طباعت سوم ۱۸۹۲ء جیسے قریبی زمانے میں بیروت سے ہوئی۔ [سرکیس نے اس کی تالیفات میں کسی لغت کا ذکر نہیں کیا البتہ ایک ایسی لغت کی تالیف اس کے بھائی ابکاریوس یوحنا (م ۱۸۸۹ء) کی طرف منسوب کی ہے جس کی طبع سوم بیروت سے ۱۹۰۳-۱۹۰۷ء میں ہوئی]۔ لبنان کی ایک تاریخ مخطوطے کی صورت میں کتاب خانۂ قاہرہ میں موجود ہے (فِہرِست... الکُتُب خَانۃ الخِدیْوِیۃ، ۵:۱۷۱)۔ [اس کی بعض اور مطبوعہ کتب بھی ہیں جس کے لیے دیکھیے سرکیس، عمود ۲۴]۔ ابکاریوس نے ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔

(براکلمان BROCKELMANN)

----

* **اَبُکْلی:** Abuklea، رکّ بہ ابوطُلَیْح.

----

* **الاَبْلَق:** السَّموءل بن عادیا [رکّ بآن] کا ایک قلعہ.

----

* **الاُبُلّہ:** (al-Obolla)، ازمنۂ وسطٰی میں ایک بڑا شہر تھا، جو دریاے دِجلہ کے دالیَہ (ڈیلٹا) کے نہری خطّے میں بصرے کے مشرقی جانب واقع تھا۔ اس کا محلِّ وقوع دجلے کے دائیں کنارے پر اس بڑی نہر کے شمال میں تھا جو نہر الاُبُلّہ کہلاتی تھی۔ یہ نہر ایک اہمّ آبی شاہراہ تھی، جو بصرے سے جنوب مشرقی سمت میں جا کر دریاے دجلہ میں ملتی تھی اور پھر اور آگے بڑھ کر عبّادان اور سمندر تک

پہنچتی تھی۔ اس نہر کی لمبائی عموماً چار فرسخ یا دو بُرید (المَقدِسی) بتائی جاتی ہے۔ الاُبُلّہ کو وہی Απολόγου Εμπόριον سمجھا جاسکتا ہے جس کے بارے میں *Periplus Maris Erythraei Minores*) *Geogr. Graeci*، ۱: ۲۸۵) میں لکھا ہے کہ یہ مقام ساحل کے قریب واقع تھا۔ المسعودی (مُرُوج، ۳: [۱۶۴]، نے ایک حکایت بیان کی ہے جس میں بصرے کی تعمیر سے پہلے زمانے کی کچھ یاد ابھی باقی معلوم ہوتی ہے، جب اُبُلّہ دجلہ کی کھاڑی کی واحد بندرگاہ تھا۔ قدیم عرب مصنّفین جب بابلی اور ساسانی زمانوں کی ملکی تقسیم کا ذکر کرتے ہیں اور ساسانیوں کے آباد کردہ شہروں کے نام لیتے ہیں تو وہ الاُبُلّہ کو بعض دوسرے مقامات، مثلاً دَستُ مَیسَان (ابن خُرّداذبہ، در *BGA*، ۶: ۷) یا بَہمَن اَرْدَشیر (طبری، ۱: ۶۸۷)، کے ساتھ ایک سمجھتے ہیں؛ دراصل ان صوبوں کو دجلہ کے دوسرے کنارے پر تلاش کرنا چاہیے۔ اسی طرح اُوتیخیوس (Eutychius) [سعید بن بطریق، م ۳۲۸ھ/ ۹۳۹-۹۴۰ء] (در Migne: *Patrologia Graeca*، ۳: ۹۱۱) بھی الاُبُلّہ کو اَرْدشیر اوّل کی تعمیر بتاتا ہے (اس مسئلے پر قبّ H. H. Schaeder، در *Isl.*، ۱۴: ۲۷ بعد)۔ ابن خُرّداذبہ، ص ۷ [رسول اللہؐ] کے کسی ہم عصر شاعر کی ایک عربی نظم نقل کرتا ہے، جس میں الاُبُلّہ کا ذکر آیا ہے۔ فتوحات [اسلامی] کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس شہر کو ۱۲ھ/ ۶۳۳ء میں عُتبہ بن غَزْوان نے فتح کیا اور اس فاتح نے خلیفہ [حضرت] عمرؓ کے سامنے اسے ''بحرین، عُمان، ہند اور الصّین [چین] کی بندرگاہ [فُرضہ]'' بتایا تھا (البلاذری، ص ۳۴۱)۔ الاُبُلّہ کی فتح سے عرب اس قابل ہوگئے کہ وہ دریاے دجلہ کے دوسرے کنارے (دَستُ مَیسَان) نیز اس علاقے پر جو علاقۂ فرات کہلاتا تھا قبضہ کرلیں۔ بصرے کے عروج کے بعد الاُبُلّہ بلحاظِ اہمیّت دوسرے درجے پر آگیا لیکن عبّاسیوں کے پورے دورانِ خلافت میں اس کی حیثیت ایک بڑے شہر کی سی رہی۔ اب یہ پہلے کی بہ نسبت سمندر سے زیادہ دُور ہوگیا تھا مگر اس کے باوجود الاُبُلّہ سے اوپر تک مدّوجزر کے اثرات دیکھنے میں آتے تھے۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی کے تمام بڑے بڑے جغرافیہ نویس اس مقام کا تھوڑا بہت تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کے مضافات کا ذکر بڑے تعریفی انداز میں کیا جاتا ہے (قبّ یاقوت، ۱: ۹۷)۔ نہر الاُبُلّہ کے دونوں کناروں پر مسلسل باغات تھے (ابنِ حوقل، در *BGA*، ۲: ۱۶۰)۔ دریاے دجلہ کا وہ حصّہ جو الاُبُلّہ کے بالمقابل تھا جہازرانی کے لیے اہم تھا؛ عبّاسیوں کے ابتدائی عہد میں یہاں ایک خطرناک گرداب تھا، جسے پانی میں بہت سے پتھر ڈال کر دور کردیا گیا۔ یہ کام ایک عبّاسی شہزادی کے خرچ پر انجام پایا۔ یہاں ایک روشنی کا منار بھی تعمیر کیا گیا تھا، جس کا بیان الاِدْرِیسی (طبع یوبیر Jaubert، ۱: ۳۶۴) میں موجود ہے۔ اس عہد میں الاُبُلّہ مَقدِسی (در *BGA*، ۳: ۱۱۸) کے قول کے مطابق بصرے سے بھی بڑا تھا؛ [اصل میں ہے: ''ارفق من البصرۃ و ارحب''۔ بصرے سے موافق تر اور وسیع تر] اور باریک سوتی کپڑوں اور بقول الیَعْقُوبی (در *BGA*، ۷: ۳۶۰) جہاز سازی [المراکب الخَیطِیّہ] کے لیے بھی مشہور تھا [جن میں چین تک سفر کیا جاتا تھا]۔ ناصر خسرو بھی، جو اس جگہ [وسط شوّال ۴۴۳ھ/ (۲۰ فروری ۱۰۵۲ء کے قریب] آیا، اسی طرح یہاں کے خوب صورت مضافات کی روشن اور واضح تصویر کھینچتا ہے۔ [''تا چہار فرسنگ کہ می آمدیم از ہر دو طرف نہر، باغ و بستان و کوشک و منظر بود کہ ہیچ بریدہ نشد'' وغیرہ] (سفرنامہ، مطبوعۂ برلن ۱۳۴۱ھ، ص ۱۳۳)۔ اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے کہ الاُبُلّہ فوجی لحاظ سے چنداں اہم نہ تھا؛ وقتاً فوقتاً اس پر قبضہ کیا گیا، مثلاً ۳۳۱ھ/ ۹۴۳ء میں [یوسف بن وجیہ] صاحب عُمان نے بصرے کے [بنو البریدی یعنی ابوجعفر ابن شیرزاد وغیرہ] کے خلاف اپنی فوجی مہم کے دوران میں اس پر قبضہ کرلیا تھا (دیکھیے مسکَوَیہ، طبع Amedroz، ۲: ۴۶ بعد)، لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوا یہ مقام بصرے کا کوئی اہم حفاظتی مورچہ نہ تھا۔ تیرھویں صدی کے بعد ان علاقوں کے عام انحطاط کی وجہ سے بظاہر یہ مقام بتدریج معدوم ہوگیا۔ ابن بَطُّوطَہ (۲: ۱۷ بعد) اسے محض ایک گاؤں (''قریہ'') کہتا ہے اور نُزْھۃ القلوب کا مؤلف صرف نہر اُبُلّہ سے واقف ہے، اُبُلّہ شہر کا تذکرہ نہیں کرتا۔ اس زمانے کے قریب (شہر) ضرور ناپید ہوچکا ہوگا۔ بعد کے زمانے کی تصانیف میں (حاجی خلیفہ: جہان نما، ص ۴۵۳، کی سی متاخر کتاب میں بھی) اس کا ذکر تو آتا ہے، لیکن ان میں محض پرانی جغرافیائی روایات دہرادی گئی ہیں۔

مآخذ: (۱) Ritter: *Erdkunde*، ۱۰: ۵۲، ۱۷۷، ۱۸۰؛ ۱۱: ۱۰۲۵؛ (۲) لی سٹرینج (G. Le Strange): *The Lands of the Eastern Caliphate*، ۴۴ بعد۔

(J. H. KRAMERS کرامرز)

اِبلیس: (''علیہ اللّعنۃ الی یوم الدّین'')، ابومُرّہ ملقب بہ عدوّ اللہ۔ ⊗ بظاہر قرآن مجید سے پہلے دنیا کے کسی ادب میں لفظ ''ابلیس'' نہیں ملتا۔ اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں علماے لغت میں اختلاف ہے کہ یہ عربی ہے یا عجمی۔ ابوعُبیدہ، الزجّاج، ابن الانباریؒ، سِیبَوَیہ، الزَّمَخْشری اور ائمۂ لغت و نحو کے ایک گروہِ کثیر نے اس لفظ کو اعجمی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ''اِبلاس'' (یعنی مادّہ ب ل س) سے مشتق نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ ''ابلیس'' غیر منصرف ہے اور کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کے لیے اس میں موانع الصرف میں سے کم از کم دو کا یا ایک ایسے مانع کا، جو دو کا قائم مقام ہو، پایا جانا از بس لازم ہے؛ مگر ''ابلیس'' کے لفظ میں بجز عَلَمیّت کے مَنعِ الصّرف کا کوئی سبب نہیں پایا جاتا ورنہ دیگر الفاظ بوزنِ اِفْعیل (مثلاً اِجفیل، اِخریط، اِحلیل، اِکلیل) کی طرح لفظ ''ابلیس'' بھی منصرف ہوتا۔

ابن جریر الطّبری نے عبداللہ بن عبّاسؓ کا ایک قول روایت کیا ہے جس میں لفظ ''اَبْلَس''، فعل متعدّی کی صورت میں آیا ہے: ''إبلیسُ أبْلَسَہُ اللّٰہُ مِنَ الخَیرِ کُلِّہٖ (یعنی ابلیس وہ ہستی ہے جسے اللہ تعالٰی نے ہر قسم کی فلاح سے مایوس و

محروم کر دیا)۔ الطبری نے آگے چل کر السُدّی کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں ''اَبلَس''، فعلِ لازم کی صورت میں وارد ہوا ہے: كَانَ اسْمُ إبْلِيْسَ الحارث، وإنّما سُمّي إبليس حين أَبْلَسَ مُتحيّرًا (یعنی ابلیس کا نام الحارث تھا مگر اُسے ابلیس اس لیے کہا گیا کہ وہ (اللہ کی رحمت سے) مایوس ہوگیا اور حیران و ششدر رہ گیا)۔ قریب قریب اسی معنی میں قرآن مجید میں بھی ''اَبْلَسَ'' يُبْلِسُ'' کا لفظ آیا ہے: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ (۳۰[الرّوم]: ۱۲)، یعنی جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار آس توڑ کر رہ جائیں گے۔

دِربلُو (D'Herbelot) اور دیگر مستشرقین یورپ نے لفظ ''ابلیس'' کو یونانی لفظ διαβολος، (= ذیابولوس) سے مُعرّب سمجھا ہے، مگر ان دونوں لفظوں میں مُقارنت و مُماثلت اور توجیہِ اشتقاق تلاش کرنا دور از کار ہے۔ یہ یاد رہے کہ بائبل (یعنی سفرِ تکوین) میں جہاں تخلیق آدمؑ و حوّاؑ کا قصہ مذکور ہوا ہے اس میں آدمؑ (یا حوّا) کو شجرۂ ممنوعہ کی طرف ورغلانے والی ہستی ''ابلیس'' یا ''ذیابولوس'' یا ''عزازیل'' یا ''شیطان'' کے نام سے یاد نہیں کی گئی بلکہ اسے ''حَیّۃ (: سانپ، Serpent)'' کہا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام Gâdreel بتایا گیا ہے جو بالکل مختلف لفظ ہے۔

عربی، فارسی، ترکی اور اردو ادب میں ''ابلیس'' کو ''شیطان'' [رکّ بآن] کا مترادف شمار کیا گیا ہے۔ فارسی ادب میں ''عزازیل'' کا لفظ بھی بکثرت آیا ہے اور ابلیس کو زُمرۂ ملائکہ میں شامل سمجھا گیا ہے بلکہ اسے ''مُعلّمِ ملائکہ'' بھی کہا گیا ہے (اور عامی زبان میں ابلیس کو ''معلّمِ اوّل'' بھی کہتے ہیں) اور سجدۂ آدمؑ سے انکار کو ''گستاخیِ فرشتہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے: حضرهم إبليسُ في صورة شيخٍ كبيرٍ من أهل نجدٍ (یعنی ان کے ہاں ابلیس ایک نجدی بوڑھے بزرگ کی شکل میں حاضر ہوا، طبقات، ۱/۱: ۱۵۳)۔ چنانچہ تلمیحًا فارسی ادب میں بھی ''شیخ نجدی'' بمعنی ابلیس (یا شیطان) استعمال ہوتا ہے۔ کتاب الأغانی میں بھی ''ابلیس'' کے بارے میں کچھ حکایات ملتی ہیں، مثلاً مشہور عرب شاعر عمر بن ابی ربیعہ ایک بار کوفے گیا تو وہاں عبداللہ بن ہلال ''صاحبُ ابلیس'' کے پاس ٹھیرا (الاغانی، ۱: ۶۷)۔ ابراہیم بن مَیمون المَوْصلی نے بھی ماخوری راگ (: ''الغناء الماخوري'') ایک جِنّ سے سیکھا جس نے اپنا نام ''ابلیس'' بتایا اور پھر غائب ہوگیا (الاغانی، ۵: ۳۶-۳۸)۔ فردوسی نے زردشتیوں کے اہرمن کو لفظ ''ابلیس'' سے عبارت کیا ہے:

شُنیدی ہمانا کہ کاؤس شاہ
بفرمانِ ابلیس گم کرد راہ

(شاہ نامہ، کلکتہ ۱۸۲۹ء، ۳: ۱۱۶۵، س ۲)

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ فارسی میں ضرورتِ شعری کے لیے لفظ ''ابلیس'' کا الف کبھی کبھی گرا دیا جاتا ہے، مثلاً

آن بلیس از خمر خوردن دُور بود
مست بود او از تکبُّر و جُحود

(مولانا رومی: مثنوی معنوی، طبع نکلسن، لنڈن ۱۹۲۹ء، دفتر ششم، ۳۶۱۴، ص ۴۹۲).

قرآن کریم میں لفظ ''ابلیس'' سجدۂ آدمؑ کے قصّے کے ساتھ نو بار وارد ہوا ہے: ۲۰[طٰہٰ]: ۱۱۶؛ ۱۵[الحجر]: ۳۱، ۳۲؛ ۳۸[ص]: ۷۴، ۷۵؛ ۱۷[بنی اسرآءیل]: ۶۱؛ ۱۸[الکہف]: ۵۰؛ ۷[الاعراف]: ۱۱؛ ۲[البقرۃ]: ۳۴۔ محوّلہ بالا آیات کے علاوہ ''ابلیس'' کا لفظ سورۃ الشعرآء اور سورۃ سبا میں بھی آیا ہے: وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ (۲۶[الشّعرآء]: ۹۵)، یعنی ابلیس کے تمام تابع (الجحیم میں پھینکے جائیں گے) اور وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ (۳۴[سبا]: ۲۰)، یعنی (اہل سبا کے سلسلے میں) ابلیس نے اپنا تخمینہ اور گمان سچ کر دکھایا۔

سورۃ طٰہٰ میں، جو اوائل دورِ مکّی سے متعلّق ہے، آدمؑ و ابلیس کا قصہ بیان ہوا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے بذیل مادّۂ آدمؑ)۔ آفرینش آدمؑ کے بعد اللہ تعالٰی نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں (یہاں سجدۂ عبادت مراد نہیں؛ السّجود=التواضع لِآدم تحيّةً و تعظيمًا له (كسُجود إخوة يوسُف له)... اعترافًا بفضله واداءً لحقه..... تذلّلًا لما رأَوا فيه من عظيم قدرته وباهر آياته وشكرًا لما أنعم عليهم بواسطته — البیضاوی، ۱: ۵۰-۵۱۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدۂ عبادت نہیں کیا کیونکہ سجدہ برائے غیر اللہ شرک و کفر ہے۔ آدم کا یہ سجدہ تین اقوال سے خالی نہیں۔ اوّل یہ سجدہ برائے اللہ تھا اور آدمؑ محض قبلہ تھے؛ چنانچہ مسلمان کعبے کی طرف منہ کر کے درحقیقت اللہ تعالٰی ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ سجود سے مراد انقیاد و خضوع و اطاعت ہے نہ کہ سجدۂ متعارف۔ سوم یہ کہ یہ سجدہ حقیقی تھا برائے تعظیم و تکریم آدمؑ اور دراصل اس سے عبادتِ الٰہی مقصود تھی کیونکہ فی الواقع یہ سجدہ اسی ذاتِ باری کے حکم سے واقع ہوا)۔ جملہ ملائکہ آدمؑ کے سامنے جھک گئے مگر ابلیس نے اطاعت سے سرتابی کی اور بسبیلِ تکبُّر و تعلّی اس نے مادّی و عنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کا دعوٰی کیا اور کہا کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں اور آدمؑ خاک سے۔ میں خاکی کے آگے کیونکر سجدہ ریز ہوسکتا ہوں (قبّ ابن القیّم: بدائع الفوائد، ۴: ۱۳۹-۱۴۱، جہاں پندرہ وجوہ سے مٹّی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا گیا ہے؛ نیز دیکھیے النّووی: تہذیب الأسماء، ص ۹۶-۹۷)۔ پھر اللہ تعالٰی نے ابلیس کو ابا و استکبار کی وجہ سے ''جنّت'' سے نکل جانے کا حکم دیا اور تب سے وہ علانیہ آدمؑ اور ان کی آل و اولاد کا دشمن بن گیا۔ ابلیس نے اللہ تعالٰی سے روزِ قیامت تک کی مہلت مانگی، جو اسے عطا کر دی گئی۔ ابلیس نے کہا: اے پروردگار! میں تیرے بندوں کو طرح طرح کے داؤ اور فریب سے گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالٰی و تبارک نے فرمایا: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵[الحجر]: ۴۲؛ ۱۷[بنی اسرآءیل]: ۶۵)، یعنی میرے مخلص بندوں پر تیرا زور نہیں چلنے کا۔

آدمؑ اور ان کی زوجہ (حوّاؑ) ''جنّت'' میں رہتے تھے، مگر انھیں شجرۂ منہیّہ کے قریب جانے سے روکا گیا تھا۔ ''الشیطان'' نے وسوسہ اندازی کر کے آدمؑ اور ان کی زوجہ دونوں کو ورغلایا۔ دونوں اس کے دام فریب میں آ گئے۔ جونہیں انھوں نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل چکھ لیا ان پر اپنی برہنگی کھل گئی اور وہ ''جنّت'' کے پتّوں سے اپنا بدن ڈھانپنے لگے۔ اس پر اللہ تعالٰی نے ان دونوں کو وقتِ معیّن کے لیے زمین پر اُتار دیا۔ ایک عرصے کے بعد آدمؑ کے خاکی عنصر نے مُنِیب اِلی اللہ ہو کر فروتنی اور استکانت کا اظہار کیا۔ پروردگار نے آدمؑ پر نوازش کی اور انھیں برگزیدہ کیا اور اپنی رحمت سے چند کلمات انھیں القا کیے اور ان کی توبہ قبول کی.

بعض تفاسیر اور قصص الانبیاء کی کتابوں میں قصّۂ آدمؑ و ابلیس کے بارے میں جو جزئیات بہم پہنچائی گئی ہیں ان کا بیشتر حصّہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ ایسی روایات کو علم الیقین کی سند حاصل نہیں.

بعض علما نے ابلیس کو ملائکہ میں شمار کیا ہے (النّووی، ۱۰۶)۔ ابن جریر الطبری نے عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ ابلیس ملائکہ کے ایک گروہ یا صنف میں سے تھا جنھیں ''الجنّ'' [رکّ بآن] کہتے ہیں اور وہ ''نار السّموم'' سے پیدا کیے گئے۔ ابلیس کا نام الحارث تھا اور ''جنّت'' کے خازِنوں میں سے تھا۔ ملائکہ کی تخلیق نُور سے ہوئی۔ الطّبری نے ایک اَور روایت میں کہا ہے کہ ابلیس معصیت سے پہلے ملائکہ میں سے تھا اور اس کا نام عَزازِیل تھا اور ساکنانِ ارض میں سے تھا (تفسیر، ۱: ۵۰۳)۔ فرقۂ امامیہ کے چند علما بھی ابلیس کو ملائکہ میں قرار دیتے ہیں.

ثعلب نے کہا ہے: اگر ابلیس کو ملائکہ میں شمار کیا جائے یا ملائکہ کی ایک صنف سمجھا جائے تو ''فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ'' میں حرف ''اِلَّا'' استثنائے متّصل کے لیے تصوّر ہوگا ورنہ یہ استثنائے منقطع کے لیے ہے (ص ۷۳).

متکلّمین اور مفسّرین کے نزدیک ابلیس ملائکہ سے نہ تھا بلکہ جِنّات میں سے تھا۔ ابلیس نے خود کہا: خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۷[الاعراف]: ۱۲؛ ۳۸[ص]: ۷۷)، یعنی تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹّی سے۔ نیز اللہ تعالٰی کا قول ہے: وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۵۵[الرّحمٰن]: ۱۵)، یعنی اللہ نے جِنّوں کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۱۵[الحجر]: ۲۷)، یعنی اس سے پہلے ہم نے جِنّوں کو آگ کی لَو سے پیدا کیا۔ شیعہ علما کی ایک بہت بڑی تعداد اس طرف گئی ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ملائکہ سے مخلوط تھا اور ظاہر میں انھیں کے ساتھ تھا۔ جب کبھی ملائکہ کو خطاب ہوتا تو وہ بھی متوجّہ ہو جاتا تھا۔ امام صادقؒ کا قول ہے کہ ملائکہ یہ گمان کرتے تھے کہ ابلیس ہم میں سے ہے، مگر اللہ تعالٰی جانتا تھا کہ ابلیس ان میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ جب ابلیس کو سجدۂ آدمؑ کا حکم ہوا تو اس سے وہی صادر ہوا جو صادر ہوا (حیات القلوب، ۶۹ - ۷۰).

ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم ملا۔ قرآن مجید میں صرف اسی حکم کا ذکر ملتا ہے جو ملائکہ کو دیا گیا؛ لیکن متعلّقہ آیاتِ قرآنیہ میں اس تاویل کی بھی گنجائش موجود ہے کہ ابلیس کو علیحدہ اور مستقل طور پر آدمؑ کے حضور میں سجدۂ اطاعت بجا لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ آیت: ''مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ' (۷[الاعراف]: ۱۱)، یعنی تجھے کس نے سجدہ کرنے سے روکا جب میں نے تجھے حکم دیا؟ میں اس کی صراحت موجود ہے اور ابلیس نے فرمانِ سجدہ کے ملنے کا اعتراف بھی کیا ہے: لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵[الحجر]: ۳۳) یعنی میں بشر کو سجدہ نہیں کرنے کا جسے تو نے سنکتے ہوئے گارے کی مٹّی سے پیدا کیا اور ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (۱۷[بنی اسرآءیل]: ۶۱)، یعنی کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا.

آدمؑ و ابلیس کے قصّے کو بعض علما نے محض تمثیل قرار دیا ہے۔ اس قصّے کی تمثیلی صورت کی مفصّل تقریر کے لیے دیکھیے محمد عبدہٗ، ۱: ۲۸۱ ببعد؛ چنانچہ شیطان کے وسوسے اور اس کے ورغلانے کا مطلب یہ ہوا کہ خبیث روح جو انسان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اسے بُرائی کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان بالطبع خیر کی طرف مائل ہے؛ بُرائی کی طرف جاتا ہے تو دوسروں کے بہکانے اور ورغلانے سے جاتا ہے.

آدمؑ اور ان کی ذرّیت پر ابلیس کو مسلّط نہیں کیا گیا۔ ابلیس کو مہلت دے کر اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کا سامان پیدا نہیں کیا۔ قرآن مجید میں ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵[الحجر]: ۴۲؛ ۱۷[بنی اسرآءیل]: ۶۵)، یعنی (اے ابلیس) میرے مخلص بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا؛ چنانچہ اللہ تعالٰی نے ابلیس اور اس کے اعوان ''شیاطین'' کو آدم اور ان کی ذُرّیت پر تسلّط اور غلبہ نہیں دیا.

''اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ'' میں ''قول'' سے مراد فرمانِ قولی نہیں بلکہ الہام من اللہ ہے، جیسے اللہ نے فرمایا: وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (۱۶[النحل: ۶۸)، یعنی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا (ابن قتیبہ: تأویل مشکل القرآن، ۷۸).

''جنّت'' سے نکالے جانے کے بعد ابلیس زمین کے کس حصّے میں پہنچا، اس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ خاموش ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ وہ بَیْسان میں پھینکا گیا۔ عرب مؤرّخوں نے ابلیس کی اولاد کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے نام بھی گنوائے ہیں: الثُبَر، زَلَفیون، دامس، (یا داسم)، الأعور اور مِسْوَط (المحبّر، ص ۳۹۵)، بَیْذَخ بنت (ابن) ابلیس (فہرست، ص ۳۱۱).

مآخذ: ان حوالہ جات کے علاوہ جن کا ذکر متن مادّہ میں کیا جا چکا ہے (۱) تفاسیر القرآن (متعلّقہ آیات)، مثلاً (ا) الطبری: تفسیر، القاہرۃ ۱۳۷۴ھ؛ (ب) الزمخشری: الکشّاف، بولاق ۱۳۱۸ھ، ۲: ۲۲۷؛ (ج) البیضاوی: أنوار التنزیل، طبع فلائشر (Fleischer)، لائپزگ ۱۸۴۶ء، ۱: ۵۰-۵۱، ۳۲۰؛ (د) الرازیؒ: مفاتیح الغیب، القاہرۃ ۱۳۰۸ھ، ۱: ۵۰ ببعد، ۲۶۱ ببعد؛ ۴: ۳۴۱ ببعد؛ (ھ) القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، القاہرۃ ۱۳۵۳ھ، ۱: ۲۹۵؛ (و) ابن کثیر: تفسیر، القاہرۃ

۱۹۳۷ء؛ (ز) ابوالکلام احمد: ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۳۶ء، ۲: ۳؛ (۲) الصّحاح السّتّة (بہ اِمدادِ اشاریہ)؛ (۳) ابن سعد: الطّبقات، طبع زخاؤ، ۱/۱: ۱۵۳؛ ۲/۱: ۲۹ و ۳۱؛ (۴) ابوعبیدہ: مجاز القرآن، طبع سزگین، القاہرۃ ۱۹۵۴ء، ۱: ۳۸؛ (۵) محمد بن حبیب: المحبّر، حیدرآباد ۱۹۴۲ء، ۳۹۳، ۳۹۵؛ (۶) ابن قتیبہ: تأویل مشکل القرآن، القاہرۃ ۱۹۵۴ء، ص ۸۷، ۱۸۹: ۲۴۰؛ (۷) وہی مصنّف: غریب القرآن، القاہرۃ (بذیل متعلّقہ آیات)؛ (۸) ثعلب: مجالس، القاہرۃ ۱۳۴۸ھ، ص ۴۷، ۱۷۵؛ (۹) الاشعری: الإبانة، القاہرۃ ۱۳۴۸ھ، ص ۲۶، ۳۹ ببعد، ۶۱؛ (۱۰) سیبویہ: الکتاب، پیرس ۱۸۸۱ء، ص ۱۹؛ (۱۱) ابن دُرید: جمہرۃ اللُّغة، حیدرآباد ۱۳۴۴-۱۳۴۵ھ، ۱: ۲۸۸؛ ۳: ۳۷۷؛ (۱۲) ابن فارس: معجم مقاییس اللُغة، القاہرۃ ۱۲۶۶ھ، ۱ : ۲۹۹ - ۳۰۰؛ (۱۳) عیسٰی بن ابراہیم الرَّبَعی : نظام الغریب، ۳۸؛ (۱۴) عبدالقاہر البغدادی : الفَرْقُ بین الفِرَق، القاہرۃ ۱۹۱۰ء، ص ۳۹؛ (۱۵) المسعودی: مُرُوج الذہب، (طبع پیرس)، ۱: ۵۰ - ۵۴، ۶۰، ۶۶، ۱۲۱؛ (۱۶) الاصفہانی: الفہرست، طبع فلوگل، ۳۱۱؛ (۱۷) الراغب: المفردات، القاہرۃ ۱۳۲۴ھ، ص ۵۹؛ (۱۸) الکسائی: قصص الانبیاء، لائڈن ۱۹۲۲-۱۹۲۳ء، ۱: ۲۳-۴۷؛ (۱۹) الثعلبی: قصص الانبیاء، القاہرۃ ۱۳۰۱ھ، ص ۱۹ ببعد، ۳۷؛ (۲۰) النّووی: تہذیب الأسماء، القاہرۃ، ۱: ۹۵-۹۷، ۱۰۶-۱۰۷؛ (۲۱) ابن الأثیر الجزری: نہایة، القاہرۃ ۱۳۲۲ھ، ۱: ۲۵-۲۶، ۱۱۱؛ (۲۲) الجوالیقی: المعرّب، طبع زخاؤ، لائپزگ ۱۸۶۷ء، ص ۸؛ (۲۳) الجوہری: الصّحاح، بولاق ۱۲۸۲ھ، ۱: ۴۴۳؛ (۲۴) دہ خدا: لغت نامہ، تہران ۱۳۲۵ھ خورشیدی، ۱: ۲۷۹-۲۸۰؛ (۲۵) محمد باقر مجلسی: حیات القلوب، لکھنؤ ۱۲۹۵ھ، ص ۴۱ ببعد: ۶۰ ببعد؛ (۲۶) حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن، ۱۳۶۰ھ، ۱: ۶، ۷، ۱۵، ۳۱-۳۳؛ (۲۷) دِرِبلْو (D'Herbelot): *Bibliotheque Orientale*، پیرس ۱۷۷۷ء، ۱: ۶۲۰ ببعد؛ (۲۸) Pihan: *Dictionaire Étymologique*، پیرس ۱۸۶۶ء، ۲۱۱؛ (۲۹) لین (Lane): *Lexicon*، ۱: ۲۴۸؛ (۳۰) *Jewish Encyclopedia*، لنڈن و نیویارک ۱۸۹۵ء، ۱۱: ۲۰ ببعد، ۶۸ ببعد؛ (۳۱) ہیسٹنگز: وغیرہ: *Dictionary of the Bible*، ایڈنبرا ۱۹۰۶ء، ۱: ۳۶؛ ۴: ۴۰۷ ببعد، ۴۶۰؛ (۳۲) ہیسٹنگز: *Encylopaedia of Religion and Ethics*، ۱۹۵۹ء، ۴: ۶۱۷، ۶۱۸ - ۶۱۹؛ (۳۳) Pinnock: *Analysis of Scripture History*، کیمبرج، ۱۰؛ (۳۴) [آ] طبع اوّل، مادّہ "IBLĪS" (نیز *Shorter Ency. of Islam*، لائڈن - لنڈن ۱۹۵۳ء، ۱۴۵-۱۴۶).

(احسان الٰہی رانا)

[عربی زبان میں، جیسا کہ امام راغب نے تصریح کی ہے، ۱ - ابلاس اس خوف وحزن کو کہتے ہیں جو شدّتِ یاس سے پیدا ہو (مفردات، ۱: ۱۲۸، مطبع خیریہ، مصر)؛ ۲ - پھر اَبْلَسَ کے معنے ہیں: قَلَّ خَیْرُہٗ، اس کی بھلائی جاتی رہی اور نیکی کا مادّہ کم ہوگیا۔ اَلْبَلَس اس وجود کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی بھلائی سے معرّا ہو (مَن لَا خَیْرَ عِنْدَہٗ)؛ ۳ - نیز بَلَس اسے بھی کہتے ہیں جس میں شر پایا جائے؛ ۴ - جب اَبْلَسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰہ کہیں تو اس کے معنٰے ہیں وہ اللہ تعالٰی کی رحمت سے مایوس ہوگیا۔ اس مفہوم میں یہ لفظ لازم معنی کے علاوہ متعدّی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں اَبْلَسَہٗ غَیْرُہٗ، اسے کسی نے ناامید اور مایوس کر دیا؛ ۵ - اَبْلَسَ فِی اَمْرِہٖ کے معنٰے ہیں دَہِشَ وَ تَحَیَّرَ، وہ حیران و ششدر رہ گیا اور اپنے معاملے میں حیرت زدہ ہوگیا؛ ۶ - اَبْلَسَ فُلَانٌ کے معنی ہیں غم واندوہ کی وجہ سے خاموش اور مہر بلب ہوگیا (سَکَتَ غَمًّا)؛ ۷ - ابلس کے معنٰے بے خبر ہونے کے بھی ہیں (تاج العروس، ۴: ۱۱۱)۔ اس لغوی تشریح کی رُو سے ابلیس کے معنٰے ہوں گے: ایسا وجود جو اللہ تعالٰی کی رحمت سے مایوس ہوگیا ہو، جس سے نہ صرف بھلائی اور خیر کی امید نہ ہو بلکہ جو اپنے ساتھ شر رکھے، جو اپنے معاملے میں حیران رہ گیا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیے، جو غم واندوہ کا مارا ہوا ہو، جو حقائق الٰہیہ سے بے خبر ہو.

ابلیس کو یا تو ان صفات کی وجہ سے اس نام سے پکارا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ اس کا صفاتی نام ہوا؛ یا اگر یہ اس کا ذاتی نام بھی ہے تو پھر بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں.

ابلیس کی حقیقت کیا ہے؟ بعض لوگوں نے اس سے قوّتِ واہمہ مراد لی ہے؛ چنانچہ قیصری شرح فصوص الحکم میں بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "قیل ابلیس ہو قوۃ الوہمیة الکلیة التی فی العالم الکبیر و القوٰی الوہمیة التی فی الاشخاص الانسانیة و الحیوانیة افرادھا لمعارضتھا مع العقل الھادی الی طریق الحق"، یعنی عالم میں جو قوّت وہمیہ کلّیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوّتِ وہمیہ ہے وہ ابلیس کی ذرّیات میں سے ہے۔ سرسیّد احمد خان بھی اسی دبستانِ فکر سے تعلّق رکھتے تھے (سید احمد خان: تفسیر القرآن، ۱: ۴۴ ببعد، طبع لاہور).

جمہور مسلمانوں کے نزدیک جس طرح فرشتوں کو محض قوائے عالم یا قوائے انسانی قرار دینا درست نہیں اسی طرح ابلیس اس قوتِ وہمیہ کا نام نہیں جو عالمِ کبیر میں پائی جاتی ہے؛ نہ یہ انسان کی اس موضوعی یا باطنی قوت یا ملکے کا نام ہے جو اسے سرکشی ونافرمانی پر اکساتا ہے۔ وہ دراصل مستقل اور معیّن معروضی یا خارجی وجود ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ (۱۸ [الکہف]: ۵۰)، وہ (یعنی ابلیس) جنّوں میں سے ایک فرد تھا، پھر اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی.

شاہ ولی اللہؒ نے حجة اللہ البالغة (قسم اوّل، مبحث اوّل، باب دہم) میں محرّکاتِ عمل پر بحث کرتے ہوئے انسان کی موضوعی قوّتوں، مثلاً جبلّتوں، طبعی مزاج اور عادات ومالوفات کے ساتھ ساتھ شیطان کے خارجی وجود کو بھی تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے "ان اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض محجوب وخسیس نفوس شیاطین سے متأثر ہوتے اور شیطانی رنگ میں رنگ جاتے ہیں".

ابلیسی اثرات، جیسا کہ علاّمہ ابن سیرین (منتخب الکلام، ۱: ۲، مصر

۱۳۲۴ھ) اور عبدالغنی نابلسی (تعطیر الانام، ۱: ۲، مصر ۱۳۲۴ھ) نے تصریح کی ہے، انسان پر بیداری ہی میں نہیں بلکہ بعض اوقات عالمِ خواب میں بھی اثر انداز ہوتے ہیں؛ چنانچہ خواب کے اقسام بیان کرتے ہوے وہ لکھتے ہیں کہ خواب کی تین اقسام ہیں: اوّل حدیثِ نفس، دوم شیطانی خواب، سوم رحمانی خواب۔ خوابوں کی یہ تشریح بھی بتاتی ہے کہ یہ لوگ شیطان کو خارجی وجود تسلیم کرتے تھے، کیونکہ حدیثِ نفس، خیالات، ذہنی قوی اور جسمانی اور طبعی اسباب سے جو خواب آتے ہیں ان کا ذکر وہ قسم اوّل میں کرتے ہیں۔ الرّدّ علی المنطقیین، ص ۱۷۴ پر بھی بتایا گیا ہے کہ جنّ (جن میں سے ابلیس بھی ہے) مستقل الگ وجود رکھتے ہیں۔

تفسیر المنار میں مفتی محمد عبدہٗ اور رشید رضا نے بھی ابلیس کی حقیقت پر بحث کی ہے (تفسیر المنار، ۱: ۲۶۶)۔

ابلیس اور شیطان: قرآن مجید کے ان مقامات پر جہاں آدم و ابلیس کا ذکر ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کے مقابلے میں جس جس جگہ سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے وہاں ابلیس کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے بالمقابل جہاں جہاں آدم کی لغزش اور اسے ورغلانے کا ذکر ہے وہاں بلا استثنا ''ابلیس'' کے لفظ کو چھوڑ کر ''شیطان'' کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ابلیس اور شیطان دو مختلف ہستیاں ہیں۔ ابلیس تو اس ہستی کا نام ہے جس نے احکاماتِ الٰہیہ سے سرتابی کی اور انسانی خودی کی حریف بنی، لیکن جب وہ اپنے اظلال کے ذریعے، جو اس کی مختلف خاصیتوں کے پیکر ہیں، دوسروں کو ورغلاتا، ان کے لیے بدی کا محرّک بنتا اور مامورین کی مخالفت کرتا ہے تو وہ شیطان ہے (بیان القرآن، ۱: ۴۶)۔ گویا ابلیس خاص ذاتی یا صفاتی نام ہے اور شیطان عام ہے۔ اس ابلیس کو بھی شیطان کہا جا سکتا ہے جس نے آدم کو گمراہ کرنا چاہا تھا اور ان وجودوں کو بھی جو ابلیس کے اظلال بن کر، خواہ وہ جنّوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، وسوسہ اندازی کرتے اور بدی پھیلاتے ہیں؛ چنانچہ صاحب قاموس نے لکھا ہے: اَلشَّیْطَانُ مَعْرُوْفٌ وَ کُلُّ عَاتٍ مُتَمَرِّدٍ مِنْ اِنْسٍ اَوْ جِنٍّ اَوْ دَابَّۃٍ، یعنی ایک شیطان تو معروف ہی ہے، نیز ہر ایک حد سے تجاوز کر جانے والے کو بھی شیطان کہا جاتا ہے، خواہ وہ انسان ہو یا جن یا چوپایہ۔ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ انسان کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ ابن جریر نے قرآن مجید کی آیت وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۲ [البقرۃ]: ۱۴) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ مِنَ الْیَهُوْدِ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَهُمْ التَّکْذِیْبَ، یعنی اس آیت میں شیاطین سے منافقوں کے یہودی دوست مراد ہیں، جو انھیں قرآن مجید کی تکذیب کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ابن جریر ہی نے ابن مسعود اور قتادہ کے یہ اقوال نقل کیے ہیں: ''رُؤُسِهِمْ فِی الْکُفْرِ''، ان کے کافر سردار، ''وَ اَصْحَابُهُمْ مِنَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُشْرِکِیْنَ''، ان کے منافق اور مشرک ساتھی۔ اسی طرح آیت قرآنی اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ (۳ [آل عمران]: ۱۷۵)، یعنی یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے تمھیں خوف زدہ کرتا ہے، کی تفسیر میں گزشتہ مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ خوف زدہ کرنے والا شیطان نعیم بن مسعود اشجعی تھا، جو جنگِ بدر کے بعد مسلمانوں کو کفّارِ مکّہ سے مرعوب کرنے کے لیے مدینے آیا تھا (مثلاً قبّ ابن کثیر، تحت آیت)۔ غرض قرآن مجید میں متعدّد جگہ شیطان کا لفظ انسانوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، لیکن اس کے مقابل ابلیس صرف اس وجود کو کہا گیا ہے جس نے آدم کے سامنے سرتابی کی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس جو فرشتہ بھی نہ تھا اور رحمتِ الٰہیہ سے دور تھا اس کا مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ سے کیا حصّہ ہو سکتا ہے، لیکن قرآن مجید میں متعدّد جگہ ''قَالَ'' کے لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور ابلیس کی گفتگو کا ذکر موجود ہے (قبّ قرآنی آیات کے حوالہ جات، جن کا ذکر مقالے کی ابتدا میں آ چکا ہے)۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں ابلیس کے ساتھ مکالمۂ الٰہیہ کا ذکر ہے وہاں قَالَ سے صرف زبانِ حال مراد ہے، کوئی واقعی مکالمہ نہیں تھا؛ صرف ایک حقیقت اور حالت کے اظہار کے لیے اسے مکالمے کا رنگ دے دیا گیا ہے۔

ابلیس جب ''جنّت'' سے مردود ہو کر نکال دیا گیا تو پھر وہ آدم و حوّاؑ کو کس طرح پھسلا سکا؟ اس کے متعدّد جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ سجدے سے انکار کرنے والا ''ابلیس'' اور وجود تھا اور ورغلانے والا ''شیطان'' کوئی دوسرا وجود۔ اس بنا پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر پھسلانے والا ابلیس ہی کو سمجھا جائے تو یہ پھسلانا بذریعۂ وسوسہ اندازی تھا، جیسے فرمایا: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ (۷: [الاعراف]: ۲۰)، اس نے آدم و حوّا دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ پس وسوسہ اندازی کے لیے وجودی طور پر شیطان کا اس ''جنّت'' میں جانا ضروری نہ تھا، بلکہ اس کا وسوسہ نفسِ آدم تک اسی طرح پہنچ سکتا تھا جس طرح شعاعوں اور آواز کی لہروں کے ذریعے کوئی پیغام دور تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ پس شیطان نے باہر ہی سے آدم کے نفس میں اپنا وسوسہ ڈالا (حفظ الرّحمٰن: قصص القرآن، ۱: ۳۱)۔

۳۔ آدم کی جنّت، جنّت ماوٰی نہ تھی جہاں ابلیس یا شیطان کا گزر نہیں بلکہ جنّتِ ارضی تھی جہاں ابلیس یا شیطان کا جانا ممنوع نہ تھا۔]

(اضافہ از عبدالمنّان عمر)

✱ **اِبْن**: (عربی) بیٹا، اَون (اِبْن) .Aben, Abn, Aven.

✱ **ابن آجُرُّوم**: ابوعبداللہ محمد بن محمد بن داؤد الصّنہاجی، جو ابن آجُرُّوم کے نام سے مشہور تھا۔ آجُرُّوم بربری زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم بقول شارحین متدیّن آدمی یا صوفی ہے (زاہد، شلحہ: اگرّم)۔ کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے اس کے دادا داؤد کا ہوا۔ اس کے رشتے دار صَفرُو کے چھوٹے سے قصبے کے نواح کے رہنے والے تھے مگر وہ خود ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ء) میں فاس میں پیدا ہوا اور وہیں ۲۰ صفر ۷۲۳ھ/ یکم مارچ ۱۳۲۳ء کو یک شنبے کے دن فوت ہوا۔

اس کے دوسرے روز اسے شہر کے اندلسی محلّے کے اندر بابُ الجیزِیّین (غلط طور پر باب الحدید) کے نزدیک، جسے اب باب الحَمرا کہتے ہیں، دفن کیا گیا یہ دروازہ (جو اب بند کر دیا گیا ہے) باب الفتوح سے دائیں طرف کو تھا۔

فاس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حج بیت اللہ سے مشرّف ہوا اور قاہرہ سے گزرتے وقت کچھ عرصے کے لیے مشہور و معروف اندلسی نحوی ابوحَیّان محمد بن یُوسُف الغرناطی (م قاہرہ ۷۴۵ھ/۱۳۴۵ء) کے درس میں شریک ہوا، جس نے اسے ''اجازہ'' عطا کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی تصنیف مقدّمة کو مکّہ [شریف] کے دورانِ قیام میں کعبہ رخ بیٹھ کر لکھا تھا۔ اس کے معاصرین لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ، ادیب، عالم، ریاضی دان اور سب سے بڑھ کر ماہرِ صرف ونحو تھا۔ اس کے علاوہ وہ علمِ ہجا (املا orthography) اور علمِ قراءت میں بھی یدطولیٰ رکھتا تھا۔ وہ فاس کے اندلسی محلّے کی مسجد میں نحو اور قرآن کا درس دیا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قراءت قرآن پر الشاطبی [رکّ بآن] کی تعلیمی نظم کی شرح بھی لکھی تھی اور تذکرۂ تاج الدّین بن مکتوم کی رو سے اس نے کئی دوسری تصانیف اور متعدّد اُرجوزے قرآن پاک کی مختلف قراءتوں اور اس کی تلاوت کے متعلّق لکھے۔ اس کی جو تصنیف ہم تک پہنچی ہے اور جس کی وجہ سے اس نے شہرت پائی وہ المُقَدِّمة الآجُرُّومِيّة فِيْ مَبَادِي عِلْمِ العربيّة ہے۔ یہ مقدمہ، جو اپنے اختصار کے باعث بحر اوقیانوس (Atlantic) سے لے کر فرات کے کنارے تک مقبول و مستحسن سمجھا جاتا تھا اور آج تک بھی سمجھا جاتا ہے، ابوالقاسم عبدالرّحمٰن بن اسحٰق الزَّجّاجی کی تصنیف جُمَل کا خلاصہ ہے اور ضرورت سے بہت زیادہ مختصر ہے، لیکن اس کے باوجود وہ نحو کے مطالعے کے لیے بنیادی کتاب ہے۔ اپنے اختصار کی وجہ سے، جس میں اکثر وضاحت کو قربان کر دیا گیا ہے، یہ کتاب مدارس میں آسانی سے حفظ کر لی جاتی ہے، گو مبتدیوں کے لیے یہ چنداں مفید نہیں، کیونکہ انھیں قواعد کی تشریح میں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرحال اس کتاب میں مختصرًا اسماء کی حالت اعرابی، افعال کی گردانوں اور حالت اعرابی کے قواعد درج ہیں۔ یورپ میں الآجُرُّومِيّة کی متعدّد طباعتیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں:

(۱) کتاب الآجُرُّومِيّة، Médici Press، روم ۱۵۹۲ء؛ (۲) P. Kirsten: *Liber tertius Grammatices Arabicae*، Breslae ۱۶۱۰ء (روم والے ایڈیشن کا لاطینی ترجمہ)؛ (۳) Thomas Erpenius: *Grammatica Arabica dicta Gjarumia et libellus auct. regent Cum version. latin. et Comment.*، Leidae ۱۶۱۷ء؛ (۴) R.P.F. Thomas Obicini: *Grammatica arabica appellata. Cum version latina ac dilucida expositione*، الآجُرُّومِيّة، روم ۱۶۳۱ء؛ (۵) Chr. Schnabel: *(Epist. quaedam et) Particula prima Agrumiae eiusque commentariorum*، عربی و لاطینی، Amstelaedami، ۱۷۵۵ء؛ *Contin. Agrumiae eiusque comment.*، عربی و لاطینی، کتاب مذکور، ۱۷۵۶ء (شرح الازہری)؛ (۶) L. Vaucelle: *L'Adjroumieh, par Mohammed b. Daoud, Grammaire arabe, traduite en français et suivie du texte arabe*، پیرس ۱۸۳۳ء؛ (۷) E. Combarel: *La Djaroumiya, nouvelle édition du texte arabe*، پیرس ۱۸۴۴ء؛ (۸) L. J. Bresnier: *Djaroumiya, Grammaire arabe élémentaire... de Mohammed b. Dawoud al. Sanhadji. Texte arabe et traduction française accompagnés de notes explicatives*، الجزائر ۱۸۴۶ء، طبع ثانی؛ وہی مقام ۱۸۶۶ء؛ (۹) J. J. S. Perowne: *al-Adjrumiieh. The arabic text with the vowels, and an English translation*، کیمبرج ۱۸۵۲ء؛ (۱۰) E. Trumpp: *EinI. in das Studium der arab. Sprache, Ajrūmīyah des Muhammed bin Daūd, arab. text mit Übers. u. Erläut.*، München ۱۸۷۶ء؛ (۱۱) Brünnow: *Chrestomathie aus arabischen Prosaschriften*، برلن ۱۸۹۵ء، ص ۱۳۸ بعد، طبع ثانی (از A. Fischer)، ص ۱۷۱ - ۱۸۳؛ (۱۲) Ad. Grohmann: ''*Kitāb al' Adschurrumiyyah*''، اطالوی ترجمہ روم ۱۹۱۱ء۔

متعدّد شرحوں میں سے صرف ان کے ذکر کی ضرورت ہے جو چھپ چکی ہیں۔ جو محض [قلمی نسخوں کی شکل میں] کتاب خانوں میں محفوظ ہیں، ان کے لیے مطبوعہ فہرستوں اور اس موضوع کے متعلّق ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو مآخذ کے ذیل میں مذکور ہیں:۔

(۱) خالد بن عبداللہ الازہری، بولاق ۱۲۵۹ھ و ۱۲۸۰ھ، ایمسٹرڈم ۱۷۵۶ء، یہ شرح ذیل کے لوگوں کے حواشی سمیت بھی چھپی ہے: (الف) محمد ابوالنّجا الطَّنْدِتائی (تیرھویں صدی)، بولاق ۱۲۸۴ھ؛ قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱۳۰۳ھ و ۱۳۰۴ھ؛ تونس ۱۲۹۰ھ؛ (ب) عبدالرحیم السُّیُوطی المالکی الجُرْجاوی: الطارِف و التالِد علی شرح الشیخ خالد، قاہرہ ۱۳۱۸ھ؛ (ج) ابن الحاج: حاشیة، مطبوعہ فاس (بلا تاریخ)، قاہرہ ۱۳۱۸ھ؛ (د) محمد الاِنبابی: تقریرات بر ابی النّجا، قاہرہ ۱۳۱۹ھ، حاشیے میں علی حسن العطّار کی الازہریة پر تقریرات۔

(۲) ابو زید عبدالرحمٰن بن علی بن صالح المَکُّودی (ماکُودی، مَکُّودی)، تونس ۱۳۰۹ھ؛ قاہرہ ۱۳۰۹ھ و ۱۳۲۰ھ؛

(۳) زین الدّین شیخ جُبْرِیل: *Cheikh Djebril Syntaxe arabe, Commentaire sur la Djaroumiya avec une glose marginale*، از G. Delphin، طبع ثانی، پیرس ۱۸۸۶ء۔

(۴) حسن الکَفراوی، بولاق ۱۲۴۹ھ و ۱۲۷۸ھ، ۱۲۸۲ھ، ۱۲۸۹ھ، ۱۲۹۱ھ؛ قاہرہ ۱۲۷۶ھ، مع حواشی اسمٰعیل الحامدی، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۴ھ، ۱۳۲۲ھ.

(۵) عبداللہ بن الفاضل شیخ العَشماوِی: حاشیۃ، بولاق ۱۲۸۷ھ، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۱۳۲۲ھ؛

(۶) احمد زَینی دَحلان: ایک بہت ہی مختصر شرح مع حواشی و ایضاحات، جسے ان کے ایک شاگرد نے قاہرہ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع کیا.

(۷) احمد النجّاری الدِمیاطی الحَفْناوی: مِنْحة الکریم الوهّاب و فتح ابواب النحو للطلّاب، مع حواشی از الکَفراوی، قاہرہ ۱۲۸۲ھ.

(۸) عبدالقادر بن احمد الکُہنی: مُنیَة الفقیر المُتجرِّد و سیرة المرید المُتفرِد، قسطنطینیہ ۱۳۱۹ھ؛

(۹) ابوالعبّاس احمد بن احمد السُّودانی قاضی تمبکتو: شرح الجرُّومیّة، طبع فاس، بدون تاریخ؛

(۱۰) شرف الدین یحیٰی العَمرِیْتی: الدُّرَة البهیّة نظام الآجرُّومیّة؛

(۱۱) ابراہیم الباجُوری: فتح البرِیّة علی الدُّرة البهیّة، وغیرہ، قاہرہ ۱۳۰۹ھ و ۱۳۱۹ھ؛

(۱۲) شمس الدین محمد بن محمد الرُّعَینی المعروف بہ الحطّاب المکّی المالکی: مُتمّمة الآجرُّومیّة؛ مع حواشی از:

(الف) محمد بن احمد بن عبدالبرّ الاَہدَل: الکواکب الدُّریّة فی شرح مُتمّمة الآجرُّومیّة، قاہرہ ۱۳۰۲ھ؛

(ب) عبداللہ بن احمد الفاکہی: الفَواکِه الجنیّة علی مُتمّمة الآجرُّومیّة......، بولاق ۱۳۰۹ھ؛ قاہرہ ۱۳۱۸ھ؛

مآخذ: (۱) اَلسُّیوطی: بُغیة الوُعاة فی طبقات اللُّغَوِیّین و النُّحاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۱۰۲؛ (۲) ابن القاضی، جَذْوة الاقتباس، ۱۳۹، فاس ۱۳۰۹ھ؛ (۳) الکتّانی: سَلْوَة الأنفاس، ۲: ۱۱۲، فاس ۱۳۱۶ھ؛ (۴) مصنّف نامعلوم: سِراج الرواة لتراجم اللغُوِیّین و النحاة (قلمی نسخہ الجزائر کے قومی کتب خانے میں بذیل شمارہ ۱۷۲۴ موجود ہے)؛ (۵) فان دیک: اکتفاء القَنُوع بما ھو مطبوع، ص ۳۰۴، قاہرہ ۱۸۹۶ء؛ (۶) محمد بک دِیاب: تأریخ ادب اللغة العربیة، ۲: ۳۳، قاہرہ ۱۹۰۰ء؛ (۷) René Basset و O. Houdas: *Mission scientifique en Tunisie, Bull, de Corresp. afr.* 3e annee، ۱۸۸۴ء، کراسہ ۲؛ (۸) Delphin: *Cheikh Djebril*، ص iv، v، پیرس ۱۸۸۶ء؛ (۹) براکلمان (Brockelmann)، *GAL*، ۲: ۲۳۷ بعد، قب ۱۷۰؛ [تکملة، ۲: ۳۳۲ بعد].

(محمد بن شنب)

ابن الابّار: ✱ ابوجعفر احمد بن محمد الخَولانی، عرب شاعر، جو اشبیلیہ میں سکونت پذیر تھا اور جس نے ۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ء میں وفات پائی۔ علاوہ ایک دیوان کے، حاجی خلیفہ کے نزدیک، چار اَور کتابیں، جو عام طور پر تکملہ اور حُلَّة السِّیَراء کے مصنّف [ابوعبداللہ ابن الابار، رک بآن] کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، اس کی طرف منسوب کرنا چاہییں.

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات الاعیان، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۴۴؛ (۲) الضَّبّی: بُغیة المُلْتَمِس، ص ۱۵۲، شمارہ ۳۵۲؛ (۳) Codera: المُعْجَم (*BibI. arab-hisp., IV*)، مُقدّمہ، ص XIV؛ (۴) Boigues: *Ensayo bio- bibliografico*، ص ۴۰۹؛ (۵) حاجی خلیفہ: کشف الظُّنون (طبع فُلُوگل، شمارہ ۹۳۴، ۲۱۶۵، ۲۶۴۶، ۵۱۵۹).

(محمد بن شنب)

ابن الابّار: ✱ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن احمد بن ابی بکر القُضاعی، ایک عرب مؤرّخ، بنو قُضاعہ کا رکن، جو اندلس میں اپنی آبائی جاگیر واقع اونده (Onda) میں آباد تھے۔ وہ بَلَنْسِیَہ میں ربیع الثانی ۵۹۵ھ / فروری ۱۱۹۹ء میں پیدا ہوا اور ابوعبداللہ بن نوح، ابوجعفر الحَصّار، ابو خطّاب بن وَاجب، ابوالحسن بن خَیْرَہ، ابوسلیمان بن حَوْط، ابوعبداللہ محمد بن عبدالعزیز بن سعادہ وغیرہ کا شاگرد تھا.

کوئی بیس برس سے زیادہ عرصے تک اندلس کے سب سے بڑے محدّث ابوالرّبیع ابن سالم سے اس کا بڑا گہرا تعلّق رہا اور اُسی نے [ابن اَبّار] کو بَشْکُوال کی تصنیف صِلة کو مکمّل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ بَلَنْسِیَہ کے گورنر ابوعبداللہ محمد بن ابی حَفْص بن عبدالمؤمن بن علی کا کاتب (سکریٹری) بھی رہا اور اس کے بعد اس کے بیٹے ابوزید اور آخر میں زیّان بن مَرْدَنِیش کا۔ جب ڈان جیم (Don Jayme) شاہ اَرَغون (Aragon) نے رمضان ۶۳۵ھ / اپریل - مئی ۱۲۳۸ء میں بَلَنْسِیَہ کا محاصرہ کیا تو ابن الاَبّار ایک سفارت کے ہمراہ تونس کے سلطان ابوزکریا یحیٰی بن عبدالواحد بن ابی حَفْص کے پاس گیا تاکہ اسے ایک دستاویز پیش کرے، جس کی رو سے والی اور اہلِ بَلَنْسِیَہ نے حفصی سلطنت کی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ ابوزکریا سے ۴ محرّم ۶۳۶ھ / ۱۷ اگست ۱۲۳۸ء کو ملا اور اس کے سامنے ایک سینیّہ قصیدہ پڑھا، جس میں اس سے مسلمانوں کی امداد کی التجا کی گئی تھی۔ بَلَنْسِیَہ واپس پہنچ کر، عیسائیوں کے صفر ۶۳۶ھ (ستمبر - اکتوبر ۱۲۳۸ء) میں بَلَنْسِیَہ پر قبضہ کر لینے کے کچھ عرصہ پہلے یا بعد، وہ اپنے پورے خاندان سمیت جہاز پر سوار ہو کر تونس چلا آیا۔ ابن خَلْدُون کا بیان ہے کہ وہ براہِ راست تونس گیا، لیکن الغُبْرِیْنی وثوق سے کہتا ہے کہ وہ پہلے بجایہ (Bougie) گیا اور وہاں کچھ عرصے تک درس تدریس میں مصروف رہا۔ سلطانِ تونس نے اس کا اعزاز و اکرام سے خیر مقدم کیا اور اسے اپنا کاتب مقرّر کر دیا۔ اس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اس کے فرمانوں میں بسملہ کے

عین نیچے بادشاہ کا طغرٰی اور القاب لکھا کرے، لیکن تھوڑے دنوں بعد ہی یہ عہدہ اس سے لے کر ابوالعبّاس الغسّانی کو دے دیا گیا، جو مشرقی طرز کی خوش نویسی میں یدِطولٰی رکھتا تھا اور جسے سلطان مغربی خط کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا تھا۔ ابن الاَبّار نے اس توہین کو بہت بری طرح محسوس کیا لیکن بار بار متنبّہ کیے جانے کے باوجود وہ اپنی تحریر کردہ دستاویزوں پر برابر طغراے شاہی بناتا رہا۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں بند ہو کر اس نے اِعْتَابُ الْکُتّاب لکھی، جو اس نے سلطان سے منتسب کی۔ سلطان نے زیادہ تر اپنے بیٹے اَلْمُسْتَنْصِر کی سفارش پر اس کا قصور معاف کر دیا اور اسے پھر اُس کے سابقہ عہدے پر بحال کر دیا۔ ابوزکریّا کی موت کے بعد اس کے جانشین اَلْمُسْتَنْصِر نے ابن الاَبّار کو اپنا معتمد مشیر بنا لیا لیکن اس نے اپنی روش سے بادشاہ اور اس کے درباریوں کو اس قدر ناراض کر دیا کہ آخر کار اسے ایذاے جسمانی کی سزا دی گئی۔ اس کی ضبط شدہ تحریروں میں سلطان کے خلاف ایک ہجو بھی برآمد ہوئی، جسے دیکھ کر سلطان ایسا غضب ناک ہوا کہ اُس نے مصنّف کو نیزے کے کچوکوں سے ہلاک کر دینے کا حکم دیا؛ چنانچہ ابن الاَبّار ۲۰ محرم ۶۵۸ھ/ ۶ جنوری ۱۲۶۰ء کو بروز سہ شنبہ صبح کے وقت فوت ہو گیا اور دوسرے روز اس کی لاش کو اس کی کتابوں، نظموں اور دیگر تصانیف کے ساتھ ایک ہی چِتا میں رکھ کر جلا دیا گیا۔ ابن الاَبّار نے، جسے کسی نامعلوم وجہ سے اَلْفَأَر (چوہا) کہا کرتے تھے، علمِ تاریخ، حدیث، ادب اور شعر و سخن پر کئی کتابیں لکھیں، جن میں سے صرف مندرجۂ ذیل باقی رہ گئی ہیں: کتاب التّکْمِلَة لکتاب الصِّلة (طبع Codera، میڈرڈ ۱۸۸۹ء)؛ (۲) المُعْجَم فی اَصحابِ القاضِیَ الْاِمام ابی عَلِی الصَّدَفی (طبع Codera، میڈرڈ ۱۸۸۶ء)؛ (۳) کتابُ الحُلَّةِ السِّیَراء (ایک حصّہ ڈوزی نے شائع کیا، لائڈن ۱۸۴۷ - ۱۸۵۱ء اور دوسرا Müller نے در *Beitr. zur Gesch. der Westl. Araber*، München ۱۸۶۶ - ۱۸۷۸ء)؛ (۴) تُحفَةُ القادِم (طبع Casiri، در *Bibl. Arab-Hisp*، ۱ شمارہ ۳۵۴، ۲؛ درانبورغ (Derenbourg): *Les man. arab. de l' Escurial*، شمارہ ۳۵۶، ۲)؛ (۵) اِعْتابُ الکُتّاب (Casiri: کتاب مذکور، شمارہ ۱۷۲۶).

مآخذ: الغُبْرینی: عُنْوانُ الدِّرایَة فِی مَنْ عُرِفَ مِنَ العُلَماءِ فی المِائَة السّابِعَة ببجایَة (الجزائر ۱۳۲۸ھ، ص ۱۸۳)؛ (۲) ابن شاکر الکُتُبی: فُوات الوَفَیات (بولاق ۱۲۹۹ھ)، ۲: ۲۲۶؛ (۳) اَلْمَقّری: نَفْحُ الطِّیب (قاہرہ ۱۳۰۲ھ) ۱: ۶۳۱؛ (۴) ابن خَلْدُون: تأریخ بَربر، ترجمۂ دیسلان (de Slane)، ۲: ۳۰۷ و ۳۴۷ - ۳۵۰؛ (۵) الزَّرْکَشی: تأریخ الدَّوْلَتَیْن الموحّدیة والحَفْصِیة، ترجمۂ فاینان (Fagnan)، ص ۳۶، ۳۸، ۴۸؛ (۶) Wüstenfeld: *Geschichtschr. der Araber*، ص ۱۲۸، عدد ۳۴۴؛ (۷) ڈوزی: *Scriptorum arab. loci de Abbadidis*، ۲: ۴۶؛ (۸) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliografio*، ص ۴۰۹؛ (۹) Codera: *Bibliotheca Arabico-Hispana*، IV (دیباچہ المُعْجَم و التَّکْمِلَة)؛ (۱۰) v. Schack: *Poesie und Kunst der Araber*، ۱: ۱۴۲ بعد؛ (۱۱) براکلمان (Brockelmann): *Gesch. der arab. Litt*، ۱: ۳۴۰ بعد؛ (۱۲) اُیُوار (Huart): *Littérature arabe*، ص ۲۰۴؛ (۱۳) براکلمان (Brockelmann): تکملہ، ۱: ۵۸۰].

(محمد بن شنب)

✱ **ابن ابی اُصَیْبِعَہ:** موفّق الدّین ابوالعبّاس احمد بن القاسم السَّعدی الخَزْرجی، حکیم اور سوانح نگار، ۶۰۰ھ/ ۱۲۰۳ء میں دمشق میں پیدا ہوا۔ طب کی تعلیم اس نے وہیں اور بعد میں قاہرہ کے شفاخانۂ ناصری میں حاصل کی۔ اس کے اساتذہ میں اِبْن البَیْطار [رکّ بآن] ماہرِ علمِ نباتات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۶ء میں اسے قاہرہ کے ایک شفاخانے میں ایک عہدہ مل گیا۔ اس سے اگلے سال اس نے اسے چھوڑ کر صَرْخَد میں امیر عزّ الدّین ایدمر کے طبیبِ خاص کا عہدہ قبول کر لیا اور وہیں ۶۶۸ھ/ ۱۲۷۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ابن ابی اُصَیْبِعَہ کی سب سے بڑی تصنیف مشہور و معروف اطبّا اور حکما کے تراجم ہیں، جو اس نے عُیُوْنُ الاَنباء فی طَبَقَاتِ الاَطِبّاء کے نام سے اور وزیر ابوالحسن بن غزّ ال السّامری کی فرمائش پر مرتّب کیے، طبع A. Müller، قاہرہ ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء؛ دیباچہ، کونگز برگ (Königsberg) ۱۸۸۴ء.

مآخذ: (۱) Leclerc: *Histoire de la médicine arabe*، ۲: ۱۸۷ بعد؛ (۲) A. Müller: *Über Ibn Abi Oçaibi'a und seine Geschichte der Ärzte* در *Travaux du VI^e Congr. intern. des Orientalistes à Leide*، ۲: ۲۵۹ بعد اور دوسرے مقالات؛ (۳) حوالے در براکلمان (Brockelmann): *Geschichte* etc، ۱: ۳۲۶؛ تکملہ، ۱: ۵۶۰؛ (۴) خوانساری: روضات الجنات، ص ۸۵].

⊗ **ابن ابی جُمْہُور:** محمد بن زین الدّین ابی الحسن علی بن حُسام الدّین ابراہیم بن حسن بن ابراہیم بن ابی جمہور اَحسائی ہَجَری، کرکِ نوح میں علی بن ہلال جزائری و شرف الدّین عبدالکریم فتّال غروی کا، جو غری (نجف) میں حضرت علیؓ کے روضے کا خادم رہا ہے، شاگرد اور محقّق کرکی (م ۹۴۰ھ) کا ہم عصر تھا اور ۹۱۲ھ کے بعد فوت ہوا ہے۔ وہ ایک حکیمِ مجتہد، عارفِ متکلّم، صوفی شیعی اور اخباری [محدّث] تھا۔ اس نے شیعی احادیث زیادہ باریک بینی سے جمع نہیں کی ہیں، چنانچہ مجلسی دوم نے یا تو اس لیے کہ اس کی جمع کردہ احادیث میں عرفان [تصوّف] کی بو ہے اور یا اس لیے کہ اس نے ان کے جمع کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا ہے اس کی بعض تصانیف کو ناپسند کیا ہے۔ وہ ۸۷۹ھ میں حج کو گیا اور پھر شام پہنچا۔ کرکِ نوح میں اس نے علی بن ہلال سے ملاقات کی اور ایک مہینہ اس کے ساتھ گزارا۔ اس کے بعد وہ خراسان گیا۔ اس نے ۱۵ جمادی الاولی ۸۸۹ھ کو

قلفان استرآباد میں محمد بن صالح غروی حلّی کو علامۂ حلّی کی ارشاد الاذہان کی قراءت اوران کی دیگر تصانیف کی روایت کا اجازہ دیا اور رضی الدّین محمد بن نادر شاہ رضوی مشہدی کے بیٹے محسن رضوی کو اپنی کتاب عوالی اللآلی کی قراءت اور املا کا اپنی روایت کے سات طریقوں کے ساتھ اجازہ دیا۔ وہ سات طریقے یہ ہیں: (۱) اپنے والد کا؛ (۲) شمس الدّین محمد بن کمال الدّین موسٰی بن فخر الدّین احمد سبیعی موسوی حسینی کا؛ (۳) حرز الدّین اوائلی کا؛ (۴) شمس الدّین محمد بن شہاب الدّین احمد موسوی حسینی کا؛ (۵) جمال الدّین حسن بن عبدالکریم فتّال کا؛ (۶) زین الدّین علی بن ہلال جزائری کا؛ (۷) وجیہ الدّین عبداللہ بن علاء الدّین فتح اللہ ابن رضی الدّین عبدالملک ابن شمس الدین اسحٰق بن رضی الدّین عبدالملک ابن محمد بن فتحان واعظ قمّی کاشانی کا۔

اس نے جُمادَی الاولی ۹۱۲ھ میں شرف الدّین محمود بن علاء الدّین بن جلال الدّین طالقانی کو کئی کتابوں اور اپنی کتاب عوالی اللآلی کا اجازہ دیا۔ اس اجازے کے آخر میں ربیعہ بن جمعہ عنزی عبادی جزائری کا کلام ہے۔

اس عالم کو آئینِ شیعی پر غور کرنے والے ان لوگوں میں سے سمجھنا چاہیے جنھوں نے یہ کوشش کی کہ عرفان اور فلسفہ وعلم کلام میں مطابقت پیدا کریں اور عقل ومنطق کو اصلِ تعلیم اور اُس قاعدۂ تسلیم سے تطبیق دیں جس کا تصوّف وکلامِ شیعی میں اتباع کیا جاتا ہے اور اس آئین کو نکتہ چینیوں سے دور رکھیں اور خشکی وخشونت سے پاک کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں حافظ رجب برسی سے متأثّر ہوا ہے۔ اسی سبب سے اس کی کتاب مُجَلّی میں اس کے اپنے فلسفے کا پتا لگانا اور سمجھنا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اس نے شیعی احادیث کی تدوین اوران کے روایت کے طریقوں میں تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی کتابیں گیارھویں صدی کے شیعی علما کے ایک گروہ کو پسند آئی تھیں۔

ابن ابی جمہور کی تصانیف: (۱) الاقطاب الفقہیة و الوظائف الدّینیة علی مذھب الامامیّة، جو قواعد شہیدِ اوّل کی مانند ہے (ذریعة، ۲: ۲۷۳)؛ (۲) الانوار المشھدیة فی شرح الرسالة البرمکیة فی فقه الصلوة الیومیة، (متن بھی اسی کا ہے) (ذریعة، ۲: ۴۴۱؛ ۳: ۸۸؛ فہرست دانشگاہ از مصنّف، ۵: ۱۸۲۷)؛ (۳) بِدایة النہایة فی الحکمة الاشراقیة (ذریعة، ۳: ۵۹)؛ (۴) التحفة الحسینیة فی شرح الرسالة الالفیة (ذریعة، ۳: ۴۳۰)؛ (۵) تحفة القاصدین فی معرفة اصطلاح المحدّثین (ذریعة، ۳: ۴۶۱)؛ (۶) جمع الجمع (مجالس المؤمنین؛ ذریعة، ۵: ۱۳۸)؛ (۷) درر اللآلی العمادیة فی الاحادیث الفقہیة، جو ۸۹۹-۹۰۱ھ میں لکھی گئی (ذریعة، ۸: ۱۳۳)؛ (۸) زاد المسافرین فی اصول الدّین، یہ حج کے بعد خراسان کے راستے میں لکھی گئی اور اس نے اس کی ایک شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام کشف البراھین فی شرح زاد المسافرین فی اصول الدّین ہے اور جو میر محسن بن محمد رضوی مشہدی کی درخواست پر مشہدِ طوس میں ۸۷۸ھ میں لکھی گئی ہے (ذریعة، ۱۲: ۱۰)؛ (۹) عوالی اللآلی العزیزیة فی الاحادیث الدّینیة (النبویة و الامامیة)، ۸۹۷ھ میں لکھی گئی۔ امین استرآبادی نے الفوائد المدنیة (ص ۱۶۸، طبع ۱۳۲۱ھ) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ سیّد نعمت اللہ جزایری نے الجواھر الغوالی یا مدینة الحدیث کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے (فہرست دانشگاہ، از مصنّف، ۵: ۱۴۲۴)؛ (۱۰) المُجلّی فی مرآة المنجّی فی المنازل العرفانیة و سیرھا، جو مسلک الافہام فی علم الکلام کی شرح کے طور پر ہے اور اس کے حاشیے پر النور المنجی من الظلام کے نام سے خود اس نے جمادی الاخرٰی ۸۹۵ھ میں درج کی تھی اور شہر طوس میں ۱۶ صفر ۸۹۶ھ کی شب میں اس کا مبیّضہ تیار کیا (فہرست کتاب خانۂ دانشکدہ ادبیات تہران، از مصنّف، ص ۴۱۳)؛ (۱۱) المسالک الجامعیة فی شرح الالفیّة الشہیدیة (ذریعة، ۱۳: ۱۱۴)؛ (۱۲) المناظرات، اس کی اس گفتگو کی شرح ہے جو شہر طوس میں ۸۴۸ھ میں ایک سنّی ہروی کے خلاف میر محسن ابن محمد رضوی کی صحبت میں مذہب شیعی کے برحق ہونے کے ثبوت میں ہوئی (روضات، مجالس المؤمنین، نامۂ دانشوران، فہرست دانشگاہ، از مصنّف، ۳: ۶۲۵)؛ (۱۳) الاحادیث الفقہیة (= درر اللآلی، شمارہ ۷)؛ (۱۴) معین الفکر فی شرح الباب الحادی عشر، مدینہ [منوّرہ] میں ۲۵ ذوالقعدہ ۹۰۴ھ میں لکھی گئی اور اس کی شرح معین المعین نامی (ذریعہ، ۱۳: ۱۲۳، فہرست دانشگاہ، از مصنّف، ۳: ۸۵۷)؛ (۱۵) کاشفة الحال عن احوال الاستدلال، طوس میں ۸۸۰ھ میں لکھی گئی (ذریعہ، ۳: ۴۶۱؛ فہرست دانشگاہ از مصنّف، ۵: ۱۷۱۶)؛ (۱۶) رسالة فی العمل باخبار الاصحاب؛ (۱۷) نثر اللآلی فی الاخبار (مقدماتِ بحار و مقابس)، گویا وہی اس کی عوالی اللآلی (شمارہ ۹)، یا درر اللآلی (شمارہ ۷) ہے اور المنتقی کی مانند ہے، جو شیخ حسن عاملی کی تالیف ہے۔

مآخذ: (۱) کشف الظنون، طبع ترکیہ، ص ۱۹۲۸؛ (۲) ھدیة العارفین، ۲: ۲۰۷؛ (۳) ایضاح المکنون، ۱: ۶۰۶؛ ۲: ۱۵۱، ۲۷۰، ۳۲۸، ۳۵۷، ۴۳۲، ۵۱۸، ۶۳۵؛ (۴) ریحانة الادب، ۵: ۲۱۵؛ (۵) معجم المؤلّفین، ۱۰: ۲۹۹؛ (۶) نامۂ دانشوران، ۱: ۷۳۳؛ (۷) فہرست مدرسۂ سپہ سالار؛ (۸) فہرست رضوی؛ (۹) عبداللہ افندی، ریاض العلماء؛ (۱۰) مجالس المؤمنین، مجلس ۵؛ (۱۱) لؤلؤتی البحرین، طبع سنگی؛ (۱۲) مجلسی: بحار الانوار، ۱: ۱۳ و اجازات، ص ۴۷، ۵۲؛ (۱۳) شیخ اسد اللہ کاظمی: مقابس الانوار، طبع سنگی ۱۳۲۲ھ، ص ۱۴؛ (۱۴) رجال مامقانی، ۳: ۱۵۱؛ (۱۵) روضات الجنّات، طبع دوم، ص ۵۹۵؛ (۱۶) مستدرک الوسائل، ۳: ۳۶۱؛ (۱۷) ہَدیّة الاحباب، ص ۴۵؛ (۱۸) اَمَل الآمِل، ص ۵۰۳، ۴۹۸؛ (۱۹) عبّاس قمّی: الکنٰی و الالقاب، ۱: ۱۸۳۔

(محمد تقی دانش پژوہ)

----

* **ابن ابی حَجَلَہ**: احمد بن یحیٰی ابوالعبّاس شہاب الدّین التِّلِمسانی الحنبلی [الحنفی، بقول ابن تغری بردی و ابن حجر]، عرب شاعر، ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء میں تِلِمسان میں پیدا ہوا۔ وہاں سے وہ قاہرہ آیا، پھر بعد حج دمشق میں مقیم ہوا اور ادب میں مہارت حاصل کی: اس کے بعد قاہرہ میں سکونت اختیار کرلی۔ وہ وحدت الوجودیوں کا مخالف تھا، خصوصًا ابن الفارض [رکّ بآں] کا؛ چنانچہ ابن الفارض کے تمام قصائد کے جواب میں اس نے قصائد نبویہ لکھے (''و عارض جمیع قصائدہ (ابن الفارض) بقصائد نبویۃ''، الدُّرر الکامنۃ، ۱: ۳۳۰، نیز رکّ بہ شذرات، ۶: ۲۴۰) ۲۰ ذوالقعدہ [ذوالحجّۃ، قبّ حسن المحاضرۃ، ۱: ۲۴۶، طبع ۱۳۲۷ھ] ۷۷۶ھ/ ۲ مئی ۱۳۷۵ء کو بعارضۂ طاعون وفات پائی۔ اس وقت وہ منجک یوسفی کے بنا کردہ تکیے کا شیخ تھا۔ ابن الفارض کی مخالفت ہی کی وجہ سے سراج ہندی قاضی حنفیہ کے ہاتھوں وہ مبتلائے محنت و اذیّت ہوا۔ وہ بامروّت، صاحبِ فضیلت اور بہت اچھے حافظے کا مالک تھا۔ اس نے کچھ ''مقامات'' [بھی] لکھے ہیں، جس میں اس نے دادِ سخنوری دی ہے۔ باوجود عروض میں مہارت نہ ہونے کے وہ شعرگوئی میں کمال رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے جو موجود ہیں ان کے لیے دیکھیے براکلمان: *GAL*، ۲: ۱۳۔ جو کتابیں طبع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) دیوان الصَّبابۃ، مشہور عشّاق کے قصّے اور منتخب غزلیہ اشعار، قاہرہ ۱۲۷۹ھ، ۱۲۹۱ھ، ۱۳۰۵ھ، نیز تزیین الاسواق، مؤلّفہ داؤد الانطاکی کے حاشیے پر، بولاق ۱۲۹۱ھ، قاہرہ ۱۳۰۸ھ؛ (۲) سُکَّردان السلطان الملک الناصر، مصر کے لیے عدد ۷ کی اہمیت پر منظومات کا مجموعہ، تصنیف ۷۵۷ھ/ ۱۳۵۶ء، بولاق ۱۲۸۸ھ [و قاہرہ بر حاشیہ کتاب المِخلاۃ].

مآخذ: ابن حجر: الدُّرر الکامنۃ، ۱: ۳۲۹-۳۳۰؛ (۲) ابن تغری بردی: النجوم الزاہرۃ فی اخبار مصر و القاہرۃ (طبع کیلیفورنیا)، ۵: ۲۸۰؛ (۳) ابن عماد: شذرات الذّہب، قاہرہ ۱۳۵۱ھ، ۶: ۲۴۰؛ (۴) السُّیوطی: حسن المحاضرۃ، ۱: ۳۲۹ [طبع مصر ۱۳۲۷ھ، ۱: ۲۴۵]؛ (۵) ابن حبیب، در *Orientalia*، ۲: ۴۴۰؛ (۶) وستنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۴۳۷.

(براکلمان C. BROCKELMANN بہ ترمیم از ادارہ)

⊗ **ابن ابی الحَدِید**: عزّ الدّین، ابو حامد، عبدالحمید بن ابی الحسین ہبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن الحُسَین بن ابی الحدید المدائنی، شرح نَہْجُ البلاغۃ و الفلک الدّائر علی المَثَلِ السّائِر کے مشہور مصنّف، یکم ذوالحجہ ۵۸۶ھ/ ۳۰ دسمبر ۱۱۹۰ء کو مدائن میں پیدا ہوے اور جمادی الاخرٰی ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں بعمر ۷۰ سال ۶ مہینے بغداد میں وفات پائی (مجمع الآداب؛ اس کے برخلاف فوات الوفیات میں سنۂ وفات ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء دیا ہے اور اسے دوسروں نے بھی نقل کیا ہے، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ہلاگو کے حملۂ بغداد (۶ صفر ۶۵۶ھ) کے وقت زندہ تھے۔ الحوادث الجامعۃ (ص ۲۳۶) میں بالتفصیل مذکور ہے کہ جمادی الاخرٰی ۶۵۶ھ میں ابن العلقمی کی وفات ہوئی، اس کے چند ہی روز بعد موفّق الدّین ابن ابی الحدید نے اور اُس کے چودہ دن بعد عزّ الدّین ابن ابی الحدید نے انتقال کیا۔ اس لیے یہ قول قابلِ اعتماد نہیں رہتا کہ عزّ الدّین ابن ابی الحدید ہلاگو کے حملۂ بغداد سے سترہ دن قبل ہی فوت ہو چکے تھے)۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب، شاعر، فقیہ اور کلامی تھے، مذہبًا معتزلی اور معتدل شیعی تھے اور حضرت علیؓ کی شجاعت اور بلاغت کلام کے مدّاح تھے۔ ۶۳۲ھ میں ابوالأزہر احمد بن الناقد (''المناف'' تصحیف ہے) کی وزارت میں دیوان الخلافہ کے کاتب تھے (شرح نَہْجُ البلاغۃ، ۴: ۴۱)۔ آخری عبّاسی خلیفہ المستعصم باللہ کے وزیر مؤیّد الدّین بن العلقمی کی سرپرستی میں حکومت کی شائستہ خدمات انجام دیں۔ ربیع الآخر ۶۴۲ھ میں جب تاتاریوں نے ''جکتائی (چغتائی) الصغیر'' کی قیادت میں بغداد پر حملہ کیا اور مستعصم باللہ کے سپہ سالار شرف الدّین اقبال الشرابی نے انھیں شکست فاش دی تو ابن ابی الحدید نے اسے ابن العلقمی کے حسنِ تدبیر کا نتیجہ بتاتے ہوے اس کی خدمت میں مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔ تاتاریوں کی یہ شکست ایسی فیصلہ کن معلوم ہوئی کہ ابن ابی الحدید نے اسے حضرت علیؓ کی پیشگوئی کا مصداق تصوّر کیا اور پورے وثوق کے ساتھ یہ بشارت دی کہ بغداد اور عراق ہمیشہ ہمیشہ تاتاریوں کے فتنے سے محفوظ رہیں گے (شرح نَہْجُ البلاغۃ، ۲: ۳۷۰-۳۷۱)۔ بالآخر جب ہلاگو نے بغداد کو تاراج کیا تو ابن ابی الحدید نے اپنے بھائی موفّق الدّین (ابوالمعالی القاسم) بن ابی الحدید کے ساتھ ابن العلقمی کے گھر میں پناہ لی اور محفوظ رہے۔ بعد ازاں خواجہ نصیر الدّین طوسی نے ان دونوں بھائیوں اور ابن السّاعی الخازن (ابو طالب، علی بن انجب تاج الدّین، م ۶۷۴ھ/ ۱۲۷۵-۱۲۷۶ء) کو بغداد کے کتب خانوں کا نگران مقرّر کیا۔ ابن ابی الحدید نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ''کاتب السّکّہ'' (محافظ دفتر) کی حیثیت سے بھی کام کیا (الحوادث الجامعۃ، تحت ۶۵۶ھ).

موفّق الدّین کے علاوہ ابن ابی الحدید کا ایک اَور بھائی بھی تھا، یعنی ابوالبرکات محمد بن القاضی ابی الحسین ہبۃ اللہ بن ابی الحدید المدائنی؛ یہ مدرسۂ نظامیہ بغداد کے اوقاف کا 'کاتب' ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب اور شاعر بھی تھا۔ اس نے ۳۴ سال کی عمر میں ۱۱ صفر ۵۹۸ھ کو وفات پائی (الجامع المختصر فی عنوان التواریخ و عیون السِّیَر لابن السّاعی الخازِن، ج ۹، بغداد ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء).

ابن ابی الحدید اپنے اعتزال کا صریح الفاظ میں دعوٰی کرتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ ''میں اُہل العدل والتوحید میں سے ہوں؛ خدا نے اشعری کی کج روی سے مجھے نجات دی اور اس قابل کیا کہ میں نے رازی کے بڑھتے ہوے فتنے کا تدارک کیا''۔ انھوں نے امام رازی کی تین کتابوں المحصّل، المحصول اور

الأربعین کا ردّ لکھا۔ صَفَدی کو امام رازی کی یہ تنقیص ناگوار ہوئی اور انھوں نے ابن ابی الحدید کے اشعار کا جواب اشعار میں دیا (مقدمۂ نُصرة الثّائر)۔ تاہم صفدی کو ابن ابی الحدید کی وسعتِ علم کا اعتراف ہے؛ اس کا کہنا ہے کہ یہی وسعتِ علم بالآخران کے اعتزال اور تشیّع کا سبب بنی۔ جہاں تک تشیّع کا تعلّق ہے، ابن ابی الحدید چونکہ خود بڑے نکتہ رس تھے، اس لیے وہ حضرت علیؓ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کے اس حد تک دلدادہ ہیں کہ وہ اس میں پیشگوئیاں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی مدح میں ان کے اشعار کا جو انتخاب نصرة الثّائر میں ہے اس میں صرف ان کی شجاعت، فتح خیبر اور ''سیف الوصّی'' کا ذکر ہے، کہیں غلو کا پتا نہیں چلتا۔ اس کے برخلاف بحیثیّت مؤرّخ وہ غالی شیعوں کے اقوال کو لاحاصل قرار دیتے ہیں۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک کتاب مقالات الشیعة بھی لکھنا شروع کی تھی، جو شرح نَھْجُ البلاغة کی تصنیف کے وقت ناتمام تھی (شرح نَھْجُ البلاغة، ۲:۳۱۰)۔ ایک اَور جگہ بھی (وہی کتاب، ۲:۷۸) کہتے ہیں کہ ہم صرف ''اھل الحدیث'' کے منقولہ اخبار و سِیَر کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور ہم نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ شیعوں کی کتابوں سے کچھ نہ لیں گے۔ وہ موضوعات جن پر شیعوں اور سنّیوں میں شدید اختلاف رہا ہے ان پر ابن ابی الحدید کا تبصرہ بڑی حد تک محقّقانہ اور غیر جانب دارانہ ہے، مثلاً دیکھیے شرح نَھْجُ البلاغة، ۲:۷۸ ببعد، ''امر فدک''؛ نیز ۳:۹۲ ببعد، ''سیرة عمرؓ''؛ ایضًا، ۲:۲ ببعد، ''خبر السقیفہ''؛ ایضًا، ۴:۸۸ ببعد و ۱۶۶ ببعد، شریف المرتضٰی کی کتاب الشافی کا ردّ، جو خاصا اہمّ ہے۔ صفدی کی رائے میں ابن ابی الحدید کی نظم اچھی خاصی ہے لیکن نثر معیار سے گری ہوئی ہے۔ الفلک الدائر میں انھوں نے اس کے جو نمونے شامل کیے ہیں اگر وہ حذف کر دیے جاتے تو بہتر ہوتا۔

ابن ابی الحدید کی تصانیف: (۱) شرح نَھْجُ البلاغة (تہران ۱۲۷۱ھ؛ مصر، چار جلد، ۱۳۲۹ھ) ۶۴۳ھ کے بعد کی تصنیف ہے۔ وزیر ابن العلقمی کے نام مُعَنْوَن ہے، جس نے اس کا صلہ سو دینار، ایک خلعت اور گھوڑا دیا۔ نَھْجُ البلاغة حضرت علیؓ کے منثور کلام کا مجموعہ ہے، جس کی جمع و ترتیب الشریف الرضی (۳۵۹-۴۰۶ھ/ ۹۷۰-۱۰۱۶ء) یا ان کے بھائی الشریف المرتضٰی (۳۵۵-۴۳۶ھ/ ۹۶۶-۱۰۴۴ء) کی طرف منسوب ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ حضرت علیؓ کا کلام نہیں بلکہ اس کے جامع اور مرتّب نے خود وضع کر کے حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے (وفیات الاعیان — الشریف المرتضٰی)۔ ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں علم کلام، فقہ، ادب، عربی، تاریخ اور اسماے رجال کی بیش بہا معلومات بھر دی ہیں۔ بعض ابواب خاص ندرت رکھتے ہیں، مثلاً ''مذاھب العرب فی الطّیرة و النجوم و غیرھا من الأوابد'' جس کا بیشتر حصّہ ابوعبداللہ (الحسین بن محمد بن جعفر) الخالع کی کتاب آراء العرب و ادیانھا (۴:۴۳۱-۴۵۱) اور اسی طرح ''کنایات العرب'' (۴:۵۰۸-۵۱۸) سے ماخوذ ہے؛ (۲) الفلک الدائر علی المَثَل السائر، طبع المیرزا محمد الشیرازی، بمبئی ۱۳۰۹ھ۔ المثل السائر فی ادب الکاتب و الشاعر، ضیاء الدّین ابن الأثیر الجزری (۵۸۷-۶۳۷ھ/ ۱۱۹۱-۱۲۳۹ء) کی تصنیف ہے، جس میں عربی کے مشاہیر اہلِ قلم پر سخت لہجے میں تنقید پائی جاتی ہے۔ شروع ذی الحجہ ۶۳۳ھ میں یہ کتاب ابن ابی الحدید کے ہاتھ لگی، اسے پڑھ کر انھیں ایسا جوش آیا کہ دیوانِ خلافت کی مشغولیتوں کے باوجود پندرہ دن میں اس کا جواب لکھ ڈالا۔ الفلک الدائر کی تصنیف سے یہ ادبی معرکہ اَور آگے بڑھا: صلاح الدّین الصّفدی (۶۹۶-۶۹۷-۷۶۴ھ/ ۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۶۲-۱۲۶۳ء) نے اس کی تائید میں نُصرة الثّائِر علی المَثَلِ السّائر لکھی اور رکن الدّین ابُو القاسم محمود بن الحسین بن الامام اوحد الدّین الاصفہانی الاصل السنجاری المؤلد (۵۹۷-۶۵۰ھ) نے جواب الجواب نَشْر المثَل السّائر و طیُّ الفلک الدّائر لکھ کر ابن ابی الحدید کو نیچا دکھانے کی کوشش کی (مقدمة نصرة الثائر)؛ (۳) کتاب العَبْقریّ الحِسَان: تاریخ و شعر اور خود ابن ابی الحدید کے مراسلات، انشا اور منظومات کے انتخاب پر مشتمل؛ (۴) شرح المحصَّل للامام فخر الدّین الرازی؛ (۵) کتابِ نقض المحصول فی علم الأصول للامام الرازی؛ (۶) تعلیقة علی الاربعین للامام الرازی (نصرة الثائر)۔ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مذکورۂ بالا تینوں کتابیں امام فخر الدّین رازی کے ردّ میں ہیں؛ (۷) کتاب الاعتبار علی کتاب الذریعة فی اصول الشریعة للسید المرتضٰی (شرح نَھْجُ البلاغة)، ۴:۹۲)؛ (۸) شرح مشکلات الغرر لأبی الحسن البصری، اصول کلام میں؛ (۹) شرح الیاقوت لابن نوبخت، کلام میں؛ (۱۰) کتاب الوشاح الذَّھبِیّ فی العلم الأربیّ؛ (۱۱) انتقاد المستصفٰی للغزالی، اصولِ فقہ میں؛ (۱۲) الحواشی علی کتاب المفصّل، نحو میں؛ (۱۳) دیوان شعر، جسے دمیاطی (شرف الدّین ابو محمد، عبدالمؤمن بن خلف بن ابی الحسن) نے روایت کیا۔ حضرت علیؓ کی مدح میں ابن ابی الحدید کے سات قصیدے القصائد السبع العلویّات کے نام سے مشہور ہیں (طبع بمبئی)۔ یہ انھوں نے اپنی جوانی میں ۶۱۱ھ میں بمقام مدائن نظم کیے تھے؛ (۱۴) نظم فصِیح ثعلب، ایک دن رات میں ثعلب کی فصیح کو نظم کیا تھا۔ اس کا ایک نسخہ مدراس یونیورسٹی کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے؛ (۱۵) حلّ سیفیّات أبی الطِّیب المتنبّیء، متنبّی کے مشہور ابیات کو حل کر کے اور انھیں نثر کا جامہ پہنا کر، ابن ابی الحدید نے ابن العلقمی کے نام پر ایک کتاب ترتیب دینا چاہی تھی جو ناتمام رہی، البتہ اس کے اقتباسات الفلک الدائر (ص ۴۲ ببعد) میں شامل ہیں؛ (۱۶) مقالات الشیعة، اس میں شیعہ کے غالی فرقوں کا ذکر تھا۔ شرح نَھْجُ البلاغة کی تصنیف کے وقت یہ ناتمام تھی (شرح نَھْجُ البلاغة، ۲:۳۱۰).

مآخذ: (۱) الامام (عبدالرزّاق بن) احمد بن محمد الشعبانی الفُوطِیّ: مجمع الآداب فی معجم الأسماء و الالقاب (ملحق بآخر شرح نَھْجُ البلاغة)، کتاب اور مصنّف کے ناموں کی تصحیح کے لیے دیکھیے مقدمۂ الحوادث الجامعة، صفحہ (ن)؛

(۲) ابن شاکر الکتبی: فوات الوفیات، (بولاق ۱۲۹۹ھ) ۱: ۲۴۸؛ (۳) الصّفدی: نصرۃ الثائر علی المثل السائر، مقدمہ بخطِّ مؤلف، دارالکتب المصریۃ التیموریۃ، شمارہ ۲۸۳ (البلاغہ)؛ (۴) کمال الدین عبدالرزاق محمد بن احمد الفوطی (م ۷۲۳ھ): الحوادث الجامعۃ و التجارب النافعۃ فی المائۃ السابعۃ، بغداد ۱۹۳۰ء؛ (۵) بروکلمان، ۱: ۲۸۲؛ تکملہ، ۱: ۴۹۷.

(سیّد محمد یوسف)

----

* **ابن ابی الدُّنیا**: ابوبکر عبداللہ (عبید اللہ) بن محمد القرشی عرب مصنّف، جو ۲۰۸ھ/ ۸۲۳ء میں پیدا ہوا؛ عبّاسی خلیفہ [المکتفی] کا اتالیق رہا اور ۱۴ جمادی الاُخرٰی [جمادی الاولی، قب الخطیب: تاریخ بغداد، ۱۰: ۹۱، طبع اوّل] ۲۸۱ھ/ ۲۲ اگست ۸۹۴ء کو فوت ہوگیا۔ اس کی کثیر التعداد تالیفات میں سے، جو سب ادب میں تھیں، مندرجۂ ذیل باقی ہیں: (۱) الفرَج بعْد الشِدَّۃ، جو المدائنی کی اسی نام کی کتاب کے نمونے پر لکھی گئی ہے، برلن میں موجود ہے (رک بہ Ahlwardt: *Verzeichnis der ar. Hdss. der Kgl. Bible.*، عدد ۸۷۳۱)، نیز مکتبۂ ظاہریہ دمشق میں (دیکھیے حبیب الزّیات: خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها، قاہرہ ۱۹۰۲ء، ص ۳۰، عدد ۲۰، ۲؛ طبع ہند ۱۳۲۳ھ؛ طبع مکرّر قاہرہ تاریخ ندارد)۔ سیوطی کی تلخیص بعنوان الاَرَج فی انتظار [قب براکلمان: تکملہ، ۱: ۲۴۷؛ ادعیۃ، طبع مطبع ادبیہ، قاہرہ] الفرج [الاَرَج فی الفرَج، قب طبع احمد عبید، مصر ۱۳۵۰ھ] جس میں دوسرے اہم مآخذ بھی استعمال کیے گئے ہیں، ابن قضیب البان [م ۱۰۹۶ھ] کی کتاب حلّ العقِال کے ساتھ تحفۃ [تفریج؛ نیز قب براکلمان: تکملہ، ۱: ۱۸۹، ۲۴۷] المُهَج بتَلْویح الفرَج کے نام سے قاہرہ ۱۳۱۷ھ میں چھپ چکی ہے؛ (۲) کتاب الاشراف، جلد دوم دمشق میں موجود ہے (دیکھیے خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها، ص ۴۰، عدد ۱۳۲)؛ (۳) مکارم الاخلاق، برلن میں موجود ہے (قب Ahlwardt: کتاب مذکور، عدد ۵۳۸۸) (نیز قب عدد ۵۴۳۶، ۲) اور برٹش میوزیم میں، Or. ۷۵۹۵ (دیکھیے *A descriptive List of the Arabic MSS. Acquired by the Trustees since 1895*، لنڈن ۱۹۱۲ء، ص ۶۴)؛ (۴) کتاب العَظَمۃ، عجائب خلق پر، وی اَنا میں موجود ہے (دیکھیے Krafft: *Die arab. Hdss. der k.k. orient. Akademie*، عدد ۴۲۵)؛ (۵) من عاش بعد الموت، میونخ میں موجود ہے (دیکھیے Aumer: *Die. arab. Hdss. der K. Hofund Staatsbibl*، عدد ۸۸۵، ۹)؛ (۶) فضائل عشر ذی الحجۃ، لائڈن میں موجود ہے (دیکھیے *Catal. codd. or. Bibl. Acad. Lugd. Bat.*، عدد ۱۷۴۲؛ C. Landberg: *Catalogue des mss. proven. d'une bibl. privée à al-Médine*، عدد ۵۵)؛ (۷) کتاب العَقْل و فضلِہ، دمشق میں موجود ہے (دیکھیے حبیب الزیّات: وہی کتاب، ص ۲۹، عدد ۱۵)؛ (۸) قِصر الامل (دیکھیے وہی کتاب، ص ۳۳، عدد ۵۰، ۱، ۲؛ نیز دیکھیے مکتبۃ عمومیۃ، ص ۲۹، عدد ۵۰)؛ (۹) کتاب الیقین (دیکھیے وہی کتاب، ص ۳۳، عدد ۵۰، ۳؛ استانبول کو پرولو دفتری، عدد ۳۸۸)؛ (۱۰) کتاب الشُّکر (دیکھیے Houtsma: *Catalogue d'une collection de mss appartenant à la Maisan Brill*، لائڈن ۱۸۸۶ء، عدد ۷۴۴ اور استانبول، نوری عثمانیہ، عدد ۱۲۰۸، قب Rescher: *Zeitschr. d. Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۶۴: ۵۴)؛ (۱۱) کتاب قِری الضَّیْف (دیکھیے Landberg: وہی کتاب، عدد ۵۴)؛ (۱۲) ذَمُّ الدنیا، دمشق میں موجود ہے (دیکھیے الزّیات: وہی کتاب، ص ۳۲، عدد ۴۲، ۱؛ مکتبۃ عمومیّۃ، ص ۲۹، عدد ۴۶)؛ (۱۳) ذَمّ الملاهی، آلاتِ موسیقی کی مذمّت کے بیان میں (دیکھیے Ahlwardt: *Verzeichnis der. ar. Hds. zu. Berlin*، عدد ۵۵۰۴ اور دمشق، دیکھیے الزّیات: وہی کتاب، ص ۳۳، عدد ۵۹، ۲)؛ (۱۴) کتاب الجُوع، دمشق میں موجود ہے (مکتبۃ عمومیۃ، ص ۳۱، عدد ۸۹)؛ (۱۵) ذمُ المُسْکِر، دمشق میں موجود ہے (دیکھیے مکتبۃ عمومیّۃ، ص ۳۰، عدد ۶۰)؛ (۱۶) کتاب الرِقّۃ و البُکاء، دمشق میں موجود ہے (دیکھیے الزّیات، ص ۴۰، عدد ۱۳۲۳)؛ (۱۷) کتاب الصَّمْت، دمشق میں موجود ہے (دیکھیے مکتبۃ عمومیۃ ص ۲۹، عدد ۳۱)؛ (۱۸) قضاء الحوائِج، برلن میں موجود ہے (دیکھیے Ahlwardt: *Verz* ......، عدد ۵۳۸۹)؛ (۱۹) کتاب الهواتِف، قاہرہ میں موجود ہے (دیکھیے فهرست الکتب المحفوظۃ بالکتبخانۃ الخدیویۃ، ۱، ۳۴۸).

مآخذ: (۱) کتاب الفهرست، طبع G. Flügel، ۱: ۱۸۵، (مصر ۱۳۴۸ھ، ص ۲۶۲)؛ (۲) محمد ابن شاکر الکُتبی: فوات الوفیات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ج ۱: [ص ۲۳۶]؛ (۳) A. Wiener، در *Der Islam*، ۴، ۲۷۹ بعد، ۴۱۳ بعد؛ (۴) [الخطیب: تاریخ بغداد، ۱۰: ۸۹].

(براکلمان C. BROCKELMANN)

----

* **ابن ابی دینار**: ابوعبداللہ محمد بن ابی القاسم الرُّعَیْنی القیروانی، ایک عرب مؤرّخ۔ ۱۱۱۰ھ/ ۱۶۹۸ء میں یا ایک مخطوطے کے بیان کے مطابق ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء میں اس نے ایک تاریخ لکھی، جس کا نام المؤنس فی اخبار افریقیۃ و تونس ہے۔ اس کے دیباچے میں وہ ذکر کرتا ہے کہ یہ کتاب آٹھ حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں تونس کا بیان ہے، دوسرے میں افریقیہ کا حال ہے، تیسرے میں مسلمانوں کی فتح افریقیہ کا ذکر ہے، چوتھے میں عبیدیوں کی تاریخ ہے، پانچویں میں صِنْہاجہ کے حالات ہیں، چھٹے میں بنوحَفْص کے وقائع ہیں، ساتویں اور آٹھویں میں ترکوں کی حکومت کی تاریخ ہے۔ آخری باب میں تونس کے سب سے آخری واقعات کی بحث ہے۔ یہ کتاب تونس میں ۱۲۸۶ھ میں طبع

ہوئی اور ۱۸۴۵ء میں پیرس میں اس کا ترجمہ Pellissier اور Rémusat نے فرانسیسی زبان میں کیا.

مآخذ: (۱) Roy: *Extr. du Catal. des Manuscrits de la Bibl. de la Grande Mosquée de Tunis*، (تونس ۱۹۰۰ء) عدد ۴۹۶۰، ص ۵۰؛ (۲) براکلمان: *Gesch. d. arab. Lit.*، ۲: ۴۵۷.

(René Basset)

----

* **ابن ابی الرِّجَال:** جس کا پورا نام ابوالحسن علی بن ابی الرِّجال ہے، ایک عرب مُنَجّم تھا، جس کا ذکر قرونِ وسطٰی کے یورپ میں البُوہازِن (Albohazen) (نیز اَلبُواسن Alboacen) یا ابِنراجل (Abenragel) کے ناموں سے اکثر آیا ہے۔ یہ بات غیر یقینی ہے کہ آیا وہ اندلس (قُرطبہ) کا رہنے والا تھا یا شمالی افریقیہ کا۔ ہمیں صرف اسی قدر معلوم ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا ایک حصّہ زِیری خاندان کے سلطان مُعِزّ بن بادِیس المنصور (۴۰۶ - ۴۵۴ھ/ ۱۰۱۶ - ۱۰۶۲ء) شاہ تونس کے دربار میں گزارا۔ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ یہ وہی شخص ہو جس نے ابوالحسن المغربی کے نام سے نجوم کے ان مشاہدات میں حصّہ لیا تھا جو ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء میں بغداد میں شرف الدّولہ بویہی کے حکم سے ابوسہل وَیجَن بن رُستم الکُوہی کی نگرانی میں کیے گئے تھے۔ اس کی علمِ نجوم پر سب سے بڑی تصنیف میں ایک پیش گوئی ہے جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ نواح ۱۰۴۰ء سے پہلے فوت نہ ہوا ہوگا۔ اس کتاب کا نام البارِع فی احکامِ النُّجوم ہے اور اب تک عربی زبان میں مختلف کتب خانوں میں ملتی ہے (برٹش میوزیم، انڈیا آفس، پیرس، برلن، اسکوریال وغیرہ)۔ یہودا بن موسٰی (Jehuda b. Moses) (۱۲۵۶ء) نے اس کا عربی زبان سے ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کے جلد ہی بعد ارجیڈیئس ڈی طِبَلدِس (Aegidius de Tebaldis) اور پطرس ڈی ریجیو (Petrus de Regio) نے ہسپانوی زبان سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ یہ لاطینی ترجمہ کئی بار طبع ہوا۔ سب سے پہلی بار ۱۴۸۵ء میں وینس میں *Praeclarissimus liber Completus in Judics astrorum, quem edidit Albohazen Haly filius Abenragel, etc.* کے نام سے چھپا تھا۔ اس نے علم نجوم پر ایک اُرجوزہ بھی لکھا تھا، جس پر احمد بن الحسن بن القُنفُذ القُسطَنطِینی نے ۱۳۷۳ء میں ایک شرح لکھی؛ اِسکوریال، برٹش میوزیم، اوکسفرڈ، قاہرہ).

مآخذ: ابن القِفطی (طبع Lippert)، ص ۳۵۳؛ (۲) Wüstenfeld: *Übersetz. arab. Werke in das Lateinische seit dem II. Jahrh.*، ص ۸۹؛ (۳) Steinschneider: *Vite di matematici arabi tratte da un' opera inedita di Bernardino Baldi, etc.*، در *Bullettino di bibliografia e di storia delle scienze mat. e fis. di Boncompagni*، ۵: ۴۹۳-۵۰۸، Estratto ۱۸۷۳ء، ص ۶۷-۸۲؛ (۴) وہی مصنف: *Dei hebr. Übersetz. des Mittelalters*، برلن ۱۸۹۳ء، ص ۵۷۸-۵۸۰؛ (۵) Suter: *Abhandl. z. Gesch. d. Math. Wissensch.*، ۱۰: ۱۰۰؛ ۱۴: ۲: ۱۷۲ ببعد.

(H. Suter)

----

* **ابن ابی الرِّجال:** احمد بن صالح، عرب مؤرّخ، فقیہ اور شاعر، جو یمن کا زیدی شیعہ تھا۔ شعبان ۱۰۲۹ھ/ جولائی ۱۶۲۰ء میں الشَّبط میں، جو بلاد الذُّری ضلع الاَہْنُوم میں واقع ہے، پیدا ہوا اور بدھ کی رات، ۶ ربیع الاوّل ۱۰۹۲ھ/ ۲۵-۲۶ مارچ ۱۶۸۱ء کو باسٹھ برس اور سات ماہ کی عمر پا کر فوت ہوا۔ اسے الروضۃ میں (جو صنعا کے شمال میں ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے) اپنے مملوکہ مکان کے قریب دفن کیا گیا۔ اس کی ساری زندگی یمن میں گزری۔ شِہار، صَعدَہ، تَعِزّ، اِبّ، الحُرَجہ اور صنعا میں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم پائی اور سب زیدی علما کا اور ان کے علاوہ ایسے شافعی، حنبلی یا مالکی علما کا بھی شاگرد رہا جو یمن میں سکونت رکھتے تھے یا وہاں آتے جاتے رہتے تھے، بالخصوص احمد بن احمد المالکی الشّابی القیروانی کا (م ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۰۶۴ھ/ ۱۰ اپریل ۱۶۵۴ء بمقام صنعا، جہاں وہ اقلیدس کی تقویم کی شرح لکھ رہا تھا)۔ بالآخر وہ صنعا میں سکونت پذیر ہوگیا، جہاں امام المتوکّل علی اللہ اسمٰعیل بن المنصور باللہ القاسم (م ۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۷ء) نے اُسے اپنے عہدِ حکومت (۱۰۵۵-۱۰۸۷ھ/ ۱۶۴۵-۱۶۷۷ء) کے لیے خطیبِ صنعا اور کاتب کا عہدہ بھی تفویض کیا تھا۔ اس کے فرائض میں سرکاری دستاویزیں تیار کرنا اور ان دینی اور فقہی استفسارات کے جوابات لکھنا شامل تھا جو امام کے سامنے پیش کیے جاتے تھے۔ [شوکانی: البدر الطالع، ۱: ۶۰ کی رائے میں اس کی نظم و نثر متوسّط درجے کی تھی].

تالیفات: ۱- اس کا شاہکار مطلع البدور و مجمع البحور ایک معجم تراجم (Biographical dictionary) ہے، جسے حروفِ ہجا کے مطابق مرتّب کیا گیا ہے۔ یہ معجم عراق و یمن کے ۱۳۰۰ نامور زیدی اشخاص، یعنی حضرت زید بن علی (م ۱۲۱ھ/ ۷۳۹ء) کی اولاد و احفاد سے لے کر مؤلّف کے معاصرین تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ مدّت سے خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کتاب ناپید ہوگئی ہے اور صرف المُحِبّی کے اقتباسات (خلاصۃ الأثر [کذا، الآثار]، ۱: ۲۲۰ اور Wüstenfeld: *Geschichtschr.*، عدد ۵۸۳) سے اس کا پتا چلتا تھا، لیکن حال ہی میں کتاب کا ایک مکمّل نسخہ مِیلان میں دستیاب ہوگیا ہے (دیکھیے Griffini: *Lista dei Manoscritti arabi nuovo fondo della Biblioteca Ambrosiana*، در *Riv. degli Studi orient.*، ۴: ۱۰۴۶-۱۰۴۸، مقالۂ مذکور کے اعداد ۲۵۴-۲۵۶۔ ان میں سے اٹھارہ اشخاص کے تراجم Griffini نے اس سے پہلے اپنے ایک مقالے

بعنوان I manoscritti Sudarabici di Milano، در Riv. d. Stud. Or.، ۲: ۱-۳۸، ۱۳۳-۱۶۶؛ ۳: ۶۵-۱۰۴ میں شائع کیے ہیں)۔ مصنّف نے اپنی مطلع البدور کی تالیف کے لیے متفرق کتبِ سیر سے استفادہ کیا تھا، جو اب محض نامکمل شکل میں میلان، برلن اور لنڈن کے ذخائر مخطوطات میں موجود ہیں، بالخصوص احمد بن عبداللہ بن الوزیر کی تأریخ آل الوزیر، الاَہْدَل کی التحفة فی علماء الزیدیة، ابن فَنْد کی اللواحق الندیة، الحاکم کی العیون فی رجال الزیدیة اور یحیٰی بن المہدی الحسنی صاحبِ طبقات الزیدیة کی صلة الاخوان وغیرہ سے؛ مگر وہ ہمیشہ احتیاط سے ان باتوں کی جانب توجّہ منعطف کرا دیتا ہے جن کے بارے میں مستعملہ مآخذ میں اختلاف ہے یا جو ان تاریخی روایات کے مطابق نہیں ہیں جو اس کے اپنے زمانے تک یمن میں چلی آتی تھیں۔ علاوہ ازیں اُسے جنوبی عرب کے اُن علاقوں کے جغرافیے اور آثارِ قدیمہ سے اچھی واقفیت تھی جن میں اس نے سیر و سیاحت کی تھی اور اس لیے اس کی کتاب مطلع البدور میں ایسی معلومات موجود ہیں جو یمن کے مسکوکات اور کتبات کے مطالعے کے لیے بھی اہمیّت رکھتی ہیں۔ ۲۔ اسی طرح ابن جَلال کی المُشَجَّر (زیدی اماموں کے نسب نامے) پر اس کا حاشیہ بھی زیدی فرقے کی تاریخ سے متعلّق ہے (مؤلّف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا مخطوطہ میلان کے مکتبۂ امبروزیانا (Ambrosiana) میں موجود ہے، دیکھیے Riv. d. St. Or.، ۳: ۵۸۰)۔ ابن ابی الرِّجال کی سیرت جو امبروزیانا، n. f. ۱۳۲ B. میں محفوظ ہے، دیکھیے Riv. d. St. Or.، ۴: ۱۰۴۷-۱۰۴۸، میں یہ کتابیں بھی مذکور ہیں: ۳۔ تَیْسِیر الاَعلام بتراجم اَئمّة التفسیر الاعلام (مفسّرین قرآن کے سوانح حیات) نیز اس کے اپنے خاندان کے نسبی کوائف بعنوان انباء الابناء بطریقة سَلَفِهِم الحُسْنَی، جامع لِنَسب آلِ ابی الرِّجال۔ اس کی دیگر تصانیف یہ ہیں: ۴۔ اِعلام المُوالی بکلام ساداتِه الاعلام المَوالی، [حضرت] علیؓ کی امامت کے ثبوت و تائید میں ایک رسالہ (مخطوطہ برٹش میوزیم، قبّ ریو (Rieu): Suppl.، عدد ۲۱۷، ii؛ ۵۔ تفسیر الشریعة لِوُرّاد الشَریعة، فرقۂ زیدیہ کے عقائد کی حمایت میں ایک رسالہ (مخطوطہ برٹش میوزیم، قبّ ریو (Rieu): Suppl.، عدد ۲۱۷، i۔ اسی موضوع پر ان کتابوں میں بھی بحث کی گئی ہے: ۶۔ الریاض الندیّة فی أنّ فرقة الناجیة هم الزیدیة (مکتبۂ امبروزیانا (Ambrosiana)، n.f.، ۱۳۳ B.، ورق ۱۳ الف)؛ اور (۷) الموازین، یہ رسالہ مذکورۂ بالا المتوکّل اسمٰعیل بن المنصور باللہ القاسم کی کتاب العقیدة الصحیحة کی شرح ہے، جو امام مذکور نے زیدیوں کے عقائد پر لکھی تھی (مکتبۂ Ambros.، ۱۳۳ B.، ورق ۱۳ الف؛ ۸۔ حاشیة علی الأزهار (زیدی فروع پر ایک مقالہ قبّ براکلمان، ۲: ۱۸۷)، جو باب الوضو پر ختم ہوتا ہے؛ ۹۔ المجالس؛ ۱۰۔ الوَجْه الأوجَه فی حکم [الزوج] الذی ضیّع الزَوجة؛ ۱۱۔ مجازُ من اَرادَ الْحقیقة؛ ۱۲۔ الهدیّة الی من نُخَب؛ ۱۳۔ بُغْیة الطّالِب و سؤلُه؛ ۱۴۔ الجواب الشافی الی عبدالعزیز الضَّمَدی؛ ۱۵۔ تذکرة القلوب التی فی الصدور فی حیاة الاجسام التی فی القبور؛ ۱۶۔ مختلف موضوعات پر بہت سے رسائل؛ ۱۷۔ اس کے بھائی نے اس کا دیوان جمع کیا ہے اور اس کے سوانح حیات میں اس کے اشعار کے نمونے بھی درج کیے ہیں۔ سوانح حیات میں اُن سینتالیس علما کی فہرست کے علاوہ جن سے ابن ابی الرِّجال نے مراسم برقرار رکھے ہیں اجازت یا اسناد کا مکمل متن بھی ملتا ہے، جن کی رو سے حامل اجازہ کو ان تمام علوم کی تدریس و تعلیم کا حق مل جاتا ہے جو اس نے خود سیکھے ہوں (دیکھیے امبروزیانا (Ambrosiana)، Nuova Fondo، ۱۳۲ B.، ورق ۲ الف تا ۱۱ ب)؛ نیز Riv. d. st. Orient، ۴: ۱۰۴۷ بعد)۔

مآخذ: (۱) [البدر الطالع، ۱: ۵۹-۶۱]؛ (۲) E. Griffini: *Lista dei Manoscritti arabi nuovo fondo della Biblioteca Ambrosiana di Milano*، در *Riv. degli Studi Orient.*، ۴: ۱۰۴۶-۱۰۴۸، عدد ۲۵۴-۲۵۶؛ (۳) براکلمان ۲: ۴۰۶؛ [تکملہ، ۲: ۵۶۱]۔

(E. GRIFFINI)

----

* **ابن ابی رَنْدَقَہ**: الطُّرْطُوشی، ابوبکر محمد بن الولید بن محمد بن خَلَف بن سلیمان بن ایّوب الفِہری، جو الطُّرطُوشی اور ابن ابی رندقہ کے نام سے مشہور ہے (ابن فَرحُون رندقہ کو بضمّ اوّل پڑھتا ہے)، علم فقہ اور حدیث کا ایک عرب استاد، نواح ۴۵۱ھ/ ۱۰۵۹-۱۰۶۰ء) میں طُرطُوشہ میں پیدا ہوا اور شعبان ۵۲۰ھ/ ۲۲ اگست - ۱۹ ستمبر ۱۱۲۶ء میں انتقال کیا؛ یا ایک اور بیان کے مطابق اس کا انتقال جمادی الاولی ۵۲۵ھ/ اپریل ۱۱۳۱ء میں ۷۵ سال کی عمر میں ہوا۔ پہلے اپنے پیدائشی شہر ہی میں اور پھر سَرَقُسْطَہ (Saragossa) میں قاضی ابوالولید سلیمان بن خَلَف الباجی سے فقہ و ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳ء میں حج بیت اللہ سے مشرّف ہوا اور اس کے بعد بغداد، بصرہ، دمشق اور بیت المقدس میں تعلیم و تعلّم کے سلسلے میں سفر کیا؛ واپس آنے پر کچھ عرصہ قاہرہ میں مقیم رہا اور پھر اسکندریہ میں حدیث و فقہ کے استاد کی حیثیت سے مقیم ہو گیا۔ اس نے اپنی تمام عمر ایک پرہیزگار زاہد کی طرح قناعت کے ساتھ فقر و فاقہ میں گزار دی۔ مشرق میں اس کے اساتذہ میں ابوبکر محمد ابن احمد بن الحسین الشاشی اور ابوعلی احمد بن علی التُستَری قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے مشہور ترین تلامذہ میں ابوبکر ابن العربی، ابوعلی الصّدَفی اور المہدی ابن تُومَرت شامل ہیں اور چونکہ قاضی عیاض نے بھی طُرطُوشی سے اجازہ حاصل کیا تھا اس لیے اس کے تلامذہ کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

اس کے سوانح نگار جو بارہ تصانیف اس کے نام سے منسوب کرتے ہیں ان میں سے صرف تین کا حال ہمیں معلوم ہے یعنی: (۱) تَحرِیمُ الاِسْتِمْناء، ایک چھوٹا سا رسالہ جس میں جلق کے عدم جواز کو ثابت کیا ہے (برلن، Ahlwardt:

Verz، شمارہ ۴۹۸۱)؛ (۲) الکَشْفُ و البَیَان عَنْ تفسیر القُرآن، مصنّفۂ ابواسحٰق احمد بن محمد الثَّعْلبی النِیشَاپُوری کا خلاصہ (قاہرہ، کتب خانۂ خدیویہ، فہرست: ۱: ۲۰۹)؛ (۳) سِراجُ المُلُوک، سیاست اور امور سلطنت کے متعلّق ایک قسم کا رسالہ، جو ۶۴ ابواب میں خاصی دلچسپ کہانیوں کے ایک بہت بڑے مجموعے پر مشتمل ہے (قبّ Th. Zachariae: *Die Weisheitssprüche des Šānāq bei at-Tortūšī*، در *Wien. Zeitschr. f. d. Kunde d. Morgenl.*، ۲۸: ۱۸۲ ببعد)۔ یہ کتاب ۱۴ رجب ۵۱۶ھ/ ۱۸ ستمبر ۱۱۲۲ء کو فُسطاط کے مقام پر مکمّل ہوئی اور اس نے اسے اپنے مربّی وزیر المأمون ابومحمد بن البطائحی الاموی کے نام سے مُعَنوَن کیا (بولاق ۱۲۸۹ھ، قاہرہ ۱۳۱۹ھ).

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفیات الاعیان (قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۴۷۹ طبع Wüstenfeld، عدد ۶۱۶ میں غلطی سے ابن ابی زَنْدَقہ)؛ (۲) ابن فَرحُون: الدِّیبَاج [المُذَهَّب] فی مَعْرِفَة اَعْیان عُلماء المَذْهب (فاس ۱۳۱۶ھ)، ص ۲۵۰؛ (۳) اَلمَقَّرِی: نفحُ الطِّیب (قاہرہ ۱۳۰۲ھ)، ۱: ۳۶۲؛ (۴) اَلسُّیوطی: حُسْنُ الْمُحَاضَرَة (قاہرہ ۱۳۲۱ھ)، ۱: ۲۱۳؛ (۵) اَلضَّبّی: بُغیَة المُلْتَمِس، ص ۱۲۵، عدد ۲۹۵؛ (۶) ابن بَشکُوال: الصِّلَة، ص ۵۱۷، عدد ۱۱۵۳؛ (۷) Dozy: *Recherches*، طبع سوم، ۲: ۲۳۴-۲۴۹؛ (۸) یاقوت: مُعْجَمُ البُلْدان، ۳: ۵۲۹، بذیل مادّۂ طُرطُوش؛ (۹) وُسْٹِنْفِلْٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber der Araber*، ص ۷۷، عدد ۲۲۹؛ (۱۰) Quatremère، در *JA*، ۱۸۶۱ء؛ (۱۱) ابن خَلْدُون: مُقدِّمة، ترجمۂ de Slane (*19 'Not. et Extr.*)، ۱: ۸۲؛ (۱۲) ابن تَغْرِی بِرْدِی: النُّجوم الزّاهِرة، طبع Popper، ص ۳۸۵؛ (۱۳) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliographico*، ص ۱۸۱، عدد ۱۵۰؛ (۱۴) *Mémoires de l'acad. de St. Pétersb.*، سلسلۂ ششم، حصّۂ سائنس، سیاسیات، تاریخ و فلسفہ، ج ۲ (۱۸۳۴ء)؛ ص ۹۲؛ (۱۵) *Bull. scient.*، ج ۳ (۱۸۳۸ء): S: ۶۳؛ (۱۶) *Bul. hist.-phil.*، ۳: ۲۲۱؛ ۴: ۳۳۸؛ (۱۷) Wüstenfeld: *Gesch. der Fatimiden-Chalifen*، ص ۲۸۹، ۲۹۱؛ (۱۸) محمد بن شنب: *Etude sur les personnes ment. dans l' ldjāza de Sīdī' Abdel Qādir al-Fāsī*، عدد ۱۳۳؛ (۱۹) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۵۹؛ ۲: ۷۰۳ نیچے [تکملہ، ۱: ۸۲۹]؛ (۲۰) Huart: *Arabic Literature*، ص ۲۸۷.

(محمد بن شنب)

----

* **ابن ابی زَرْع:** ابوالحسن (بشکل دیگر ابوعبداللہ علی) الفاسی، المغرب کا ایک مؤرّخ، جس نے دو کتابیں تصنیف کی ہیں: ایک کا نام زُهْرَةُ البُسْتَان فِیْ اَخْبَارِ الزَّمَان ہے، جو بظاہر ضائع ہوچکی ہے اور دوسری اَلاَنِیْسُ المُطْرِب بِرَوضِ [بروضَة، قبّ براکلمان: تکملہ، ۲: ۳۳۹] القِرْطاس فی اَخْبَارِ مُلُوکِ المَغْرِب و تأرِیخِ مدینةِ فاس۔ مصنّف کی زندگی کے حالات ہمیں بالکل معلوم نہیں۔ اسے ابومحمد صالح بن عبدالحلیم الغَرْناطی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تصنیف، جو عہد ادریسی سے شروع ہوتی ہے، مَرّاکُش کی تاریخ کے سلسلے میں ۷۲۴ھ/ ۱۳۲۴ء تک کے حالات کے لیے بے حد اہمّ ہے اور غالبًا یہ مصنّف [موجود ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۶ء، قبّ براکلمان: تکملہ، ۲: ۳۳۹] کی تاریخ وفات سے زیادہ پہلے کی نہیں ہے۔ اس کا حوالہ بعض اوقات ابن خَلْدُون نے بھی دیا ہے۔ اس نے اکثر ان کے ناموں کا ذکر کیے بغیر کئی ایک مستند تصانیف سے استفادہ کیا ہے اور بظاہر، کم از کم بنومرین کے دورِ حکومت کے ذکر میں، شاہی دستاویزات سے بھی۔ محمد بن قاسم بن زاکُور (م ۲۰ محرّم ۱۱۲۰ھ/ ۱۱ اپریل ۱۷۰۸ء) کی تصنیف اَلمُعْرِبُ المُبِیْن عَمّا تَضَمَّنَهُ الاَنِیْسُ المُطْرِب و رَوْضَةِ النَسْرِین اسی کتاب پر مبنی ہے (یا اس نے اسے ازسرِنو لکھا ہے) (اَلعَلَمی: الأنیس المُطْرِب، فاس ۱۳۱۳ھ، ص ۲۸)۔ اسے پہلی مرتبہ تورن برگ (Tornberg) نے بعنوان *Annales regum Mauritaniae* لاطینی ترجمے اور حواشی کے ساتھ شائع کیا، Upsala، ۲ جلد، ۱۸۴۳-۱۸۴۶ء؛ اور فاس میں پتھر پر بھی چھپی (۱۳۰۳ھ [۱۳۰۷ھ، ۱۳۱۳ھ])۔ ڈمبے (Dombay) نے اس کا ایک بہت ہی غیر تسلّی بخش ترجمہ جرمن زبان میں بنام *Geshichte der mauritanischen Könige* کیا، Agram ۱۷۹۴-۱۷۹۷ء؛ پرتگیزی زبان میں Moura نے بنام *Historia dos soberanos mohametanos*، لِزبن ۱۸۲۴ء؛ فرانسیسی میں Beaumier نے بعنوان رَوض القِرْطاس: *Histoire des souverains du Maghreb*، پیرس ۱۸۶۰ء۔ متن کا کچھ حصّہ *Crestomatia arabigo-española*، مصنّفۂ Simonet و Lerchundi، غرناطہ (Grenade) ۱۸۸۱ء، شمارہ ۶۴ میں منقول ہے۔ اس کا ایک نیا ایڈیشن فرانسیسی ترجمے کے ساتھ [۱۹۲۷ء میں تیار ہو رہا تھا].

مآخذ: مذکورۂ بالا ترجموں کے دیباچوں کے علاوہ (۱) ابوالعبّاس احمد الحلبی: الدُّرُ النّفِیس (فاس ۱۳۱۴ھ)، ص ۱۷؛ (۲) Wüstenfeld: *Die Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۳۹؛ (۳) Gayangos: *The History of the Mohammedan Dynasties* (لنڈن ۱۸۴۰-۱۸۴۵ء)، ۲: ۵۱۶؛ (۴) باسے (R. Basset): *Recherches bibliographiques sur les sources de la Salouat el-Anfās* (الجزائر ۱۹۰۵ء)، ص ۱۲-۱۳؛ (۵) براکلمان (Brockelmann): *Gesh. d. arab. Litt.*، ۲: ۲۴۰-۲۴۱؛ [تکملہ، ۲: ۳۳۹].

(رینے باسے RENÈ BASSET)

----

* **ابن ابی زَید القَیرَوانی:** ابومحمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن، ایک مالکی فقیہ۔ وہ نَفُزَہ کے ایک خاندان کے فرد تھے اور اسی لیے النَّفَزِی [النَفْزاوِی] کی نسبت سے مشہور ہیں۔ وہ قیروان میں ۳۱۰ھ/ ۹۲۲-۹۲۳ء میں پیدا ہوئے

تھے اور ۳۰ شعبان ۳۸۶ھ/۱۴ ستمبر ۹۹۶ء کو وہیں ان کا انتقال بھی ہوا اور انھیں ان کے اپنے ہی مکان میں دفن کیا گیا۔

انھوں نے نثر اور نظم کے ذریعے اپنے مذہب کی پُرزور حمایت کی اور غالبًا وہ سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے اصولِ فقہ وضاحت کے ساتھ بیان کیے، اسی لیے وہ مالکِ اصغر کہلاتے تھے اور اب تک انھیں مسائلِ دین میں سند مانا جاتا ہے۔ ان کے اساتذہ نہ صرف افریقہ میں بلکہ مشرق میں بھی بے شمار تھے، جن سے انھوں نے سفرِ مکّہ کے دوران میں استفادہ کیا۔ ہم ان میں سے یہاں چند ایک کا ذکر کرتے ہیں: ابوبکر [محمد] بن محمد ابن اَللّبّاد، جو ان کی بہترین سند ہیں، [ابوالفضل قیسی، محمد بن مسرور]، ابوالحَسَن حَسَن بن محمد الخَولانی، ابوالعَرَب محمد بن احمد بن تمیم، محمد بن موسیٰ القطّان، ابن العَرَبی اور دوسرے علما۔ انھیں اپنے زمانے کے مشہور ترین اساتذہ سے اجازہ ملا تھا۔ ان کے شاگردوں میں ابوالقاسم البَرادِعی، ابن الفَرَضی وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ ان کی تیس تصانیف میں سے، جن کا ذکر ان کے سوانح نگار کرتے ہیں، صرف مندرجۂ ذیل کتابیں اب تک باقی ہیں: (۱) الرِسالَۃ، مالکی اصولِ فقہ کا خلاصہ، جس کی تکمیل ۳۲۷ھ/۹۳۹ء میں ہوئی۔ یہ رسالہ کئی بار قاہرہ میں طبع ہو چکا ہے، طبع رُسّل (A. D. Russell) و عبداللہ المامون السہروردی: *First Steps in Muslim Jurisprudence consisting of excerpts from Bākūrat al-Sa'd of Abu Zayd, Arabic text, English transl. notes, and Short histor. and biogr. introd.*، لنڈن ۱۹۰۶ء؛ فانیان (Fagnan): *La Risala de Kayrawani*، فرانسیسی ترجمہ، پیرس ۱۹۱۴ء؛ (۲) احادیث کا ایک مجموعہ [قاضی ابومحمد نے اس کی شرح لکھی تھی]، برٹش میوزیم، *Cat. Cod. MSS. Or.*، عدد ۸۸۸، viii؛ (۳) آنحضرتؐ کی شان میں ایک نعت، برٹش میوزیم، *Cat.*، عدد ۱۶۱۷، xi.

مآخذ: (۱) ابن فَرحُون: الدِیباج، فاس ۱۳۱۶ھ، ص ۱۴۰ [طبع مصر ۱۳۳۰ھ، ۱: ۱۳۶]؛ (۲) قاضی عیاض: مُختَصَر المَدارِک (مقالہ نگار کا قلمی نسخہ)، ورق ۲۴۰؛ (۳) ابن قُنفُذ: طبقات (مقالہ نگار کا قلمی نسخہ)، ورق ۲ب؛ (۴) ابن ناجی: مَعالِم الایمان، تونس ۱۳۲۰ھ، ۳: ۱۳۵-[۱۵۱]؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۷۷؛ [تکملہ، ۱: ۳۰۱]؛ (۶) محمد بن شنب: *Etude sur les pers. ment. dans l' Idjaza du Cheik Abdel Qādir Al-Fāsy*، عدد ۳۲۲؛ (۷) Russell و سہروردی: *Muslim Jurispr., Prologue*.

(محمد بن شنب)

---

* **ابن ابی طاہر طَیفُور ابو الفضل احمد:** ایک عرب ادیب اور مؤرخ، ۲۰۴ھ/۸۱۹ء میں بغداد میں پیدا ہوا اور ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں وہیں فوت ہوا۔ وہ خراسان (مَروَ الرُّوذ) کے ایک ایرانی خاندان سے تھا۔ یہ خاندان عبّاسیوں کے مخلص اور وفادار ساتھیوں (اَبناءُ الدّولۃ) میں سے تھا۔ ابن ابی طاہر پہلے مدرّس رہا، اس کے بعد رؤساء کے خاندانوں میں اتالیقی کا کام کرتا رہا اور آخرکار مخطوطات نقل کرنے کا کام اختیار کیا، جس کے لیے اس نے سُوقُ الورّاقین میں ایک دکان کھول لی تھی۔ اس نے ایک کتاب سرقۂ مضامین پر سَرِقات الشُعَراء کے نام سے لکھی تھی، جو اب ناپید ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے کئی لوگ اس کے دشمن ہو گئے، جنھوں نے اس پر چھچھورپن، فضول گوئی اور عربی صرف و نحو سے پورے طور پر واقف نہ ہونے کا الزام لگایا۔ المَسعُودی (مُرُوج، ۷: ۳۳۳) اس کے اشعار کا بڑا مدّاح ہے، جن میں سے چند ایک اس نے نقل بھی کیے ہیں اور خطیب البغدادی اس کے علم و فضل کی تعریف کرتا ہے۔ اس کے والد کے لقب طَیفُور کے معنی پھدکنے والی چڑیا ہیں، اگر اسے فارسی قدیم کے لفظ "تکہ پُتھرا" ("تاج کا بیٹا") سے مشتق نہ سمجھا جائے۔ اس کی تصنیف تأریخ بغداد کی صرف چھٹی جلد محفوظ رہ گئی ہے، جس کا واحد نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ یہ کتاب پتھر پر چھپ چکی ہے اور Dr. H. Keller نے اس کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے (لائپزگ ۱۹۰۸ء)۔ یہ شہر بغداد اور سلطنت عباسیہ کی ۲۰۴ھ/۸۱۹ء سے لے کر خلیفہ المامون کی وفات، یعنی ۲۱۸ھ/۸۳۳ء تک کی تاریخ ہے، اور تاریخ طبری کے مآخذ میں سے ہے۔ اس کی ایک اَور تصنیف کتاب المنثور و المنظوم نظم و بلاغت کی ایک بیاض ہے، جس کے کل تیرہ حصّوں میں سے گیارھواں (بلاغة النساء و ظرائف کلامِهنّ وغیرہ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ) اور بارھواں حصّہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس کی دوسری پینتالیس تصانیف ضائع ہو چکی ہیں۔

مآخذ: (۱) [ابن ندیم:] الفہرست، ص ۱۴۶ [طبع فلوگل]؛ [(۲) یاقوت: ارشاد، ۱: ۱۵۲ ببعد]؛ (۳) F. Wüstenfeld: *Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۷۸؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۳۸؛ [تکملہ، ۱: ۲۱۰]؛ (۵) Cl. Huart: *JA*، سلسلۂ دہم، ج ۱۳، ۱۹۰۹ء: ص ۵۳۳.

(CL. HUART)

---

* **ابن اَبی عامر:** رکّ بہ المنصور.

---

* **ابن ابی العَوجاء:** عبدالکریم، مشہور و معروف مَعن بن صاعِدہ [کذا، زائدہ] کا ماموں تھا۔ وہ در پردہ مانی کے مذہب کا پیرو تھا اور اس بنا پر اسے محمد بن سلیمان گورنر کوفہ نے قید کر لیا اور بعد میں، یعنی ۱۵۵ھ/۷۷۲ء میں، خلیفہ کی منظوری حاصل کیے بغیر قتل کرا دیا۔ بعض مآخذ میں مذکور ہے کہ اس کی پاداش میں گورنر کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب اسے مقتل میں لے جا رہے تھے تو اس نے فخریہ طور پر یہ کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں ایسی اختراع کی ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے اوامر و نواہی کے بالکل خلاف ہیں، مثال

کے طور پر کہا جاتا ہے کہ اس نے [حضرت] امام جعفر صادق[رض] [رک بآن] کے نام سے روزۂ ماہِ رمضان کے آغاز کی ایک جنتری بنا لی تھی، حالانکہ اس کے متعلق مسلّمہ قانون سے ہر شخص واقف ہے، یعنی جب تک چاند نظر نہ آئے روزۂ رمضان شروع نہیں ہوتا۔ البتہ [کہا جاتا ہے] کہ شیعہ مذہب کے بعض فرقوں میں نئے چاند کی تعیین حساب جوڑ کر کی جاتی ہے، قب Zeitschr der Deutsch. Morgenl. Gesellsch.، ۶۸: ۴۰۶۔ [نیز دیکھیے رسائل ابی نصر منصور بن عراقی الی البیرونی، طبع اوّل، حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء، مقالہ ''رؤیۃ الاھلّہ''، ص ۲ بعد].

مآخذ: (۱) الطبری، لائڈن، ۳: ۳۷۵ بعد؛ (۲) [ابن الندیم:] الفہرست [طبع فلوگل]، ص ۳۳۸؛ (۳) البیرونی: [ترجمۂ انگریزی] Chronology of Ancient Nations، ص ۸۰، (متن ۶۷ بعد)؛ (۴) الشہرستانی، ترجمہ از Von Haarbrücker ۲: ۴۱۹؛ (۵) البغدادی: الفَرق بین الفِرَق، طبع محمد بدر، ص ۲۵۵ بعد؛ (۶) Horten: Die philosoph. Systeme, etc.، ص ۱۵۵.

----

* **ابن الاثیر:** تین بھائیوں کا نام، جو [عراق کے] جزیرۂ ابن عمر [رک بآن] کے رہنے والے تھے اور جن کا شمار عرب کے ناموَر اور اہم ترین فضلا اور مصنّفین میں ہوتا ہے.

(۱) سب سے بڑا بھائی مجد الدّین ابو السّعادات المبارک بن محمد تھا۔ وہ ۵۴۴ھ/ ۱۱۴۹ء میں [جزیرۂ ابن عمر میں] پیدا ہوا اور بمقام موصل [۳۰ ذوالحجہ] ۶۰۶ھ/ [۲۶ جون ۱۲۱۰ء] میں انتقال کر گیا [اور اپنے رباط میں دفن ہوا] (قب ابن الاثیر: کامل، ۱۲: ۱۹۰)۔ اس نے اپنی زیادہ تر توجّہ قرآن [حکیم] حدیث [شریف] اور عربی صرف و نحو کے مطالعے پر مرکوز رکھی۔ اس کی تصانیف کے نام ابن خلّکان (وَفَیات، طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۵۲۴،) [بولاق ۱۲۹۹ھ، ص ۵۵۷ بعد] کے علاوہ یاقوت: ارشاد الأریب، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، ۶: ۲۳۸ بعد اور براکلمان (۱: ۳۵۷؛ تکملہ، ۱: ۶۰۸ بعد) نے دیے ہیں۔ [ان میں سے زیادہ مشہور جامع الاصول فی احادیث الرسول، جس کی تلخیص ابن الرّبیع نے کی تھی اور النہایۃ فی غریب الحدیث و الآثار ہیں۔ اس کی ایک کتاب الانصاف فی الجمع بین الکشف و الکشّاف بھی ہے، جو ۱۹۲۶ء میں میرٹھ میں چھپ چکی ہے]۔ اس نے عربی صرف و نحو ابن الدّھان سے موصل میں پڑھی اور حدیث بغداد میں۔ بعد ازاں وہ امیر قَیماز کی ملازمت میں داخل ہو گیا، جو عرصۂ دراز تک سیف الدّین غازی کے عہد میں نائب سلطنت رہا اور اس کے جانشینوں ــــ مسعود ابن مَوْدود [رک بآن] اور نور الدّین آرسلان شاہ [رک بآن] ــــ کے دورِ حکومت میں وزارتِ عُظمٰی کے منصب پر فائز رہا۔ اگرچہ اس کے بھائی کا بیان ہے کہ وہ اس بڑے منصب کو سنبھالنے کے لیے تیار نہ تھا اور نور الدّین کے اصرار پر بادلِ نخواستہ راضی ہو گیا تھا۔ وہ کسی بیماری کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیشتر تصانیف (اگر سب کی سب نہیں، جیسا کہ ابن خلّکان کہتا ہے) اس حادثے کے بعد ہی مرتب کیں۔ اس نے اپنے گھر کو صوفیوں کی قیام گاہ (رباط) بنا دیا تھا.

(۲) دوسرا بھائی عزّ الدّین ابو الحسن علی بن محمد [۴ جمادی الاولیٰ] ۵۵۵ھ/ [۱۳ مئی] ۱۱۶۰ء کو جزیرۂ [ابن عمر] میں پیدا ہوا اور ۶۳۰ھ/ ۱۲۳۲-۱۲۳۳ء میں بمقام موصل فوت ہوا [ابن خلّکان اس سے ملا بھی تھا اور اس کے فضل و اخلاق سے بہت متأثّر ہوا تھا]۔ وہ تاریخ کی مشہور کتاب الکامل فی التأریخ کا مصنّف ہے، جس کا حوالہ یہاں اکثر دیا گیا ہے۔ [تاریخ الدولۃ الاتابکیۃ بالموصل کے نام سے اس کا ایک حصّہ فرانسیسی ترجمے کے ساتھ، جو دیسلان نے کیا تھا، پیرس سے ۱۸۷۲ء کو Ch. Défrémery نے شائع کیا] (طبع در Recueil des Historiens arabes des Croisades، ج ۲)۔ اس کے علاوہ اس نے [محمد] رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کے صحابہ[رض] کی ایک معجم بہ ترتیب حروفِ تہجی مسمّٰی بہ اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، قاہرہ ۱۲۸۰ھ [تا ۱۲۸۶ھ جس میں ساڑھے سات ہزار افراد کے حالاتِ زندگی قلم بند کیے گئے ہیں] بھی لکھی، اور سمعانی [رک بآن] کی کتاب الانساب کا ایک خلاصہ المسمّٰی بہ لُباب [اللباب فی معرفۃ الانساب]، جس کی مزید تلخیص سیوطی نے کی اور اس کا نام لب اللباب رکھا (طبع Veth، Lugd. Bat.، ۱۸۴۰ء) بھی مرتب کیا تھا۔ [ابن خلّکان نے لکھا ہے کہ یہ خلاصہ اصل کتاب سے بہتر ہے]۔ اس کی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ اہم اس کی تاریخ [الکامل فی التأریخ یا کامل التواریخ] ہے، جو ۶۲۸ھ کے واقعات پر ختم ہوتی ہے اور ایک انتہائی بیش قیمت تصنیف ہے [بولاق ۱۲۹۰ھ، لائڈن ۱۸۵۱-۱۸۷۱ء، مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۱ھ، مطبع محمد افندی ۱۳۰۳ھ]، اس کے حصّۂ اوّل کے بارے میں قب براکلمان (Brockelmann): *Das Verhältnis von Ibn el-Atîrs Kâmil fitt'arîẖ zu Ṭabaris Aẖbâr errusūl walmulūk*۔ عزّ الدّین نے موصل اور بغداد میں تعلیم پائی اور شام کی بھی سیاحت کی اور اس کے علاوہ اس نے اپنی زندگی ایک نجی عالم کی حیثیت سے تحصیلِ علم ہی میں بسر کی، قب ابن خلّکان: وفیات، طبع (Wüstenfeld)، شمارہ ۴۳۳؛ براکلمان، ۱: ۳۴۵ (جہاں دوسرے مآخذ بھی مذکور ہیں).

(۳) تیسرا بھائی ضیاء الدّین ابو الفتح نصر اللہ تھا، جو ۵۵۸ھ/ ۱۱۶۲ء میں بمقام جزیرۂ [ابن عمر] پیدا ہوا اور [جُمادی الاُخرٰی] ۶۳۷ھ/ [دسمبر] ۱۲۳۹ء میں بمقام بغداد انتقال کر گیا۔ وہ بالخصوص ایک صاحبِ اسلوب انشا پرداز کے طور پر ممتاز تھا اور فنِ فصاحت و بلاغت میں اس کی کتاب المثل السائر فی ادب الکاتب و الشاعر (بولاق ۱۲۸۲ھ، [مطبع البہیّۃ ۱۳۱۲ھ]) اسلامی دنیا میں نہایت مستند سمجھی جاتی ہے۔ [اس کی کتاب المرصّع فی الادبیات استانبول میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی، یہی کتاب المرصّع فی الآباء و الامّہات ... کے نام سے ویمار [فرانس] میں ۱۸۹۶ء میں چھپی تھی، لیکن اس طبع میں اسے یاقوت کے تتبّع

میں اس کے بھائی مجدالدّین کی طرف منسوب کیا گیا ہے]۔ اس کی اَور تصانیف کا ذکر ابن خلّکان اور براکلمان، ۱: ۲۹۷) نے کیا ہے۔ اپنے مؤرّخ بھائی کے برعکس اس نے اپنی زندگی تنگ و دو میں گزاری۔ القاضی الفاضل [رکّ بآن] نے اس کا تعارف سلطان صلاح الدّین الایوبی[رح] سے کرادیا تھا۔ ۵۸۷ھ میں وہ اس سلطان کی ملازمت میں داخل ہوگیا اور جلد ہی اس کے فرزند الملک الافضل کا وزیر بن گیا۔ جب الملک الافضل کے ہاتھ سے دمشق نکل گیا تو ضیاء الدّین [حاجب کی مدد سے] ایک مقفّل صندوق میں بند ہو کر بڑی مشکل سے مصر پہنچا اور اس وقت تک روپوش رہا جب تک الملک الافضل اپنے سابقہ مقبوضات کے معاوضے میں سُمَیْسَاط کا حاکم نہ بنا دیا گیا، لیکن یہاں وہ تھوڑے ہی عرصے مقیم رہا اور ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء میں حاکمِ حلب کے ملازمین میں شامل ہوگیا، مگر اس نے اس ملازمت کو بھی چھوڑ دیا اور پہلے موصل اور پھر اِربل اور سنجار میں قسمت آزمائی کی۔ ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء میں وہ ناصر الدّین محمود شہزادۂ موصل کے دیوانِ انشا کا رئیس مقرّر ہوگیا۔ وہاں سے بغداد تک ایک سفر کے دوران میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کا بیٹا شرف الدّین محمد، جو خود صاحبِ تصنیف تھا، ۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء میں عنفوان شباب ہی میں مر چکا تھا۔

ان کے علاوہ بعض دیگر مصنّفین بھی ابن الأثیر کے نام سے معروف ہیں، مثلاً (۴) عمادالدّین ابوالفداء اسمٰعیل (م ۶۹۹ھ [۱۲۹۹ء]) جس کے لیے قبّ براکلمان، ۱: ۳۴۱، [تکملہ، ۱: ۵۸۱]؛ (۵) ایک اور کا ذکر گولڈتسیہر (Goldziher) نے *Abhandlungen zur arab. Philologie* (۱: ۱۷) میں کیا ہے۔

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وَفَیات، طبع Wüstenfeld، [مجدالدّین: شمارہ ۵۲۴؛ [عزّالدّین: شمارہ] ۴۳۴؛ [مصر ۱۳۱۰ھ، مجدالدّین: ۱: ۴۴۱؛ عزّالدّین: ۱: ۳۴۷؛ ضیاء الدّین: ۲: ۱۵۸]؛ (۲) براکلمان (Brockelmann) [مجدالدّین کے لیے براکلمان، ۱: ۳۵۷؛ تکملہ، ۱: ۶۰۷؛ عزّالدّین کے لیے براکلمان، ۱: ۳۴۵؛ تکملہ، ۱: ۵۸۷؛ ضیاء الدّین کے لیے براکلمان، ۱: ۲۹۷؛ تکملہ، ۱: ۵۲۱]؛ (۳) گولڈتسیہر (Goldziher) اور مرجلیوث (Margoliouth) کے حوالہ جات جو براکلمان (Brockelmann) نے دیے ہیں۔ [(۴) یاقوت: ارشاد الأریب، ۶: ۲۳۸-۲۴۱، مجدالدّین؛ (۵) السُبکی: طبقات الشافعیۃ، ۵: ۱۵۳؛ (۶) الساعی: عنوان التواریخ، ۲۹۹-۳۰۱؛ (۷) صدیق حسن خاں: اتحاف النبلاء، ص ۳۴۳، طبع ۱۲۸۹ھ؛ (۸) سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۳۴؛ (۹) ابوالفداء: ۳: ۱۵۴؛ (۱۰) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادۃ، مجدالدّین: ۱: ۱۰۹؛ عزّالدّین: ۲۰۶؛ ضیاء الدّین: ۱۷۸؛ (۱۱) ذہبی: تذکرۃ الحفّاظ، ۴: ۱۹۱].

----

* **[ابن] الاَجْدابی**: [الاجدابی منسوب بہ اَجْدابیہ] [رکّ بآن] ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل بن احمد اللّواتی فقہ لغت کے موضوع پر بہت سی کتابوں (بالخصوص لغت کی مختصر مگر بہت کارآمد کتاب کفایۃ المُتَحَفِّظ) کا مصنّف۔ [اس کی کتاب کفایۃ المُتَحَفِّظ و نہایۃ المُتَلَفِّظ، مطبع وادی النّیل ۱۲۸۷ھ، بیروت ۱۳۰۵ھ اور مطبع عباسیہ ۱۳۱۳ھ میں چھپ چکی ہے، یاقوت نے کفایۃ المُتَحَفِّظ والانواء کے نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن احمد ابن علی الطبری نے اس کے پیشِ نظر عمدۃ المُتَلَفِّظ لکھی]۔ التیجانی کے پاس کفایۃ کے متعدّد نسخے بخطِ مصنّف تھے۔ [(ابن] الاجدابی مشہور خطّاط تھا۔ یہ پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر گیارھویں صدی عیسوی میں طرابلس میں تھا اور وہیں اس نے ۶۰۰ھ/ ۱۲۰۳ء سے پہلے وفات پائی۔ اس کا مزار آج تک احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مآخذ: (۱) یاقوت، ۱: ۱۳۱؛ (۲) وہی مصنّف: اِرشاد، ۱: ۷۴؛ (۳) سیُوطی: بُغیۃ، ۱۷۸؛ (۴) تیجانی: رحلۃ، تونس ۱۹۲۷ء، ص ۱۸۸ بعد؛ (۵) براکلمان، ۱: ۳۰۸؛ تکملہ، ۱: ۵۴۱؛ [(۶) سرکیس: مُعجم المطبوعات، عمود ۳۸].

(عبدالوہاب تونس)

----

* **ابن الاَحْمَر**: رکّ بہ [ابوحیّان] محمد بن یوسف.

----

* **ابن الاحنف**: [ابن الاسود] ابو الفضل العباس [بن طلحہ]، خلیفہ ہارون الرشید کے درباری شعرا میں سے ایک، اس کے آباء و اجداد یمامہ کے قبیلۂ بنو حنیفہ [بن لُجَیم] کے عرب تھے، جو خراسان میں جا بسے تھے لیکن اس کی رگوں میں ایرانی خون بھی بکثرت تھا۔ وہ ابراہیم الصُّولی کا ماموں تھا۔ وہ خراسان اور اَرمینیہ کی مہمّوں میں ہارون کے ساتھ رہا اور جب رجب ۱۹۲ھ/ مئی ۸۰۸ء میں [بغداد میں] اس کا انتقال ہوا تو المأمون کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا حکم ملا، مگر مسعودی نے اس کے انجام کی کہانی اس سے مختلف طور پر بیان کی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ رشید کے بعد بھی زندہ رہا (رشید کا سنہ وفات جُمادی الاُخرٰی ۱۹۳ھ ہے)۔ اس کی ساری شاعری کا انداز رومانی یا عشقیہ ہے اور اس کے اسلوب میں کسی قدر تکلّف اور تصنّع پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ہمعصر ابونُواس [رکّ بآن] کے سامنے بالکل ماند پڑ گیا، جو کردار اور شائستگیِ ذوق میں اس سے بدرجہا فائق تھا۔ اس کا دیوان، [جس کے آخر میں] ابن مطروح کا دیوان ہے، شائع ہو چکا ہے (قسطنطینیہ [۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء])، جس میں ان دونوں کے سوانح حیات بھی ابن خلّکان سے لے کر درج کر دیے گئے ہیں [ابوبکر الصّولی (موجود ۳۳۰ھ)] نے کتاب العباس ابن الاحنف و مختار شعرہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ عدوی نے لکھا ہے کہ ابراہیم الموصلی، الکسائی اور ابن الاحنف ایک ہی دن فوت ہوئے تھے اور خلیفہ المأمون نے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت ترتیب بدل کر ابن الاحنف کی نعش امام کے قریب کروالی تھی (شرح شواھد ابن عقیل، مطبع حلبی، ص ۲۲)۔ کہتے ہیں عہد بنوعبّاس میں اس کا وہی مقام تھا جو عہد بنوامیّہ میں

عمر بن ابی ربیعہ کا تھا].

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وفیات الاعیان، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، شمارہ ۳۱۹، قاہرہ ۱۳۱۱ھ، ۲: ۲۴۵ ببعد؛ (۲) الاغانی، ۸: ۱۵ ببعد؛ (۳) ابن قتیبہ: کتاب الشعر و الشعراء (طبع ڈخویہ de Goeje)، ص ۳۶۳، ۵۱۸، ۵۲۵ - ۵۲۷؛ (۴) المسعودی: مُرُوج الذّهب، ۶: ۲۰۲، ۷: ۲۴۵-۲۴۹؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۷۴ ببعد؛ [تکملہ، ۱: ۱۱۴]؛ (۶) ابن ندیم: الفہرست، ص ۱۳۲، ۱۵۱، ۱۶۳؛ (۷) یاقوت: اِرشاد، طبع مرجلیوث، ۴: ۲۸۳؛ (۸) سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۳۹].

(T. H. WEIR)

----

* **ابن اسحٰق:** ابوعبداللہ [ابوبکر] محمد [بن اسحٰق] ایک عرب مصنّف، جو علم حدیث پر سند تھے۔ وہ یَسار کے پوتے تھے، جسے ۱۲ھ/ ۶۳۳ء میں عراق کے مقام عین التَّمر کے گرجا میں سے گرفتار کرکے مدینے لایا گیا تھا، جہاں وہ عبداللہ بن قیس کے قبیلے کا مولی بن گیا۔ محمد [ابن اسحٰق] نے وہیں پرورش پائی۔ انھوں نے [حضرت] رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی زندگی کے متعلّق قصص و روایات جمع کرنے کی طرف خاص توجّہ کی، جس کی وجہ سے جلد ہی ان کا تصادم اس دینی اور فقہی روایت کے نمائندوں سے ہوگیا، جو مدینے کی راے عامّہ پر حاوی تھی، بالخصوص مالک بن انس سے جو ان کی منقصت میں انھیں شیعی اور ان متعدّد قصّوں اور نظموں کا مخترع بتاتے تھے جن کی انھوں نے روایت کی ہے۔ اس پر انھیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا؛ چنانچہ پہلے وہ مصر چلے گئے اور پھر وہاں سے عراق پہنچے۔ خلیفہ المنصور نے انھیں بغداد آنے کی ترغیب دی، جہاں وہ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء یا ۱۵۱ھ اور یا ۱۵۲ھ میں فوت ہوگئے [اور امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس دفن کیے گئے]۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی سیرت کا مواد دو جلدوں میں جمع کیا تھا، یعنی کتاب المبتدأ (الفہرست، ص ۹۲) یا مبتدأ الخلق (ابن عدی، در ابن ہشام، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ۲، viii: ۱، ۲۳) یا کتاب المبدأ و قصص الانبیاء (الحَلَبی: السیرۃ، ۲: ۲۳۵) جس میں رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی زندگی کے حالات ہجرت تک مذکور تھے اور کتاب المغازی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتاب الخلفاء ابتدا ہی میں ان کی اس بڑی تصنیف کے مقابلے میں دوسرے درجے پر شمار ہونے لگی تھی۔ قرہ باشق (Karabaçek) کا خیال تھا کہ اسے ابن اسحٰق کی سیرت نبی [کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] کے اصلی متن کا ایک ورق قرطاس پر لکھا ہوا رائنر (Rainer) کے مجموعے میں مل گیا ہے (دیکھیے *Führer durch die Sammlung*، شمارہ ۶۶۵)۔ اس کے برعکس استانبول کے کوپرولو مدرسے کے کتب خانے (دفتر، شمارہ ۱۱۴۰) میں ابن اسحٰق کی مزعومہ کتاب المغازی ابن ہشام کی تلخیص ثابت ہوچکی ہے (قب ہوروِٹس (Horovitz) در *Mitt. des Sem. für Orient. Sprachen*، x. Westas. Stud.، ص ۱۴)۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ الماوَرْدِی کے وقت تک اصلی کتاب دستیاب ہوسکتی تھی، چنانچہ اس نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیۃ (طبع اِینگر Enger)، ص ۶۵، س ۱۱ ببعد: ۶۵-۶۶، ۶۷-۶۸، [۶۹؟] پر کتاب المغازی کی وہ روایات نقل کی ہیں جو ابن ہشام (ص ۴۴۵، ۵۶۱، ۵۷۷، ۸۴۱) کی کتاب میں مختصر شکل میں دی گئی ہیں۔ الطَّبَری نے اس کتاب کے جامع اقتباسات نقل کرکے اسے محفوظ کردیا ہے، لیکن علیحدہ طور پر یہ کتاب ابن ہشام [رک بآن] کی تلخیص ہی میں محفوظ ہے۔ ابن ہشام کو اس کتاب کا علم ابن اسحٰق کے ایک کوفی شاگرد زیاد بن عبداللہ البَکّائی کے ذریعے ہوا تھا۔ اس نے اس کے دونوں علیحدہ علیحدہ حصّوں کو کتاب سیرۃ رسول اللہ میں جمع کردیا اور کہیں کہیں عبارت کو بہت مختصر کردیا۔ چوتھی صدی ہجری میں الوزیر المغربی [رک بآن] نے اس کتاب کو اس کی موجودہ صورت دی۔ السُّہَیلی (م ۵۰۸ھ/ ۱۱۱۴ء) نے اس کی ایک شرح لکھی اور سطحی طور پر ابوذرّ مُصْعَب بن محمد بن مسعود المَرّاکُشی (م ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء، در فاس) نے بھی.

مآخذ: (۱) ابن قتیبہ: کتاب المعارف، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ص ۲۴۷؛ (۲) طَبَری: ذَیل المُذَیَّل، ۱۵۰ھ کے تحت، ۳/ ۴: ۲۵۱۲؛ (۳) ابن خَلِّکان، طبع وُسٹنفلٹ، شمارہ ۶۲۳، طبع قاہرہ ۱۲۹۹ھ ۱: ۶۱۱؛ (۴) یاقوت: اِرشاد الأَرِیب، ۶: ۳۹۹-۴۰۱؛ (۵) شپرنگر (Sprenger)، در *Zeitschr. d. Deutsch. Morg. Ges.*، ۱۴: ۲۸۸-۲۹۰؛ (۶) وہی مصنّف: *Leben Mohammeds*، ۳: lxx؛ (۷) نولدیکہ (Nöldeke): *Geschichte des Qorans*، ص xiv؛ (۸) وِلہاوزن (Wellhausen): *Mohammed in Medina*، ص xi؛ (۹) رینکے (Ranke): *Weltgeschichte*، ۲: ۲۵۲؛ (۱۰) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۲۸؛ (۱۱) ہارٹ مان (M. Hartmann): *Der islamische Orient*، ۱: ۳۲ ببعد؛ (۱۲) فِشر (A. Fischer): *Biographien von Gewährsmännern des Ibn Isḥāq hauptsächlich aus aḍ-Ḍahabi*، لائڈن ۱۸۹۰ء، قب *Zeitschr. d. Deutsch. Morg. Ges.*، ۴۶: ۱۴۸ ببعد؛ (۱۳) *Das Leben Muhammed's nach Muhammed Ibn Ishâk bearbeitet von Abdál-Malik Ibn Hischâm*، طبع (F. Wüstenfeld)، گوٹنجن ۱۸۵۸-۱۸۶۰ء، عکسی چھپائی: طبع بار دگر، لائپزگ ۱۸۹۹ء؛ طبع بار دگر، بولاق ۱۲۹۵ھ اور ابن قیّم الجوزیہ کی زاد المعاد کے حاشیے پر قاہرہ ۱۳۲۴ھ؛ (۱۴) برونل (P. Brönnle): *Die Commentatoren des Ibn Isḥāq und ihre Scholien*، مقالہ، Halle ۱۸۹۵ء؛ (۱۵) *Die Kommentare des Suhailī und des Abū Ḏarr zu den Uḥud-Gedichten in der Sīra des Ibn Hišām, ed. Wüstenfeld (1,611-638), nach den Hdss. zu Berlin, Strassburg, Paris und Leipzig*،

طبع شاڈے (A. Schaade)، مقالہ، لائپزگ ۱۹۰۸ء (*Leipz. Sem. Stud.*، ۲:۳)؛ (۱۶) *Commentary on Ibn Hisham's Biography of Muhammad according to Abu Dzarr's Mss. in Berlin, Constantinople and the Escorial*، طبع پال برونل (Paul Brönnle) (*Monuments of Arabic Philology*) ج ۱ و ۲)، قاہرہ ۱۹۱۱ء؛ [(۱۷) سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۱۶۲۸].

(براکلمان C. Brockelmann)

----

* **ابن اِسْفَنْدیار:** محمد بن الحسن، ایرانی مؤرّخ، جس کے متعلّق ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا اس نے اپنے وطن طبرستان کی تاریخ کے مقدمے میں اپنے متعلّق بتایا ہے۔ اپنے مربّی، یعنی طبرستان کے والی رُستم بن اَرْدَشیر کے قتل کی خبر سننے کے بعد وہ ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء میں بغداد سے عراق عجم کو لوٹ آیا۔ اس نے شدید رنج و غم کی حالت میں دو مہینے رےّ میں گزارے، جہاں وہ اپنی کتاب کے لیے مواد کی فراہمی اور کتب خانوں کے مطالعے میں مشغول رہا۔ اس کے بعد اس نے شہر خوارِزم میں پانچ سال بسر کیے، جہاں اسے اتّفاق سے ایک کتب فروش کی دکان پر چند ایسی نئی دستاویزات مل گئیں جن میں اَرْدَشیر بابَکان کے وزیر تَنْسَر کا طَبَرِسْتان کے بادشاہ جُسْنَف کے نام ایک خط بھی شامل تھا (*JA*، سلسلۂ ۹، ج ۳، ۱۸۹۴ء: ص ۱۸۵ و ۵۰۲)۔ اس کی تاریخ اسی خط سے شروع ہوتی ہے، جس کے بعد وہ اپنے وطن اور وہاں کی قابلِ توجّہ خصوصیات کا مختصر حال لکھتا ہے اور پھر طبرستان کی تاریخ پہلے خاندان وُشْمگیر و بنو بُویہ [رکّ بہ آل بویہ] کے ماتحت، پھر غزنویوں اور سلاجقہ کی حکومت کے زیرِ نگیں اور آخر میں دوسرے ملکی خاندان باوَنْد کے زمانے میں، جن کے بیان پر وہ کتاب کو ختم کر دیتا ہے۔ براؤن (E. Browne) نے اس کتاب کا انگریزی میں مختصر ترجمہ کیا ہے، جو *GMS*، ج ۲، میں ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔

مآخذ: (۱) Sir W. Ouseley: *Travels*، ۲: ۲۱۴، ۳: ۳۰۴ بعد؛ (۲) ڈورن (B. Dorn): *Sehireddin's Geschichtes von Tabaristan*، ص ۳؛ (۳) شپیگل (Spiegel) *Zeitschr d. Deutsch. Morgenl. Gesell*، ج ۴، ۱۸۵۰ء، ص ۶۲؛ (۴) ریو (Rieu): *Cat. of Persian Mss.*، ۲۰۲؛ (۵) اِتے (Ethé): *Cat. Persian Mss. Bodl. Libr.*، ۱۶۰، اور *Pers. Mss. India office*، ۲۲۳؛ (۶) براؤن (Browne): *A Literary History of Persia*، ۲: ۴۷۹ بعد۔

(Cl. Huart)

⊗ **ابن اَعْثَم الکوفی:** ابو محمد احمد، چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کا ایک عرب مؤرّخ، جس کا نام وسٹنفلٹ اور براکلمان نے، خواند امیر اور حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق، محمد بن علی المعروف بہ (ابن) اَعْثَم الکوفی بتایا ہے، جو غالبًا درست نہیں۔ ابن اعثم الکوفی کی وفات ۳۱۴ھ/ ۹۲۶ء کے لگ بھگ ہوئی (قبّ Frähn: *Indications Bibliographiques*، ص ۱۶، عدد ۵۳)۔ تاریخ وفات کی تعیین حاجی خلیفہ اور وسٹنفلٹ غلط طور پر ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۵ء کرتے ہیں۔

ابن اعثم الکوفی شاعر بھی تھا۔ یاقوت الحموی نے ابوعلی الحسین بن احمد البیہقی کے حوالے سے ابن اعثم کے دو شعر بھی بطورِ نمونہ پیش کیے ہیں۔ اصحاب الحدیث نے ابن اعثم کو "ضعیف" قرار دیا ہے۔

ہمیں ابن اعثم الکوفی کی صرف تین تصنیفات کا ذکر مل سکا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ بظاہر اس کی کسی بھی کتاب سے عرب مؤرّخین نے استفادہ نہیں کیا۔ ان میں سے دو کتابیں یاقوت الحموی کی نظر سے بھی گزری ہیں مگر اس نے انھیں درخورِ اعتنا تصوّر نہیں کیا، یعنی (۱) کتاب المألوف اور (۲) کتاب التاریخ، جس میں ابن اعثم الکوفی نے المأمون کے عہد سے المقتدر کے دورِ خلافت تک کے حالات قلم بند کیے تھے؛ یہ دونوں کتابیں اب ناپید ہیں؛ (۳) کتاب الفتوح کے عنوان سے ابن اعثم الکوفی نے شیعی نقطۂ نظر سے ابتداے خلافت سے ہارون الرشید کے زمانے تک کی فتوحات کی ایک رومانی تاریخ لکھی ہے۔ فہرست کتب خانۂ مشہد (۳: ۷۶، نسخہ ۱۱) کے مطابق یہ کتاب ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء میں لکھی گئی، جو مستبعد ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حذفِ اسناد، جو کتاب الفتوح کی نمایاں خصوصیت ہے، اس دور کی تصنیفات کا اسلوب نہ تھا۔

۵۹۶ھ/ ۱۱۹۹ء کے قریب محمد بن احمد ابن ابی بکر المُسْتَوفی الہَرَوی نے، جب کہ وہ بُوشَنْج کے قریب تایاباد کے مدرسے میں پناہ گزین تھا، ابن اعثم الکوفی کی کتاب الفتوح کا فارسی میں ترجمہ کیا (مخطوطات کی تفصیل کے لیے قبّ سٹوری، ۱: ۲۰۷-۲۰۹، ۱۲۶۰)، جس کے انتخابات W. Ouseley نے اور ترجمہ B. Gerrans نے *Oriental Collections* میں پیش کیا ہے (قبّ ۱: ۶۳، ۱۶۱ بعد؛ *The History of the Conquest of Zoor*، ۱: ۱۶۰-۱۶۵؛ *The Flight and Murder of Yesdejherd*، ۱: ۳۳۳-۳۳۶؛ *The Invasion of Nubia and Historical Anecdotes*؛ فارسی متن: F. Wilken: *Institutiones and fundamentalinguae persicae*، ص ۱۵۴-۱۶۱؛ لاطینی ترجمہ: وہی مصنّف: *Auctarium Chrestomathian*، ص ۳۱-۳۷؛ اردو ترجمہ: خلافتِ راشدہ، دہلی ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء۔

ابھی تک کتاب الفتوح کے عربی متن کا کوئی بھی مخطوطہ چھٹی صدی ہجری سے قبل کا دریافت نہیں ہو سکا۔

مآخذ: (۱) یاقوت الحموی: ارشاد الأریب، ۱: ۳۷۹؛ (۲) عطاء اللہ جمال حسینی: روضۃ الاحباب، لکھنؤ ۱۲۹۷ھ، ۳: ۴۶، ۶۹، ۷۰؛ (۳) خواند امیر: حبیب

السّیر، بمبئی، ۷؛ (۴) احمد الغفّاری: تاریخ نگارستان، بمبئی ۱۲۲۵ھ، ۵، ۲۵، ۹۳؛ (۵) حاجی خلیفہ: کشف الظّنون، طبع Flügel، ۴: ۳۸۰، ۳۸۵؛ (۶) Wüstenfeld: *Geschichtschreiber* etc.، رقم ۵۴۱؛ (۷) براکلمان (C. Brockelmann)، ۱: ۵۱۶؛ تکملہ، ۱: ۲۲۰؛ (۸) Storey: *History of Persian Literature*، ۱: ۲۰۷-۲۰۹، ۱۲۶۰؛ (۹) عبدالمقتدر: فہرست کتب بانکی پور، ۶: ۱۱۶-۱۲۰؛ (۱۰) *ZDMG*، ۶۹: ۷۷؛ (۱۱) *RAAD*، ۶: ۱۴۲-۱۴۳؛ (۱۲) آ آ، لائڈن، طبع اوّل، ۲: ۳۶۴؛ (۱۳) H. Massé: *La chronique d'Ibn A'tham..*، در *Mél. Gaudefroy- Demombynes*، ۱۹۳۵ء، بعد، ص ۸۵-۹۰.

(رانا احسان الٰہی)

----

* **ابن الانباری**: رَکّ بہ الانبارِی.

----

* **ابن اِیاس**: (عوامی تلفّظ - ابن اَیاس) [ابو البرکات زین/شہاب الدّین] محمد بن احمد ابن ایاس الحنفی [بروایت دیگر الحنبلی]، مملوک خاندان کے زمانۂ زوال کا ایک نہایت اہمّ عرب وقائع نویس، [۶ ربیع الثانی] ۸۵۲ھ [۱۰ جون] ۱۴۴۸ء میں پیدا ہوا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تقریباً اسّی برس کی عمر میں نواح ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء میں وفات پائی، کیونکہ اس کی تأریخ [مصر] ۹۲۸ھ تک پہنچتی ہے۔ اس کا خاندان اصلاً ترک تھا۔ اس کا دادا اِیاس الفخرِی ایک ترک غلام تھا، جو اپنے آقا کے نام کی نسبت سے ''مِن جُنَیْد'' کہلاتا تھا اور سلطان الظاہر برقُوق [رَکّ بآن] کے ہاتھ فروخت ہونے کے بعد اس کے زرخرید غلاموں میں شامل ہو کر 'دوادار ثانی' کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس کے ایک جدِّ امجد (اس کے باپ کے نانا) نے منصب میں اَور زیادہ ترقّی کی تھی۔ [عزّالدّین] اِزُدِہمِر [العمری] الخزَنْدار مصر میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا اور ترقّی کی منازل طے کرتے ہوے سلطان حسن اور سلطان اَشْرَف شَعْبان کے عہد میں قاہرہ میں اعلٰی منصبوں پر فائز رہا اور یکے بعد دیگرے طرابلس، حَلَب اور دمشق کا والی مقرّر رہا۔ ابن اِیاس کا باپ قاہرہ میں ''اولاد النّاس'' کے زمرے میں شامل تھا۔ یہ [''مشاہیر ابناء النّاس''] ایک قسم کی محفوظ فوج تھی، جسے سلطان کے حکم پر فوجی خدمت انجام دینا پڑتی تھی۔ اس خدمت کے معاوضے میں انھیں جاگیر یا ایک ہزار دینار کی رقم، یا سالانہ وظیفہ (قایت بک کے عہد میں ایک ہزار درہم [قبّ ابن اِیاس، طبع بولاق، ۲: ۱۹۵ و متعدّد مقامات پر] ملتا تھا۔ احمد ابن اِیاس ایک ممتاز حیثیت کا شخص تھا اور بہت سے امرا اور بڑے بڑے عہدے داروں کے ساتھ نسبی یا شادی بیاہ کا رشتہ رکھتا تھا۔ اس کے پچیس بچوں میں سے صرف تین لڑکے اور تین لڑکیاں اس کے بعد زندہ رہیں۔ ان میں ایک تو ہمارا مصنّف ہے اور دوسرا امیر سِلاح (زَرِدْکاش)۔ [احمد بن ایاس سیوطی کا شاگرد تھا].

ابن اِیاس کی بڑی تصنیف، جو تنہا دائمی اہمیّت کا دعوٰی کر سکتی ہے، مصر کی مفصّل تاریخ بعنوان بدائعِ الزّھُور [الأمُور] فی وقائع الدُّھُور ہے [طبع بولاق ۱۳۱۱ھ، ۲ جلد]۔ اس نے مصر کی ابتدائی تاریخ سے لے کر ایوّبی عہد کے آخر تک کے واقعات اجمال کے ساتھ بیان کیے ہیں، بلکہ قایت بک کے زمانے تک مملوک عہد کے حالات بھی کسی قدر سرسری طور پر لکھے ہیں۔ صرف اس حکمران کی تخت نشینی کے بعد کے واقعات اس نے بالتفصیل بیان کیے ہیں اور بڑے بڑے عہدے داروں کے حالاتِ زندگی اور ان میں سے انتقال کرنے والوں کی ماہ بماہ فہرستیں بھی دی ہیں۔ اس کتاب کے بغور مطالعے سے ایک مشکل مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ دو مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ ان میں سے مختصر تر کتاب بیّن طور پر مصنّف کا روزنامچہ ہے، کیونکہ اس کے متن کے مطابق مثلاً ۹۲۱ھ کے واقعات یکم محرّم ۹۲۲ھ کو مکمّل طور پر قلم بند ہو چکے تھے۔ اس ضمن میں مزید شہادت اس سے ملتی ہے کہ یہ مجمل نسخہ مقامی بولی میں لکھا گیا ہے، بحالیکہ لنڈن والے مفصّل مخطوطے کے طویل تر متن میں شستگی اور فصاحت نظر آتی ہے (قبّ فولر (Voller) کا جامع مقالہ در *Revue d' Egypte*، ۳: ۵۵۱ بعد)۔ مزید براں ۹۲۲ھ سے لے کر ۹۲۸ھ تک کے واقعات پہلے حصّوں کی نسبت بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوے ہیں اور اس لیے اگر ان کا مصنّف فی الواقع ابن اِیاس ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اُسی زیادہ بڑے نسخے کا جزو ہوں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عہدِ سلطان غوری کے وقائع ۹۰۶-۹۱۲ھ تک (مخطوطۂ پیرس) اور ۹۱۳-۹۲۱ھ کے وقائع (مخطوطۂ پیٹرو [= لینن] گراڈ) دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہیں (اور اسی لیے یہ قاہرہ کے ایڈیشن میں نہیں چھپے)۔ اس صورت حال سے فولر (Voller) اپنے مذکورۂ بالا مقالے میں اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ تاریخ کا یہ حصّہ ابن اِیاس کے قلم سے نہیں ہے لیکن دراصل یہی وہ حصّہ ہے جو یقیناً اس کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ وہ ایک عینی شاہد کی حیثیت سے واقعات قلمبند کرتا ہے؛ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وہ خود کسی جلوس میں شریک تھا، یا بعض واقعات سے وہ ذاتی طور پر متاثر ہوا... ۔ مزید شہادت یہ ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات پر اپنے خاندان کے صحیح صحیح حالات بیان کرتا ہے اور گاہے گاہے اپنے بھائی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ابنِ ایاس کی تاریخ اس عہد کے حکمرانوں کے اعمال و افعال کا مرقّع ہے، اگرچہ ساتھ ہی بعض دوسرے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی حد تک تنقیدی صلاحیت موجود تھی، اگرچہ اس کا فیصلہ اکثر ضرورت سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ تاہم اسے اس بات کا احساس تھا کہ مالیات کی مکمّل بدانتظامی اور توپ خانے کے بارے میں غفلت شعاری، جس پر اس نے جا بجا جرح و قدح کی ہے، حکومت کے زوال کا باعث بنی۔ البتہ مالیات کی بدحالی کی تمام ذمّے داری سلطان غوری پر عائد کرنے میں وہ حق بجانب نہیں ہے۔ اس تاریخ کی بڑی قدر و قیمت اس وجہ سے بھی ہے کہ دراصل بعض لحاظ سے دسویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے کے لیے یہی ایک عربی ماخذ ہے۔ [یہ کتاب تأریخ مصر کے نام سے بھی مشہور ہے اور بولاق ۱۳۱۱-۱۳۱۲ھ میں اسی نام سے چھپی ہے۔ تأریخ مصر کے اعلام کی فہرست بولاق سے ۱۳۱۴ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ بدائع الزھور فی وقائع الدھور کے نام سے بے سر و پا قصّوں پر مشتمل ایک مختصر رسالہ، جو متعدّد بار شائع ہو چکا ہے، مثلاً ۱۲۰۴ھ (۱۲۸۲ھ؟)،

۱۲۹۹ھ، ۱۳۰۰ھ، ۱۳۰۴ھ، ۱۳۰۶ھ، ۱۳۰۸ھ وغیرہ میں، ابنِ ایاس کی طرف غلط طور پر منسوب ہے؛ شاید یہ رسالہ السُّیوطی کا ہے، براکلمان، ۲: ۱۵۷: تکملہ، ۲: ۱۹۶، شمارہ ۲۸۸].

اس کی دوسری تصانیف، جو چنداں اہم نہیں، یہ ہیں: (۱) نَشق الأزْهار فِی عَجائب الأقْطار [الامصار] ایک عالمی جغرافیہ (cosmography)، بالخصوص مصر کے بارے میں؛ اس سے انیسویں صدی کے یورپی فضلا نے بکثرت استفادہ کیا ہے اور اس کا وہ اکثر حوالہ دیتے ہیں۔ (اس کتاب کا ایک حصّہ فرانسیسی ترجمے کے ساتھ طبع :L. Langlès *L'odeur des fleurs dans les merveilles de l'Univers*، پیرس سے ۱۸۰۷ء میں شائع ہوا)؛ (۲) مَرْج الزَّهُور فی وقائع الدهور، ایک عوامی تاریخ، جس میں بزرگوں اور پیغمبروں کے حالات درج ہیں، بہت کم اہمیّت کی چیز ہے اور شاید ہمارے مصنّف کے قلم سے ہے بھی نہیں [قاہرہ ۱۳۰۱ھ]؛ (۳) نُزْهَة الأُمَم فی العَجائب والحِکَم، یہ بھی تاریخ کی کتاب ہے جو غیر معروف ہے۔ اس کا صرف ایک مخطوطہ قسطنطنیہ میں محفوظ ہے؛ [(۴) عُقود الجُمان فی وَقائع الزّمان، جس کا مخطوطہ آیا صوفیا میں ہے].

مآخذ: (۱) براکلمان، ۲: ۲۹۵؛ [تکملہ، ۲: ۴۰۵ بعد]؛ (۲) فولر (Voller) کا مقالہ۔ النشریات الاسلامیہ کے سلسلے میں ابن ایاس کی بدائع الزهور فی وقائع الدهور کے نام سے کتاب کی جلد ۳-۵ پال کہلہ (Paul Kahle) اور دکتور محمد مصطفٰی اور سوبرنہایم (M. Sobernheim) کی تصحیح سے استانبول میں ۱۹۳۱-۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی (جلد ۵ میں سوبرنہایم شریک نہیں)؛ [(۳) سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۴۲].

(M. SOBERNHEIM)

---

* **اِبْن بَابُوَیْہ**: [یا ابن بابُوَیہ: اس کے تلفظ کے لیے قبّ یُوسْٹی (F. Justi): *Namenbuch*، ص ۵۶] ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسٰی القُمّی الصَّدُوق، چار سب سے بڑے شیعی جامعین حدیث میں سے ایک تھے۔ ۳۵۵ھ/ ۹۶۶ء میں اپنے عُنفوانِ شباب میں وہ خراسان سے بغداد گئے اور وہاں کے بہت سے علما ان کے شاگرد بن گئے۔ ان کی وفات رےّ میں ۳۸۱ھ/ ۹۹۱ء میں ہوئی۔ ان کی تالیفات میں سے مندرجۂ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں: (۱) کتابُ مَنْ لا یَحْضُرُهُ الفَقیه، حدیث سے متعلّق ایک مجموعہ، جو شیعہ حدیث کی چار کتابوں موسومہ الکتب الاربعة میں شمار ہوتی ہے (باقی تین یہ ہیں: (ا) الکافی از ابوجعفر محمد بن یعقوب الکُلَیْنی (م ۳۲۸ھ/ ۹۳۹ء یا ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء)؛ (ب) تهذیب الاحکام؛ (ج) الاِسْتِبْصار، ہر دو از ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطُّوسی (م ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۷ء)؛ (۲) معانی الاخبار، شیعی احادیث کا ایک مجموعہ، [ایران میں طبع ہوا]؛ (۳) عیون اخبار الرّضا، شیعوں کے آٹھویں امام علی الرّضا کی زندگی کے حالات اور اُن کے اقوال و عقائد؛ (۴) کتابُ اکمال الدّین و اِتْمام النّعمة [فی اثبات الغیبة و کشف الحیرة (الغمة)]، امام غائب کے شیعی عقیدے سے متعلّق ایک تصنیف، جس کا ایک حصّہ مِلر (E. Möller) نے [جرمن زبان میں ایک مقدّمے کے ساتھ] طبع کیا ہے (*Beiträge zur Mahdilehre des Islams*، ج ۱، Heidelberg ۱۹۰۱ء؛ [(۵) کتاب الخصال، اخلاق محمودہ کے متعلّق، ایران ۱۳۰۲ھ؛ (۶) المقنع، (۷) الهدایة؛ یہ دونوں کتابیں مجموعۂ الجوامع الفقهیة میں شامل ہو کر تہران ۱۲۷۶ھ میں طبع ہو چکی ہیں]۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تین سو کتابوں کے مصنّف تھے۔ النّجاشی نے اپنی کتاب الرِّجال (ص ۲۷۶، بمبئی ۱۳۱۷ھ) میں ان کی ۱۹۳ کتابوں کے نام لکھے ہیں.

مآخذ: (۱) [ابن الندیم:] الفهرست، ص ۱۹۶؛ (۲) الطُّوسی: فهرست، طبع Sprenger، نمبر ۶۶۱، قبّ عدد ۱۷۰۴؛ [(۳) محمد بن علی اَستر آبادی: منهج المقال، تہران ۱۳۰۲، ص ۳۰۷]؛ (۴) [محمد ابن اسمٰعیل:] مُنْتَهَي المقال، طبع ۱۳۰۲، ص ۲۸۲؛ (۵) [العاملی:] آمَل الآمِل [فی علماء جبل عامل] ص ۷۶۵؛ (۶) النَّجَاشی، مقام مذکور؛ (۷) [الخوانساری:] رَوْضَات الجنّات فی احوال العلماء والسادات، ص ۵۵۷؛ (۸) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۸۷؛ [تکملہ، ۱: ۳۲۱]؛ (۹) گولڈتسیہر (Goldziher): *Abhandlungen zur arab. Philologie*، ۲: ۶۵؛ [(۱۰) سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۴۳].

(ہدایت حسین)

⊗ **ابن باجّہ**: ابوبکر محمد بن یحیٰی المعروف بہ الصائغ (= زرگر)، ابن ابی اُصَیْبِعَہ (عیون الانباء، ۲: ۶۲، مصر ۱۲۹۹ھ)، ابن خاقان (قلائد، ۳۴۶)، براکلمان (تکملہ، ۱: ۸۳۰) اور اہلوارٹ (فہرست کتب خانۂ برلن، ج ۴: شمارہ ۵۰۶۰) نے اس کے نام و نسب کے بیان میں اسے ابن الصائغ لکھا ہے۔ اس کے سب سے پہلے مجموعۂ تالیفات میں، جو اس کے شاگرد ابن الامام نے مرتّب کیا، کہیں اسے ابن الصائغ نہیں لکھا گیا۔ اسے عام طور پر ابن باجّہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابن خَلِّکان (وَفیات، طبع وسٹنفلٹ، عدد ۶۸۱) اور المَقَّرِی (نفح الطِّیب، ۴: ۲۰۱) کے نزدیک باجّہ لغت فرنگ میں چاندی کو کہتے ہیں۔ ابن خَلِّکان اور المَقَّرِی نے ابن باجّہ کے القاب میں التُّجِیْبی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ نسبت آل تجیب کی طرف ہے جو پانچویں صدی ہجری/ گیارھویں صدی عیسوی میں سَرَقُسْطَہ پر حکمران رہے۔ ابن باجّہ کے نام کی لاطینی شکل Avenpace ہے۔ ابن باجّہ پانچویں صدی ہجری/ گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں سَرَقُسْطَہ میں پیدا ہوا۔

ابن باجّہ کی ابتدائی زندگی اور زمانۂ طالب علمی کے حالات معلوم نہیں۔ حصولِ علم کے بعد وہ کئی سال سَرَقُسْطَہ کے مرابطی حاکم ابوبکر بن ابراہیم کا وزیر رہا۔ ابن القِفْطی اور ابن خاقان نے لکھا ہے کہ ابن باجّہ اس منصب پر بیس برس تک

مامور رہا، لیکن بعض تاریخی حقائق کے پیشِ نظر وزارت کا اتنا لمبا عرصہ مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ فاس میں وہ ابوبکر یحیٰی بن یوسف تاشفین کی وزارت کے منصب پر بھی رہا.

ابن باجہ بہت بڑا فلسفی، قابل سائنس دان، عالمِ ادب ونحو، حاذق طبیب، ممتاز موشّح نویس اور آتش نفس نۓ نواز تھا۔ موسیقی میں اسے مغرب میں وہی مقام حاصل تھا جو مشرق میں فارابی کو حاصل ہے۔ سیوطی نے اسے فلسفے میں مغرب کا ابن سینا کہا ہے۔ اس کے علم وفضل کا تمام مؤرّخین کو اعتراف ہے۔ خود ابن خاقان، جس نے قلائد العقیان میں اس کی طرف کفر وزندقہ کی نسبت کی ہے اور اخلاقی لحاظ سے اسے موردِ طعن بنایا ہے، اپنی دوسری کتاب مطمح الانفس میں اس کے علم وفضل کی تعریف کرتا ہے (بحوالۂ یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث، ۶: ۱۲۴ ببعد).

ابن باجہ نے طب، ہندسہ، ہیئت، طبیعیات، الکیمیا اور فلسفے پر متعدّد رسائل لکھے ہیں۔ ان کا مکمّل ترین اور سب سے قدیم مجموعہ اوکسفرڈ میں ایک مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کے بیچ میں سے چند اوراق غائب ہیں۔ یہ مخطوطہ ۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ خطِ نسخ میں قاضی حسن بن محمد کا ربیع الثانی ۵۴۷ھ میں لکھا ہوا یہ مخطوطہ اوکسفرڈ کے پروفیسر ایڈورڈ پوکک (Edward Pocock) نے علاقۂ شام وموصل سے سترھویں صدی عیسوی میں حاصل کیا تھا۔ یہ نسخہ ابن الامام کے نسخے سے منقول ہے۔ اس میں بتیس رسالے شامل ہیں (بوڈلین، پوکک، شمارہ ۲۰۶).

ابن باجہ کی تالیفات کا ایک مجموعہ سپین میں بھی محفوظ ہے، لیکن وہ صرف اس کے منطق کے رسائل پر مشتمل ہے۔ اس نسخے کا ایک حصّہ ذوالحجّہ ۶۶۷ھ اور دوسرا ۶۸۴ھ میں لکھا گیا (اِسکوریال، شمارہ ۶۱۲).

ابن باجّہ کی تالیفات میں سے تدبیر المتوحّد، الاتّصال اور الوداع کے متن ان کے ہسپانوی تراجم کے ساتھ پروفیسر اسین پلاکیوس (Asin Palacios) نے اور کتاب النفس کا متن مع انگریزی ترجمہ وتعلیقات صغیر حسن نے شائع کیا ہے۔ تدبیر کا ایک متن کتب خانۂ خدیویۂ مصر میں موجود ہے۔ اسے ڈاکٹر عمر فرّوخ نے اپنی مختصر کتاب ابن باجّة و الفلسفة المغربية کے آخر میں شائع کر دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ ابن باجہ کی اصل کتاب تدبیر کا اختصار ہے، جو غالبًا کسی شخص نے اکثر جگہ عبارتوں کو حذف کر کے اور بعض جگہ عبارت تبدیل کر کے تیار کیا تھا۔ چودھویں صدی کے وسط میں تدبیر کا موسٰی نے عبرانی میں ترجمہ کیا تھا، بعد میں اس کا لاطینی میں بھی ترجمہ ہوا۔ لاطینی میں اس کے بعض اَور رسالے بھی محفوظ ہیں۔ تدبیر کا ایک اَور ترجمہ عبرانی میں ہو رہا ہے۔ ابن باجّہ کی تالیفات کا ایک مجموعہ برلن کے کتب خانے میں بھی محفوظ تھا، لیکن گزشتہ عالمی جنگ میں ناپید ہو گیا.

ابن باجہ نے اپنی تصنیفات میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کی طرف برابر رجوع کیا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق مشاہدات پر توجّہ دی ہے اور اس طرح یونانی طرزِ فکر کی بنیادوں پر اسلامی طرزِ فکر کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اس نے بطلمیوس کی مجسطی کی اصلاح بھی کی ہے۔ اس کے نظریوں نے ابن طفیل (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) اور ابن بطروح کے آگے بڑھنے کے لیے راستے کو اَور زیادہ صاف کر دیا اور علم ہیئت کی ترقّی کی نئی راہیں وا کر دیں۔ اس کی تعلیقات نے ابن رشد کے لیے ارسطو کی کتابوں کی تشریح وتلخیص کا دروازہ کھول دیا۔ اسی طرح اس نے جو رسالہ علم ادویہ (Materia medica) پر لکھا تھا اس سے ابن البیطار (تیرھویں صدی) نے استفادہ کیا ہے۔ قرونِ وسطٰی کے لاطینی مصنّفوں پر بھی اس کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ اس کے رسائل تدبیر المتوحّد، الاتّصال اور الوداع اُس وقت یورپ میں دور دور تک پڑھے جاتے تھے.

فلسفے میں ابن باجّہ کا زیادہ تر انحصار فارابی اور ارسطو پر ہے، لیکن وہ مجتہدانہ حیثیت بھی رکھتا ہے اور ان کی کئی باتوں پر اس نے اضافہ کیا ہے۔ اس نے مابعد الطبیعیات اور نفسیاتی فلسفے کی بنیاد طبیعیات (فزکس) پر رکھی ہے.

ابن باجّہ نے نفسیات اور عقل پر بھی لطیف بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اخلاق اور عقل کا باہمی تعلّق کیا ہے اور عقل اور قوّتِ متخیّلہ کے درمیان کیا واسطہ ہے۔ اس نے علم انسانی کی حقیقت اور اس کے مراتب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور انسانی حافظے کو حسِّ مشترک کی طرف منسوب کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح قوّتِ متخیّلہ آخر میں جا کر قوّتِ ناطقہ اور تعلیم وتعلّم کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فلسفۂ تدبیرِ منزل وسیاست پر بھی ابن باجّہ نے بحث کی تھی، لیکن وہ رسائل ضائع ہو چکے ہیں۔ ان کا حوالہ ابن باجّہ نے اپنی کتاب النفس اور کتاب تدبیر المتوحّد میں دیا ہے۔ ہرچند کہ مونک (Munk) اور دبوئر (De Boer) کے بیانات پر اعتماد کرتے ہوئے عمر فرّوخ نے رینان کے اس بیان کو کہ ابن باجّہ تصوّف کی طرف مائل تھا "خطاے بے ریب" لکھا ہے (عمر فرّوخ: ابن باجّہ .....، ص ۴۳) مگر خود ابن باجّہ کی تحریروں میں اور خصوصًا تدبیر المتوحّد کے اندر اس کے خلاف شہادتیں ملتی ہیں.

ابن باجّہ نے منطق پر جو رسائل لکھے ہیں ان میں اس نے الفارابی کے متن پر تنقید کی ہے اور کتاب النفس میں وہ بدیہی طور پر ان اہمّ دلائل کے ساتھ اتّفاق کرتا ہے جن پر ارسطو نے اپنی تصنیف *De Anima* کی دوسری اور تیسری کتاب میں بحث کی تھی۔ ابن باجّہ نے الکندی، الفارابی اور ابن سینا کی طرح، جو وحی والہام اور عقل کے درمیان نہایت قریبی رشتہ ہونے کی تشریح عقلی دلائل کی بنیاد پر کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اس مشکل کو اپنے اسلامی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں اس نے وحی والہام کے متعلّق اپنا وہ نظریہ پیش کیا ہے جو رسالة الاتّصال میں نیز ان رسائل میں جو اس نے اشتہا اور عقلِ فعّال پر لکھے ہیں موجود ہے.

ابن باجّہ کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے ابن زُہر طبیب کے ایما سے کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ اس کا سالِ وفات ۵۲۵ھ/ ۱۱۳۰-۱۱۳۱ء بھی بیان ہوا ہے، لیکن زیادہ صحیح ۵۳۳ھ/ ۱۱۳۸ء ہے کیونکہ ابن

باجّہ کی تصنیفات کے مجموعے پر، جو اس کے شاگرد ابن الامام نے خود ابن باجّہ کے سامنے پڑھا تھا، تاریخ کتابت ۱۵ رمضان ۵۳۰ھ مرقوم تھی۔ اس مخطوطے کی ایک نقل، جو ۵۴۷ھ میں تیار ہوئی، اوکسفرڈ میں محفوظ ہے.

مآخذ: (۱) Pocock: نسخۂ باڈلین، شمارہ ۲۰۶؛ (۲) ابن باجّہ کی تالیفات، طبع M. Asin Palacios: تدبیر المتوحّد، ۱۹۴۸ء؛ رسالۃ الاتّصال العقل، در رسالۃ الاندلس، ۱۹۴۲ء، ص ۱-۴۷؛ رسالۃ الوداع، در رسالۃ الاندلس، ۱۹۴۳ء، ص ۱-۸۷؛ رسالۃ النبات، در رسالۃ الاندلس، ۱۹۴۰ء؛ نیز *El filosofo zaragozano Avenpace Revista de Arágon I*، ج ۱، ۱۹۰۰ء: ص ۱۹۳-۱۹۷، ۲۳۴-۲۳۸، ۲۷۸-۲۸۱، ۳۰۰-۳۰۲، ۳۳۸-۳۴۰؛ ج ۲، ۱۹۰۱ء، ۲۴۰-۲۴۱، ۳۰۱-۳۰۳، ۳۴۸-۳۵۰؛ (۳) تدبیر، طبع Dunlop، در *JRAS*، ۱۹۴۵ء، ص ۶۱-۸۱؛ (یہ تدبیر کے ایک حصّے کا ترجمہ ہے لیکن اغلاط سے خالی نہیں)؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۶۰؛ تکملہ، ۱: ۸۳۰؛ (۵) S. Munk: *Mélanges*، ص ۳۸۳ ببعد؛ (۶) De Boer: *der Geschicht philosophie im Islam*، ص ۱۵۶ ببعد؛ (۷) N. Morata: *Avenpace*، در *La Ciudad de dios*، ۱۹۲۴ء، ص ۱۸۰-۱۹۴؛ (۸) Leclerc: *Histoire de la médecine arab.*، ۲: ۷۵، ۱۳۹؛ (۹) فتح ابن خاقان: قلائد العِقْیان، ص ۳۴۶ ببعد؛ (۱۰) ابن خَلِّکان: وَفیات، طبع وُسْٹِنْفِلْٹ ۱۸۳۵ء، شمارہ ۶۸۱؛ (۱۱) ابن خَلْدُون: تأریخ، بولاق، ۱: ۵۸۸؛ (۱۲) ابن ابی اُصَیْبِعَہ: عُیُون الاَنباء، طبع مُلّر (Müller)، ۲: ۶۲؛ (۱۳) ابن القِفْطی: تأریخ الحُکماء، طبع لِپّرٹ (Lippert)، ص ۴۰۶؛ (۱۴) یاقوت: اِرشاد الاَرِیب، طبع مرجلیوث، ۶: ۱۲۴-۱۲۷؛ (۱۵) سُیُوطی: بُغیة الوعاة، ص ۲۰۷؛ (۱۶) مَقَّرِی: نفحُ الطِّیب، ۴: ۲۰۶؛ (۱۷) عمر فرّخ: ابن باجّة و الفلسفة المغربیة؛ (۱۸) G. Sarton: *Introduction to the History of Science*، جلد ۲، حصّہ ۲: ص ۱۸۳.

(ایم صغیر حسن و ادارہ)

✱ **ابن بَدْرُون:** رکّ بہ ابن عَبْدُون.

✱ **ابن بَرِّی:** ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن محمد بن الحسین الرِباطی، ایک عرب نحوی، ۶۶۰ھ/ ۱۲۶۱-۱۲۶۲ء کے قریب تازہ میں پیدا ہوا۔ اس نے ۷۳۰ھ یا ۷۳۱ھ یا ۷۳۳ھ/ ۱۳۲۹-۱۳۳۳ء میں اسی مقام پر وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوا، اگرچہ بعض لوگ غلط طور پر اس کا مزار فاس میں بتاتے ہیں.

اسے بہت سے مختلف اسلامی علوم میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ علومِ اسلامیہ سے اس کی وسیع واقفیت کے پیشِ نظر، بالخصوص قرآن کی مختلف قراءتوں کے بارے میں، اسے ایک مستند نقّاد تسلیم کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کی الدُرَرُ اللّوامِع شمالی افریقہ میں اس قدر مقبولِ عام ہے جتنی کہ آجُرّومیّة.

وہ کچھ مدّت تک ایک عدُل (پیشہ ور گواہ) رہا ہے۔ اس کا ایک شاگرد قاضی تھا اور اسے اپنے سابق استاد کو اس ادنٰی حیثیت میں دیکھنا گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس کی سفارش پر وہ تازہ حکومت کی طرف سے کاتب کے عہدے پر مامور ہوا اور اپنی وفات تک وہ اسی عہدے پر فائز رہا۔ اس کی تصانیف میں سے صرف دو کتابیں زمانے کی دست برد سے بچ رہی ہیں: (۱) تیس اشعار بحرِ رجز میں بعنوان فی مخارج الحروف، جن میں مصنّف نے عربی حروف کی آوازوں کے مخارج کی تعیین کی ہے (مخطوطہ برلن *Verzeichn*، شمارہ ۵۴۸)؛ (۲) الدُرَرُ اللّوامِع فی اَصلِ مَقْرَءِ الامام نافِع، دو سو بیالیس اشعار کی نظم بحرِ رجز میں، جس کی تکمیل ۶۹۷ھ/ ۱۲۹۸ء میں ہوئی اور جس میں نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نُعیم المدنی (م ۱۵۹ھ/ ۷۷۵-۷۷۶ء یا ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء) کی بیان کردہ قراءتِ قرآن پر بحث کی گئی ہے اور جو قاہرہ اور تونس میں قرآن کی قراءت اور رسمِ خط سے متعلّق مسائل کے مجموعوں میں اکثر شائع ہوتی رہی ہے.

مآخذ: (۱) ابراہیم بن احمد المارِغنی التُّونِسی: النُّجومُ الطّوالِع علی الدُّرَر اللّوامِع وغیرہ (تونس ۱۳۲۲ھ)، ص ۲۳۱؛ (۲) Brockelmann، ۲: ۲۴۸ ببعد؛ [تکملہ، ۲: ۳۵۰].

(محمد بن شنب)

✱ **ابن بَرِّی:** ابو محمد عبداللہ بن [ابو الوحش] بَرّی بن عبدالجبّار بن بَرِّی المَقدِسی المصری، ایک عرب نحوی اور لغوی، جو دمشق میں ۵ رجب ۴۹۹ھ/ [۱۴] مارچ ۱۱۰۶ء کو پیدا ہوا اور قاہرہ میں ۲۷ شوال ۵۸۲ھ/ ۹-۱۰ جنوری ۱۱۸۷ء کی درمیانی رات کو فوت ہوا۔ وہ غیر معمولی شہرت کا مالک ہے۔ اسے فلسفۂ لغت پر حجّت مانا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اسے ''نحویوں کا بادشاہ'' کہتے ہیں۔ لسان العرب کے مصنّف نے اس کی تحریروں سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ نحو میں اس کے استاد ابوبکر محمد بن عبدالملک الشَّنْتَرِینی، ابو طالب عبدالجبّار ابن محمد بن علی المَعافِری القُرطُبی، ابو صادق المَدَنی اور ابو عبداللہ الرّازِی وغیرہ تھے۔ اس کا بہترین شاگرد ابو موسٰی عیسٰی بن عبدالعزیز الجَزُولی تھا۔ وہ مندرجۂ ذیل کتابوں کا مصنّف ہے: (۱) کتابُ التّنبیه و الاِیضاح عمّا (باختلاف: علی ما) وَقَع من الوَهْمِ فِی کِتابِ الصّحاح، جوہری کی لغات (صَحاح) میں تصحیحات و اضافات۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ اصل ''وقش'' کی تشریح میں مصروف تھا [یہ حصّہ تقریبًا ربع کتاب کے برابر ہے] تو اس کا انتقال ہو گیا اور عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن البُسْطی نے اس کی کتاب مکمّل کی (Derenbourg: *Mss. ar. de l'Escurial*، شمارہ ۵۸۵)؛ (۲) حواشی علی المعرّب [من الکلام الاعجمی، طبع شیخو، لائپزگ ۱۸۶۷ء]، الجوالیقی کی غیر عربی الفاظ کی فرہنگ پر تنقیدی حاشیے اور اضافے (Derenbourg: کتاب مذکور، شمارہ ۷۷۲، ۵)؛ (۳) کِتابُ غَلَطِ الضُّعَفاء من الفقهاء، فقہا کے کلام میں جن نئے یا غلط الفاظ کا استعمال ہوا ہے ان کا

مجموعہ (طبع Ch. C. Torrey، در *Oriental. Stud. Th. Nöldeke gewidmet*، ۱۹۰۶ء)؛ (۴) الذَّبُّ عَنِ الحَرِیری، ابن الخشّاب کی سخت نکتہ چینی کے خلاف الحریری کے مقامات کی حمایت میں ایک مختصر رسالہ (قسطنطینیہ ۱۳۲۰ھ)۔ [مقامات پر ابن الخشّاب کے استدراکات اور ابن برّی کے جوابات آستانہ سے ۱۳۲۸ھ میں ایک ساتھ ہی شائع ہو چکے ہیں۔ حریری کی درۃ الغوّاص پر ابن الخشّاب کے اعتراضات کے جواب میں بھی ابن برّی نے ایک رسالہ بنام اللباب فی الرّدّ علی ابن الخشّاب کے نام سے لکھا تھا].

لفظ ''خال'' کے مختلف معانی پر تیرہ اشعار، جنھیں براکلمان (Brockelmann) نے اس سے منسوب کیا ہے اور لسان العرب میں موجود ہیں، دراصل ثَعْلَب کے ہیں (قبّ ابوہلال العسکری: کتاب الصِناعتَین (قسطنطینیہ ۱۳۲۰ھ، ص ۳۳۵).

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیَاتُ الاَعْیَان (قاہرہ ۱۳۱۰ھ)، ۱: ۲۶۸؛ (۲) اَلسُّیوطی: حُسْنُ المُحاضَرۃ (قاہرہ ۱۳۲۱ھ)، ۱: ۲۵۵؛ (۳) وہی مصنّف: بُغْیَۃُ الوُعَاۃ (قاہرہ ۱۳۲۶ھ)، ص ۲۷۸؛ (۴) ابوالفداء: تأریخ (قسطنطینیہ ۱۲۸۶ھ)، ۳: ۷۵؛ (۵) اَلسُّبکی: طَبَقَاتُ الشَّافِعِیّۃ (قاہرہ ۱۳۲۴ھ)، ۴: ۲۳۳ ببعد؛ (۶) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۰۱ ببعد؛ [تکملہ، ۱: ۵۲۹]؛ (۷) تاج العروس، تحت مادّۂ ب-د-ر؛ (۸) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادۃ، ۱: ۱۰۲ ببعد.

(محمد بن شنب)

✱ **ابن بَشْکُوال:** ابوالقاسم خَلَف بن عبدالملک ابن مسعود بن موسیٰ بن بَشْکُوَال بن یوسف بن داحہ [داحد، بروایت دیگر واحد، قبّ الذہبی: تذکرۃ الحُفّاظ، ۴: ۱۳۲] بن داقہ [واکد، قبّ سرکیس، عمود ۴۶] بن قصر بن عبدالکریم بن واقد [وافد الخزرجی، قبّ سرکیس، مقامِ مذکور] الانصاری، ایک عرب تذکرہ نگار، جس کا خاندان بلنسیہ کے قرب وجوار میں [اندلس کے مشرق میں] شورویون [شُرّین] (Xorroyón, Sorrión) کے مقام پر رہتا تھا۔ وہ تیسری ذوالحجّہ ۴۹۴ھ/ ۲۹ ستمبر ۱۱۰۱ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس نے قرطبہ اور اشبیلیہ میں حدیث نبوی اور اپنے ملک کی تاریخ کا وافر علم حاصل کیا اور کچھ عرصے تک قاضی ابوبکر ابن العربی کے نمائندے کے طور پر اشبیلیہ کے ایک محلّے کا قاضی رہا۔ آٹھویں رمضان ۵۷۸ھ/ چوتھی اور پانچویں جنوری ۱۱۸۳ء) کو منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں اس کا انتقال ہوگیا۔ [حاکم قرطبہ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی]۔ اس کے اہمّ اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابومحمد بن عتّاب، ابو ولید ابن رُشد، ابوبکر ابن العربی وغیرہ۔ اس کے شاگردوں میں، جو سب کے سب اس کی زندگی میں مر گئے تھے، ابوبکر بن الخیر [حَبَر یا جبر، قبّ ذہبی: تذکرۃ، ۴: ۱۳۳] اور ابو القاسم القَنْطَرِی (ابوبکر بن سمعون) کے نام لیے جا سکتے ہیں.

ابن بَشْکُوَال کو عربی سوانح نگاروں میں خاص شہرت اور امتیاز حاصل ہے اور ابن الابّار کی رائے میں وہ قرطبہ میں علمِ حدیث پر آخری سند سمجھا جاتا تھا اور اندلس (سپین) کی تاریخ پر سب سے زیادہ مستند مؤلّف تھا.

ان پچاس تصانیف میں سے، جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ہم تک صرف دو [چار] ہی پہنچی ہیں: (۱) کتاب الصِلَۃ فی تأریخ ائمِّۃ الاندلس، جو اندلس کے عربی علما و فضلا کے اسما کی ایک معجم ہے۔ یہ کتاب، جو تیسری جمادی الاولیٰ ۵۳۴ھ/ ۲۷ دسمبر ۱۱۳۹ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی، دراصل ابن الفرضی کی معجم (طبع F. Codera، در *Bibl. arab. Hisp.*، جلد اوّل و دوم، میڈرڈ ۱۸۸۳ [تا ۱۸۹۲ء] کا ایک ضمیمہ ہے؛ (۲) کتاب الغَوامِض و المُبْہَمات من الاسماء، جو حدیث کے ان مستند راویوں کے اسما کی قاموس ہے جن کے ناموں کا املا مشکل ہے یا جن کے نام دوسرے ناموں کے ساتھ بآسانی ملتبس ہو جاتے ہیں (برلن فہرست، شمارہ ۱۶۷۳)۔ [ابوالخطاب بن واہب نے اس کی تلخیص کی تھی؛ (۳) کتاب المُسْتَغِیْثِین باللّٰہِ تعالٰی عِنْدَ المُھِمّاتِ و الْحَاجَاتِ وَ الْمُتَضرِّعِیْن اِلیہ بالدّعوات و الرَّغَبَات؛ (۴) کتاب الفوائد المُنْتَخبۃ و الحِکایات المُسْتَغْربۃ؛ (۵) القربۃُ الی ربّ العٰلمین فی فضل الصلوٰۃ علی سید المرسلین، اس کی ایک تلخیص جو ابوعلی محمد بن مسعود غافِقی (۴۶۵-۵۴۰ھ/ ۱۰۴۶-۱۱۷۲ء) نے کی تھی وہ محفوظ ہے.

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وفیات (قاہرہ ۱۳۱۰ء)، ۱: ۱۷۲؛ (۲) الذہبی: تذکرۃ الحُفّاظ (حیدرآباد، بلا تاریخ)، ۴: ۱۳۲ ببعد؛ (۳) ابن فَرْحُون: الدیباج (فاس ۱۳۱۶ھ)، ص ۱۱۶ [مصر ۱۳۲۹ھ، ص ۱۱۴]؛ (۴) ابن الاَبّار: تکملۃ، شمارہ ۱۷۹؛ (۵) وہی مصنّف: المعجم، شمارہ ۷۰؛ (۶) اَلسُّیوطی: طبقات الحُفّاظ، طبع وُسْٹنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، ۱۷، شمارہ ۱؛ (۷) Wüstenfeld: *Die Geschichtschreiber der Araber*، شمارہ ۲۷۰؛ (۸) Pons Boigues: *Ensayobiobibliografico*، شمارہ ۲۰۰؛ (۹) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۴۰؛ [تکملہ، ۱: ۵۸۰].

(محمد بن شنب)

✱ **ابن بَطُّوطَہ:** (بَطُوطَہ) شرف الدّین محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم، ابوعبداللہ اللَّوَاطی الطَّنْجِی، ایک مشہور عرب سیّاح اور مصنّف، جو طنجہ میں بتاریخ ۱۴ رجب ۷۰۳ھ/ ۲۴ فروری ۱۳۰۴ء پیدا ہوا۔ وہ ایک علم دوست خاندان سے تعلّق رکھتا تھا اور خود بھی علومِ دینیہ سے آگاہ تھا۔ ۲ رجب ۷۲۵ھ/ ۱۴ جون ۱۳۲۵ء میں، جب کہ اس کی عمر بائیس سال کی تھی، وہ حج کے ارادے سے مکّے کے لیے روانہ ہوا اور اہلِ قافلہ نے اس کے علم وتقوٰی کی وجہ سے تونس سے روانہ ہوتے وقت اسے اپنا قاضی منتخب کر لیا۔ سفر پر روانہ ہوتے ہی وہ بیمار ہو گیا، لیکن اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ شمالی افریقہ کے راستے بالائی مصر سے ہوتا ہوا بحیرۂ احمر پہنچا۔ اسکندریہ میں اس کی ملاقات وہاں کے عالم برہان الدّین سے ہوئی، جس نے اسے چین اور ہندوستان کے بعض علما کے پتے دیے کہ ان سے ضرور ملے۔ چونکہ وہ یہاں سے سمندر کو بحفاظت عبور نہ کر سکا، اس لیے واپس چلا آیا اور شام

اور فلسطین کے راستے اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا۔ مکّے سے روانہ ہو کر وہ عراق میں سے گزرا اور وہاں سے ایران، موصل اور دیار بکر کی سیاحت کی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ مکّے چلا گیا، جہاں اس نے ۷۲۹ھ و ۷۳۰ھ کے سال بسر کیے۔ ایک تیسرے سفر میں وہ جنوبی عرب سے ہوتا ہوا مشرقی افریقہ گیا اور واپسی میں خلیج فارس پہنچا۔ ہُرمُز سے اس نے مکّے کی طرف مراجعت کی اور تیسری بار حج کیا۔ وہاں سے وہ اسوان پہنچا اور براہِ مصر و شام ایشیاے کوچک اور کریمیا چلا گیا۔ وہ ایک یونانی شہزادی کے جلو میں، جو سلطان محمد اُزبک کی بیوی تھی، قسطنطینیہ پہنچا اور وہاں قیصر اَنڈرونیکوس (Andronikos) سوم (۱۳۲۸-۱۳۴۱ء) سے ملاقات کی۔ پھر دریاے وولگا (Volga) سے گزر کر خوارِزم، بخارا اور افغانستان ہوتا ہوا وہ براہِ ہندوکش ۷۳۴ھ/ ۱۳۳۳ء میں ہندوستان وارد ہوا۔ محمد تُغلق کی دعوت پر وہ دہلی گیا، جہاں اسے مذہب مالکی کے مطابق قاضی کا عہدہ سپرد ہوا۔ دو سال کے بعد وہ ایک سفارت کے ہمراہ، جو چین جا رہی تھی، روانہ ہوا لیکن صرف جزائر مالدیپ (مہل ذیبہ، ہل ذیبہ) تک پہنچ سکا، جہاں ڈیڑھ سال تک وہ عہدۂ قضا پر فائز رہا۔ ۱۳۴۴ء میں وہ وہاں سے براہِ لنکا مالابار، بنگال (چاٹگام، سلہٹ) اور ہند اقصی (کمبوڈیا) اور چین گیا۔ یہ امر مشکوک ہے کہ آیا وہ زیتون (Zayton) اور کینٹن (Canton) سے آگے بڑھا یا نہیں؛ اگرچہ کہا گیا ہے کہ وہ بیجنگ تک گیا تھا۔ سماٹرا کے راستے (قب Snouck Hurgronje: *Arabië en Oost-Indië*، لائڈن ۱۹۰۷ء، ص ۷ بعد؛ فرانسیسی ترجمہ، در *Rev. de l'Hist. des Rel.*، ج ۵۷، ۱۹۰۸ء: ص ۶۲ بعد) وہ عرب واپس گیا، جہاں محرّم ۷۴۸ھ میں ظُفار میں جہاز سے اترا۔ ایران، شام اور عراق عرب میں سفر کرنے کے بعد اس نے مصر سے مکّے جا کر چوتھی مرتبہ حج کیا۔ شام میں اسے بہت عرصے کے بعد گھر کے حالات سے آگاہی ہوئی تھی اور اسے معلوم ہوا کہ پندرہ برس ہوے اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، والدہ البتہ زندہ ہے۔ حج سے فارغ ہو کر شمالی افریقہ کے راستے واپس ہوا اور ۲۵ شعبان ۷۵۰ھ/ ۸ نومبر ۱۳۴۹ء کو چوبیس سال کے بعد فاس میں داخل ہوا۔ یہاں ایک مختصر سے قیام کے بعد اس نے غرناطہ کا رُخ کیا۔ اپنے آخری طویل سفر میں اس نے ۷۵۳-۷۵۴ھ/ ۱۳۵۲ء میں افریقہ کے سیاہ فام قبائل کے علاقوں یعنی ٹمبکٹو (Timbuktu) اور مالی (Melli) کی سیر کی۔ اگدیز (Agadez) اور تَوات (Tawat) کے نخلستانوں سے گزر کر وہ ۱۳۵۴ء کے اوائل میں واپس مرّاکُش گیا، جہاں پہنچ کر اس کی اٹھائیس سالہ سیاحت کا ہنگامہ خیز دور ختم ہوا، جس میں اس نے قریباً ۷۵۰۰۰ میل کا سفر طے کیا تھا۔ یہاں اس نے ابوعِنان سلطان فاس (۱۳۴۸-۱۳۵۸ء) کے حکم سے اپنے سفر کے حالات ایک عالم و فاضل شخص محمد بن محمد بن جُزَیّ الکلبی سے لکھوائے (قب de Slane: *Journ. As.*، ۱۸۴۳ء، ۱: ۲۴۴ بعد)۔ اس نے اس کا بیان قلم بند کرنے میں ادبی اسلوب اختیار کیا، جو کئی مقامات پر ابن جُبَیر کی تصنیف کے نمونے پر ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ ابن جُزَیّ کی کتاب دراصل ابن بطّوطہ کے سفرنامے کا خلاصہ ہے۔ ابن جُزَیّ ۱۳۵۵ء میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد جلد ہی فوت ہو گیا (۷۵۷ھ/ ۱۳۵۶ء)۔ اس کے خاص اپنے ہاتھ کی تحریر کا ایک حصّہ پیرس (Paris Ms. Suppl.، شمارہ ۹۰۷) میں محفوظ ہے۔ ابن بطّوطہ نے ۷۷۹ھ/ ۱۳۷۷ء میں مرّاکُش میں وفات پائی۔ اس کی تصنیف موسومہ تحفۃُ النُّظّار فی غرائبِ الاَمْصار و عجائبِ الاَسْفار کو Defrémery اور Sanguinetti نے طبع کیا، (۴ جلد، پیرس ۱۸۵۳-۱۸۵۹ء، تیسری طباعت ۱۸۹۳ء، طبع جدید [مطبع وادی النّیل] قاہرہ ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ھ، ۱۳۲۲ھ، ۱۳۴۶ھ) H. von Mžik نے مزید مآخذ کا ذکر کیا ہے: *Die Reise des Arabers Ibn Baṭūṭa durch Indien und China XIV Jahrh*، در *Bibl. denkwürdiger Reisen*، ج ۵، ہمبرگ (Hamburg) ۱۹۱۱ء۔

ابن بطّوطہ کے سفرنامے سے یورپ کو آگاہی انیسویں صدی میں ہوئی، جب سب سے پہلے وہاں کے لوگوں کی نظر سے اس کے سفرنامے کی ایک عربی تلخیص گزری۔ نواح ۱۸۰۸ء، ۱۸۱۸ء اور ۱۸۱۹ء میں اس کے کچھ اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں Samuel Lee نے سفرنامے کی ایک تلخیص، جس کا مخطوطہ کیمبرج میں محفوظ تھا، مع انگریزی ترجمہ شائع کی۔ سفرنامے کی ایک تلخیص محمد فتح اللہ بن محمود نے کی تھی، چاپ سنگی مصر ۱۲۷۸ھ، طبع ۱۲۷۹ھ)۔ پروفیسر گِب (Gibb) نے سفرنامے کے کچھ اقتباسات کا انگریزی ترجمہ پہلی بار ۱۹۲۹ء میں شائع کیا تھا؛ اس کے بعد ۱۹۳۷ء تک اس کے تین اَور ایڈیشن شائع ہوے۔ مکمّل ترجمہ شائع ہو رہا ہے اور پہلی جلد ۱۹۵۸ء میں کیمبرج سے طبع ہو چکی ہے۔ پروفیسر گِب کے ترجمے کے شروع میں ایک دیباچہ اور آخر میں کچھ تعلیقات ہیں۔ دیباچے میں ابن بطّوطہ کے سفر کے وقت کی اسلامی دنیا کا مذہبی، سیاسی اور تاریخی پس منظر بھی دکھایا گیا ہے۔ اردو میں سب سے پہلے نوازش علی خان نے ڈاکٹر لی کے انگریزی ترجمے سے اس کا ترجمہ کیا، پھر ۱۸۹۸ء میں محمد حسین نے لاہور سے پورے سفرنامے کی جلد دوم کا ترجمہ شائع کیا، اس کے ساتھ مترجم کی طرف سے سولہ صفحے کا انگریزی میں دیباچہ بھی ہے۔ پھر پورے سفرنامے کی پہلی جلد کا ترجمہ سیّد محمد حیات الحسن نے ۱۳۱۴ھ میں کیا اور بعد میں دفتر اخبار وکیل امرتسر سے شائع ہوا، تاریخ طباعت ندارد؛ طبع دوم ۱۹۶۱ء، بعد تہذیب و ترتیب از عبیداللہ قریشی، مطبوعۂ بک لینڈ، کراچی۔ ابن بطّوطہ کا سفرنامہ محض ایک تقویم البلدان اور ان ملکوں کا جغرافیہ اور وہاں کے شہروں، پہاڑوں اور دریاؤں کا بیان ہی نہیں، بلکہ اس دور کے مسلمانوں کی اجتماعی تاریخ کی ایک مفید، دلچسپ اور عبرت انگیز دستاویز بھی ہے۔ اس کی مدد سے تاریخِ ہند کے متعلّق خسرو، بدایونی، فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی اور ملا احمد ٹھٹھوی کے بہت سے بیانات کی تصحیح و تصدیق ہو سکتی ہے۔

مآخذ: علاوہ ان کے جو متن مادّہ میں مذکور ہیں: (۱) ابن خَلدُون: مقدمۃ؛

(۲) ابن حجر: الدرر الکامنة، ۳: ۴۸۰، حیدرآباد ۱۳۴۹ھ؛ (۳) ابراہیم احمد العدَوی: ابن بَطُّوطَة، طبع دارالمعارف مصر؛ (۴) H. A. R. Gibb: *Ibn Battuta*، لنڈن ۱۹۲۹ء؛ (۵) انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا، تحت مادّہ ابن بَطُّوطَہ؛ (۶) براکلمان، ۲: ۲۵۶؛ تکملہ، ۲: ۳۶۵ بعد؛ (۷) St. Janiesek: *Ibn Battuta's journey to Bulgar, is it a fabrication?*، در *JRAS*، ۱۹۲۹ء، ص ۷۹۱-۸۰۰؛ (۸) وحید مرزا: *Khusrau and Ibn Baṭṭuta*، در ارمغانِ علمی، لاہور ۱۹۵۵ء، ص ۱۷۱-۱۸۰.

(براکلمان C. BROCKELMANN و عبدالمنّان عمر)

✱ **ابن البُطلان:** (Joannes) ابوالحسن المختار [ابن الحسن بن عَبدُون]، بغداد کا ایک مسیحی طبیب۔ وہاں سے وہ ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۹ء میں الرَّحبَہ اور الرُّصافَہ ہوتا ہوا حلب پہنچا اور پھر وہاں سے انطاکیہ اور لاذِقیَہ گیا اور بالآخر مصر کے شہر الفُسطاط میں وارد ہوا، جہاں اس کی ملاقات اپنے ایک شریک کار علی بن رضوان [م ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۰ء] سے ہوئی۔ ان کے باہمی میل جول نے شدید بحث و مباحثہ کی صورت اختیار کر لی اور دونوں طرف سے مناظرانہ رنگ میں متعدّد رسالے لکھے گئے۔ ابن القِفطی نے تأریخ الحُکماء میں ابن البُطلان کے ایک خط کے اقتباسات دیے ہیں (طبع لپّرٹ Lippert، ص ۲۹۸ بعد)۔ بالآخر ان دونوں کے تعلّقات میں کشیدگی اتنی بڑھی کہ ابن البُطلان نے مصر چھوڑ دیا اور قسطنطینیہ چلا گیا، جہاں اس وقت طاعون کا زور تھا (۴۴۶ھ/ ۱۰۵۴ء)۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابن القِفطی نے اپنی مذکورۂ بالا کتاب میں جو یہ لکھا ہے کہ اس نے ۴۴۴ھ/ ۱۰۵۲ء میں انطاکیہ میں انتقال کیا وہ غلط ہے، اگرچہ ابن ابی اُصَیبِعَہ نے بھی یہ لکھا ہے کہ وہ انطاکیہ واپس آ گیا تھا۔ وہ ۴۵۵ھ/ ۱۰۶۳ء [بلکہ ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۸ء] تک بھی زندہ تھا۔ اس کی اہم تصنیف کا نام تقویم الصِحّة ہے [مخطوطہ در موزۂ بریطانیہ، شمارہ Or. ۵۵۹۰]، جس کا ایک ترجمہ لاطینی زبان میں شٹراس بورگ (Strassburg) سے ۱۵۳۱ء میں *Tacuini Sanitatis Ell uchasem Elimithar medici de Baldath* کے عنوان سے شائع ہوا۔ اگلے سال اس شہر سے جرمن زبان میں بھی ایک ترجمہ M. Herum نے بنام *Schachtafeln der Gesundheit* شائع کیا۔ دوسری تصانیف کی تفصیل لکلرک (Leclerc) اور براکلمان (Brockelmann) نے دی ہے، قب مآخذ۔ وہاں جو کتاب دعوۃ الاطباء علی مذہب کلیلۃ و دمنۃ کے نام سے مذکور ہے اسے ۱۹۰۱ء میں ڈاکٹر بشارۃ زلزال نے اسکندریہ سے [۱۹۰۱ء میں] شائع کیا تھا۔ [دعوۃ الاطباء کی ایک شرح ابن ہبۃ اللہ بُردی نے لکھی تھی]۔

مآخذ: (۱) ابن ابی اُصَیبِعَہ، طبع مُلّر (Müller)، ۱: ۲۴۱ بعد؛ (۲) ابن القِفطی، طبع لپّرٹ (Lippert)، ص ۲۹۴ بعد؛ (۳) Leclerc: *Histoire di la médecine*، ۱: ۴۸۹ بعد؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۸۳ بعد؛ [تکملہ، ۱: ۸۸۵]؛ (۵) [ابن منقذ: کتاب الاعتبار، ترجمہ فرانسیسی از H. Derenbourg: *Vie d' Ousâma ibn Mounkidh*، ۱۵ و ۴۸۸ بعد، [طبع ۱۸۸۹-۱۸۹۵ء؛ طبع جرمن از جارج شومان شیخو، در مشرق *Mašriq*، ۲۳: ۶۵۹ بعد].

(ادارۂ [آ، طبع اوّل)

✱ **ابن بَقِیّہ:** نصیرالدولہ ابوالطاہر محمد بن محمد بن بقیہ، بختیار کا وزیر، جو شہر عوانہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدا میں معزّالدّولہ کے دربار میں میر مطبخ کی حیثیت سے ملازم ہوا اور ذوالحجّہ ۳۶۲ھ/ ستمبر ۹۷۳ء میں بختیار نے قلمدانِ وزارت اس کے سپرد کر دیا۔ جب ۳۶۴ھ/ ۹۷۵ء میں عضدالدولہ نے بغداد فتح کیا اور بختیار کو قید کر لیا تو ابن بقیہ عضدالدولہ سے جا ملا، جس نے اسے واسط اور اس کے اردگرد کا علاقہ عطا کر دیا۔ اس شہر میں قدم رکھتے ہی اس نے عضدالدولہ سے اپنی وفاداری کو خیرباد کہا۔ مؤخّر الذّکر کو شکست ہوئی اور اسے دارالخلافۂ بغداد بختیار کے قبضے میں چھوڑ کر فارس کی سمت مراجعت کرنا پڑی۔ اب ابن بقیہ دوبارہ بغداد میں وارد ہوا، جہاں آ کر اس نے بختیار کو عضدالدولہ کے خلاف برانگیختہ کرنے کی اپنی جانب سے پوری کوشش کی۔ ۳۶۶ھ/ ۹۷۶-۹۷۷ء میں مؤخّر الذّکر نے پیش قدمی کر کے الاَہْوَاز پر بختیار کو شکست دی۔ بختیار کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑی اور وہ واسط چلا گیا۔ اس سال کے ماہ ذوالحجّہ/ اگست ۹۷۷ء میں اس نے ابن بقیہ کو گرفتار کر کے اندھا کروا دیا، کیونکہ اس نے حد سے زیادہ خودسری کا اظہار کیا تھا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اُسے اس کے دشمن عضدالدولہ کے حوالے کر دیا گیا، جس نے شوّال ۳۶۷ھ/ مئی ۹۷۸ء میں اسے ہاتھیوں سے روندوا کر ہلاک کر دیا۔ اپنی وفات کے وقت ابن بقیہ کی عمر پچاس سال تھی۔

مآخذ: (۱) ابن خلِّکان (طبع Wüstenfeld)، عدد ۷۰۹ (ترجمہ از de Slane، ۳: ۲۷۲ بعد)؛ (۲) ابن الاَثیر (طبع Tornberg)، ۸: ۴۶۲-۴۶۶، ۴۷۹-۴۸۲ بعد، ۴۹۳ بعد، ۵۰۷.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

⊗ **ابن بکّار:** ابوعبداللہ (یا ابوبکر) الزُّبیر بن بکّار بن عبداللہ بن مُصْعَب بن ثابت بن عبداللہ بن الزُّبیر القرشیّ الاسدیّ المدنیّ الحافظ، قاضی الحَرَمین، اپنے دَور کے جیّد علما میں سے تھا۔ تاریخ، نسب، حدیث، شعر اور ادب میں اسے بلند مقام حاصل ہے۔

الخطیب البغدادی اور یاقوت الحَمَوی کے علاوہ الدارقُطنی اور دیگر محدّثین نے ابن بکّار کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبرّ نے ابن بکّار کی روایت کو دوسروں پر ترجیح دی ہے۔ ابن حَجَر العَسْقلانی نے تہذیب التہذیب میں احمد بن علی السّلیمانی کے اس قول کی کہ ابن بکّار منکر الحدیث ہے تردید کی ہے۔ ابن بکّار کے شیوخ

حدیث و تاریخ کے معتمد اور مشہور علما میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن میں مُصعب بن عبداللہ الزُّبیری اور ابوالحسن علی بن محمد المدائنی کے علاوہ سُفیان ابن عُیَینَہ، عبداللہ بن نافع، ابوضَمرۃ اَنس بن عیاض، عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رَوّاد، النَّضر بن شُمیل، ابراہیم بن المُنذِر الحِزامی، اسمٰعیل بن ابی اُوَیس، عبدالملک بن عبدالعزیز الماجشُون کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ الخطیب البغدادی نے الزُّبیر بن بکّار سے علم حاصل کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے، جن میں ابن ماجہ القزوینی، ابن ابی الدُّنیا اور ابوجعفر الطَّبَری جیسے علما کے علاوہ احمد بن سلیمان الطُّوسی، ابوالقاسم البَغَوی، القاضی المحَامِلی، یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن البُہلُول اور جعفر بن مُصعب بن الزّبیر بن بکّار کے نام شامل ہیں [الذّہبی نے ان میں ثَعلَب النّحوی کا نام بھی دیا ہے]۔

ابن بکّار کو خلیفہ المتوکّل کے دور میں شہرت حاصل ہوئی۔ المتوکّل کو سنّت رسولؐ سے دل بستگی تھی اور وہ احادیثِ نبوی اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ حدیث کی اشاعت کے لیے اس نے محدّثین کو سامرّا بلا کر بڑے بڑے انعامات دیے۔ الزبیر بن بکّار کو بھی انھیں علما میں شامل کیا جاتا ہے۔ خلیفہ نے ابن بکّار کو اپنے بیٹے الموفّق کا اتالیق بنایا اور بعد کو مکّے اور مدینے کا قاضی بھی نامزد کیا۔ ایک بار الجَوسق سے المحمدیّہ کو جاتے ہوے المتوکّل نے، جسے عَلَویّون سے عناد تھا، ابن بکّار سے پوچھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے۔ ابن بکّار نے کچھ تامّل کے بعد کہا کہ ابوبکرؓ صحابہؓ میں سے افضل تھے اور علیؓ قرابتداروں میں سے۔ اس جواب سے المتوکّل بہت خوش ہوا۔

ابن بکّار کو کئی مرتبہ بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ آخری بار ۲۵۳ھ/ ۸۶۷ء میں المعتزّ باللہ کے عہدِ خلافت میں گیا۔ ایک موقع پر المعتزّ نے اپنے تازہ کلام سے تین ابیات ابن بکّار کو سنائے اور کہا کہ میں اس زمین میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا ہوں۔ اس پر ابن بکّار نے ایک برجستہ بیت کا اضافہ کیا، جس کے عوض میں خلیفہ نے ایک ہزار دینار انعام عطا کیا۔

ابن بکّار کا حافظہ بہت تیز تھا۔ اسحٰق بن ابراہیم المَوصِلی کی مجلس میں علی بن صالح نے ابن بکّار کے چچا مصعب بن عبداللہ الزُّبیری کو ایک بیت سنایا اور پوچھا کہ یہ کس کا قول ہے۔ مصعب نے کہا کہ میں نہیں جانتا البتہ میرا بھتیجا بتا سکے گا۔ چنانچہ واپس آکر مُصعب نے ابن بکّار سے پوچھا تو اس نے شاعر کا نام عبیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود بتایا اور اس قصیدے کے مزید ابیات بھی پڑھ کر سنا دیے۔

ابن بکّار کو کتابوں کا بہت شوق تھا، مگر اس کا یہ شوق اس کے گھر والوں پر گراں تھا۔ جن شعرا نے ابن بکّار کی مدح کی ہے انھوں نے اس کی سخاوت کی بہت تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ تشہّد کے سوا اس کی زبان پر ''لا'' کا کلمہ کبھی نہیں آیا۔

الزُّبیر بن بکّار کی وفات ۲۳ ذوالقعدہ ۲۵۶ھ/ ۲۳ اکتوبر ۸۷۰ء کو مکان کی چھت سے گر پڑنے کے باعث واقع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ گرنے سے ابن بکّار کی ہنسلی (تَرْقُوہ) اور ران کی ہڈی (وَرْک) ٹوٹ گئی اور دو دن بے ہوش رہنے کے بعد ۸۴ سال کی عمر پا کر اس نے دنیاے فانی کو خیر باد کہا۔

ابن النّدیم اور یاقوت الحموی نے ابن بکّار کی تینتیس تصانیف کا ذکر کیا ہے لیکن الصَّفَدِی نے چند اور عنوان اضافہ کیے ہیں، مثلاً الاخبار المنثورۃ الامالی، کتاب الاخلاق (اگر یہ کتاب الاختلاف سے مختلف ہے)، کتاب ازواج النبیؐ، کتاب مزاح النبیؐ۔ ابن بکّار کی اکثر تصنیفات ناپید ہیں۔ اس کی صرف دو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔

اس کی کتاب انساب قریش و اخبارھم سب سے اہمّ تصنیف ہے۔ تاریخ قریش پر کتب قدیمہ میں یہ کتاب امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور نسب، تاریخ، شعر، ادب اور جغرافیے کی گونا گوں معلومات پر مشتمل ہونے کی بنا پر خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا آخری نصف حصّہ ایک مخطوطے کی صورت میں باڈلین لائبریری، اوکسفرڈ میں بذیل شمارہ Marsh 384 محفوظ ہے؛ باقی کا نصف حصّہ کسی آفتِ زمانہ کا شکار ہو گیا ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم المَوصِلی نے ایک مرتبہ ابن بکّار سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! آپ نے ایک کتاب بعنوان کتاب النسب تصنیف کی ہے وہ دراصل تاریخ کی کتاب ہے۔ ابن بکّار نے فوراً جواب دیا کہ اے ابو محمد! اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے بھی جو کتاب بعنوان کتاب الاغانی تالیف کی ہے درحقیقت کتاب المعانی ہے۔

اس کی دوسری تصنیف کتاب الموفّقِیّات ہے، جو اس نے المتوکّل کے بیٹے الموفّق باللہ کے لیے لکھی۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے اور تاریخی معلومات سے پُر ہے۔

مآخذ: (۱) ابن الندیم: الفہرست، طبع Flügel، لائپزگ ۱۸۶۲ء، ص ۱۱۰-۱۱۱؛ (۲) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، القاہرۃ ۱۳۴۹ھ، ۸: ۴۶۷-۴۷۱؛ رقم ۴۵۸۵؛ (۳) الاشبیلی: فہرست، طبع Codera ۱۸۹۴-۱۸۹۵ء، ص ۴۳۹؛ (۴) یاقوت الحموی: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث (Margoliouth)، لنڈن۔ لائڈن ۱۹۰۷-۱۹۲۶ء، ۴: ۲۱۸-۲۲۰؛ (۵) ابن الاثیر: الکامل فی التأریخ، لائڈن ۱۸۶۷-۱۸۷۶ء، ۷: ۱۴۹؛ (۶) ابن خَلِّکان: وفیات الاعیان، بولاق ۱۲۷۵ھ، ۱: ۳۳۶؛ (۷) الذّہبی: تذکرۃ الحُفّاظ، حیدرآباد ۱۳۱۵ھ، ۲: ۹۹؛ (۸) وہی مصنّف: میزان الاعتدال، القاہرۃ ۱۳۲۵ھ، ۱: ۳۴۵، شمارہ ۲۷۸۳؛ (۹) وہی مصنّف: دُوَل الاسلام، حیدرآباد ۱۳۳۷ھ، ۱: ۱۲۱؛ (۱۰) وہی مصنّف: طبقات الحُفّاظ، طبع وسٹنفلٹ، گوٹنجن ۱۸۳۳ء، باب ۸، شمارہ ۱۲۴؛ (۱۱) وہی مصنّف: تأریخ الاسلام، مخطوطۂ لائڈن؛ (۱۲) الصَّفَدی: الوافی، مخطوطۂ پیرس، عدد ۲۰۶۴، ورق ۸۰، ب و ۸۱ الف؛ (۱۳) الیافعی: مرآۃ الجنان، حیدرآباد ۱۳۳۹ھ، ۲: ۱۶۷؛ (۱۴) ابن تَغرِی بردی: النُّجوم الزّاھرۃ، ۱۹۲۹-۱۹۴۲ء، ۳: ۲۵؛ (۱۵) ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، حیدرآباد ۱۳۲۵-۱۳۲۷ھ، ۳: ۳۱۲؛ (۱۶) حاجی خلیفہ: کشف

الظّنون، طبع فلوگل، لائپزگ ۱۸۳۵-۱۸۵۸ء، عدد ۱۳۵۱، ۷ : ۲۲۲؛ (۱۷) ابن العماد الحنبلی: شذرات الذّھب، القاھرۃ ۱۳۵۰-۱۳۵۱ھ، ۲: ۱۳۳؛ (۱۸) عبدالقادر البغدادی: خزانۃ الأدب، القاھرۃ ۱۳۴۷ھ، ۱: ۳۵؛ (۱۹) احمد امین: ضُحی الاسلام، القاھرۃ ۱۳۵۱-۱۳۵۳ھ، ۲: ۳۴۴؛ (۲۰) ہامر پرگستال (Hammer Purgstal: *Literaturgeschichte der Araber*، ۴: ۴۴۷، شمارہ ۲۶۲۰، وی انا ۱۸۵۳ء؛ (۲۱) F. Wüstenfeld: *Die Geschichtschreiber der Araber*، گوٹنجن ۱۸۸۲ء، شمارہ ۶۱؛ (۲۲) وہی مصنّف: *Die Familie el- Zubeir etc.*، گوٹنجن ۱۸۷۸ء، مواضع کثیرہ؛ (۲۳) براکلمان (C. Brockelmann)، ۱: ۱۴۱؛ تکملہ، ۱: ۲۱۵ ببعد؛ (۲۴) اے۔ اے۔ علی: *J. R. A. S*، ۱۹۳۶ء، ۵۵ ببعد۔

(ایم۔ این۔ احسان الٰہی)

----

* **اِبنُ البَلَدی:** شَرَف الدّین ابوجعفر احمد بن محمد ابن سعید، خلیفہ المُستَنجِد کا وزیر۔ وہ ۵۶۳ھ/ ۱۱۶۷-۱۱۶۸ء میں وزیر مقرّر ہوا، جب کہ وہ واسط میں ناظر تھا۔ اس کے اور استادِ دار عضد الدّین محمد بن عبداللہ کے درمیان پرانی عداوت چلی آتی تھی۔ ربیع الثانی ۵۶۶ھ/ دسمبر ۱۱۷۰ء میں جب عضد الدّین اور امیر قطب الدّین نے خلیفہ کو قتل کر دیا تو ان قاتلوں نے اس کے جانشین المستضئ کو مجبور کیا کہ وہ عضد الدّین کو وزیر مقرّر کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن البلدی کو قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: (۱) ابن الطِّقطَقی: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۴۲۶-۴۲۹؛ (۲) ابن الأثیر (طبع Tornberg)، ۹: ۲۱۶ ببعد، ۲۳۰، ۲۳۷۔

(K. V. ZETTERSTÉEN)

----

* **اِبنُ البنّاء:** (''معمار کا بیٹا'')، جس کا پورا نام ابوالعباس احمد بن محمد بن عثمان الأزدی تھا، مرّاکش کا ایک متبحر عالم، جسے بہت سے علوم وفنون میں دسترس حاصل تھی اور جو خاص طور پر ریاضی، ہیئت، نجوم اور دوسرے مخفی علوم میں نمایاں قابلیت رکھتا تھا اور اسی طرح طب میں بھی ماہر تھا۔ وہ مرّاکش میں بتاریخ ۹ ذوالحجّۃ ۶۵۴ھ/ ۲۸ دسمبر ۱۲۵۶ء میں پیدا ہوا (بعض دیگر روایتوں کی رو سے ۶۳۹ھ یا ۶۴۹ھ بلکہ ۶۵۶ء میں)۔ اپنے پیدائشی شہر میں نحو، حدیث، فقہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ فاس چلا گیا، جہاں اس نے طبیب المِرّیخ، ماہر ریاضیات ابن حَجَلہ اور ماہرِ علمِ ہیئت ابن مخلوف السِّجِلماسی کی شاگردی اختیار کی۔ ایک عرصے تک وہ صوفی عبدالرحمٰن الہزمیری کا شاگرد رہا، جنھوں نے اسے اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ وہ اکثر مکمّل عزلت گزینی کی حالت میں روزے رکھتا تھا [یعنی چلّہ کھینچتا تھا] اور اس کے سوانح نگار اس کے نیک کردار اور پاکیزہ زندگی کی تعریف کرتے ہیں۔ ابن البنّاء نے بروز شنبہ بتاریخ ۶ رجب ۷۲۱ھ/ یکم اگست ۱۳۲۱ء مرّاکش میں وفات پائی، جہاں وہ باب اَغمات کے باہر دفن ہوا۔ اس کی وفات کا سال ۷۲۳ھ یا ۷۲۴ھ بھی بتایا جاتا ہے۔ ان چوہتر کتابوں میں جو اس کی طرف منسوب ہیں ریاضی اور ہیئت کی تصانیف کا ایک پورا سلسلہ ابھی تک کتب خانوں میں محفوظ ہے (قب حوالہ جات در براکلمان Brockelmann)۔ یہاں ہم صرف تَلْخِیص [فی عمل] اَعْمال الحساب (حساب کے قاعدوں کا مختصر بیان) کا ذکر کرتے ہیں، جسے A. Marre نے فرانسیسی ترجمے کی صورت میں *Atti dell' Acad. pontif. de Nuovi Lincei*، ج ۱۷، ۱۸۶۴ء، میں شائع کیا؛ طبع ثانی، روم ۱۸۶۵ء۔ متعدّد عرب ماہرینِ علوم نے اس تلخیص پر شرحیں لکھی ہیں۔ اس کتاب کے متعلّق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک شخص ابو زکریاء الحَصّار کے حساب کا اختصار ہے (قب *Bibliot. mathem.*، سلسلہ سوم، ۲: ۱۲-۴۰)۔ ان شارحین میں احمد بن المَجْدی اور علی بن محمد القلصادی قابلِ ذکر ہیں (قب *Abhandl. Z. Gesch. d. math. Wissensch.*، ۱۰: ۱۸۰-۱۸۲)۔ F. Woepcke. نے ابن المجدی کی شرح میں سے سلسلۂ اعداد کی جمع کی بابت ایک اقتباس موسومہ بہ *Passages relatifs à des sommations de Séries de cubes*، روم ۱۸۶۴ء، مرتّب کیا ہے۔ اسی محقق نے مذکورۂ بالا تصنیف اور *JA*، سلسلہ ۶، ج ۱ (۱۸۶۳ء): ص ۵۸-۶۲ میں القلصادی کی شرح سے بھی کئی عبارات کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ ابن البنّاء حساب میں اپنے پیشرو مشرقی ریاضی دانوں سے ذرا اور آگے نکل گیا ہے، خاص طور پر کسور سے شمار کرنے میں؛ نیز اس کا شمار ان نمایاں افراد میں کرنا چاہیے جنھوں نے ہندی اعداد کو ان کی اس شکل میں استعمال کیا جو مغربی عربوں میں رائج ہوئی (اعداد غُبار) [ایک طرح کے اعداد اعشاریہ] (قب مادّۂ حساب).

مآخذ: (۱) احمد بابا: نَیْل الاِبتِہاج، فاس ۱۳۱۷ھ، ص ۴۱؛ (۲) وہی مصنّف: کِفَایَۃُ المُحتَاج، ورق ۶، ب (مخطوطۂ مدرسۃ الجزائر)؛ (۳) احمد بن خالد السّلاوی: کتاب الاِسْتِقْصاء، قاہرہ ۱۳۱۲ھ، ۲: ۸۸؛ (۴) ابن القاضی: جَذْوَۃُ الاِقْتِبَاس، فاس ۱۳۰۹ھ، ص ۷۳؛ (۵) ابن قُنفُذ: طبقات (مخطوطہ مملوکہ محمد بن شنب)، ورق ۹ ب؛ (۶) الکتّانی: سَلْوَۃُ الأنفاس، فاس ۱۳۱۶ھ، ۲: ۴۸؛ (۷) تلخیص کی شرح از القلصادی، مخطوطہ گوتھا (Gotha) شمارہ ۱۴۷۷؛ (۸) ابن خَلْدون، مقدّمۃ، ترجمہ de Slane، دیباچہ ص xxv؛ (۹) A. Marre: *Biographie d'Ibn al-Banna'*، در *Atti dell' Accad. pontif. de Nuovi Lincei*، ۱۹: ۱ ببعد؛ (۱۰) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۲۵۵؛ قب ص ۲۱۰؛ [تکملہ، ۲: ۳۶۳]؛ (۱۱) H. Suter: *Die Mathematiker u. Astronomen der Araber u. ihre Werke (Abhandl. zur Gesch. der Mathem. Wiss.*، عدد ۱۰، لائپزگ ۱۹۰۰ء)، ص ۱۶۲ ببعد، شمارہ ۳۹۹۔

(زوٹر H. SUTER و محمد بن شنب)

----

* **اِبْن البَوّاب:** (''دربان کا بیٹا'')، ابوالحسن علاء الدّین علی بن ہِلال کا معروف نام، جو ایک مشہور عرب خوش نویس تھا اور بارگاہِ خلفاے بغداد کے ایک دربان کا بیٹا تھا۔ اسے ابن السِّتری بھی کہتے تھے۔ اس کی وفات ۴۱۳ھ/ ۱۰۲۲ء یا ۴۲۳ھ/ ۱۰۳۲ء میں ہوئی اور اسے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ اسے علم فقہ کی وسیع واقفیت تھی۔ قرآن اسے حفظ تھا اور اس نے اس کے چونسٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ ان میں سے ایک نسخہ، جو خطِ ریحانی میں ہے، قسطنطینیہ کی لالہ لی مسجد میں موجود ہے، جسے سلطان سلیم اوّل نے وہاں وقف کیا تھا۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا جاہلی شاعر سَلاَمہ بن جَنْدَل کا دیوان بھی آیا صوفیا کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نے خطِ ریحانی اور خطِ مُحقّق ایجاد کیے اور خطّاطی کے ایک دبستان کی بنیاد ڈالی، جو یاقوت المُستعصمی کے زمانے تک باقی رہا۔

مآخذ: (۱) Cl. Huart: *Calligraphes*، ص ۸۰؛ (۲) ابن خَلِّکان: وَفَیات، عدد ۴۶۸، ترجمہ de Slane، ۲: ۲۸۲؛ (۳) حبیب اِفندی: خطّ و خطّاطان، ص ۴۴۔

(Cl. HUART)

----

* **ابنِ بِی بِی:** ناصر الدّین یحیٰی بن مجد الدّین محمّد ''ترجمان''، ایک ایرانی مؤرّخ۔ اس کا باپ ایشیاے کوچک کے سلجوقیوں کے دربار میں منشی اور ترجمان تھا اور کئی مرتبہ ان سفارتوں میں شریک رہا جو باہر کے حکمرانوں کو بھیجی جاتی تھیں۔ اس کی وفات ۶۷۰ھ/ ۱۲۷۲ء میں ہوئی۔ ابن بی بی کا نام اس نے اپنی والدہ سے پایا، جو ایک مُنجّمہ کے طور پر بہت شہرت رکھتی تھی اور اس وجہ سے سلطان کیقباد اوّل (۶۱۶-۶۳۴ھ/ ۱۲۲۰-۱۲۳۷ء) اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ خود ابن بی بی کی زندگی کے متعلّق ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں، لیکن بظاہر وہ مغلوں کے مشہور و معروف وزیر عطا ملک جُوینی [رکّ بآن] سے بخوبی واقف تھا، کیونکہ وہ اپنی بڑی تصنیف، یعنی ساتویں/تیرھویں صدی میں ایشاے کوچک کے سلجوقیوں کی تاریخ، اس سے منتسب کرتا ہے۔ یہ تاریخ، جو غیر معمولی طور پر رنگین و مرصّع فارسی میں تحریر کی گئی ہے، الأوامِر العَلائیة فی الأمُور العَلائیة کے نام سے موسوم ہے، کیونکہ وہ زیادہ تر علاء الدّین کیقباد کے حالات اور واقعات سے متعلّق ہے۔ آج کل اس کا صرف ایک قلمی نسخہ (آیا صوفیا، شمارہ ۲۹۸۵) موجود ہے۔ ایک غیر معلوم تلخیص نگار نے اس کا خلاصہ تیار کیا تھا، جسے ۱۹۰۲ء میں ہوتسما (Houtsma) نے اپنی کتاب *Recueil de textes relatifs à l'histoire des Seldjoucides*، جلد ۴ میں شائع کیا۔ مؤخر الذّکر نے اس کتاب کا ایک (نامکمّل) ترکی متن بھی اس مجموعے کی تیسری جلد میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے زمانے تک ہوتسما (Houtsma) کو یہ علم نہ تھا کہ اصل تصنیف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

(ادارہ [آ، طبع اوّل])

ابن البَیطار: ابومحمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدّین ابن البَیطار المالَقی، جڑی بوٹیوں اور نباتات کا مشہور ماہر، اس کا تعلّق غالبًا مالقہ کے ابن البیطار خاندان سے تھا (قب ابن الاَبّار: المُعْجم، شمارہ ۳۵، ۱۶۵، ۲۴۱) اور وہ چھٹی صدی ہجری/ بارھویں صدی عیسوی کے رُبعِ آخر میں پیدا ہوا تھا۔ علمِ نباتات میں اس کے استاد کی حیثیت سے ابوالعبّاس النباتی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جس کے ساتھ وہ اشبیلیہ کے گرد و نواح میں پودے جمع کیا کرتا تھا۔ تقریبًا بیس سال کی عمر میں وہ علمِ نباتات کے مطالعے کی غرض سے افریقیہ، مَرّاکُش، الجزائر اور تونس کی سیاحت پر روانہ ہوا۔ جب وہ مصر پہنچا تو وہاں ایوّبی خاندان کا بادشاہ الملک الکامل حکومت کر رہا تھا۔ ابن البَیطار نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور ''رئیس علی سائر العُشّابین'' (تمام ماہرینِ علمِ نباتات کا افسرِ اعلیٰ) مقرر ہوا۔ الملک الکامل کی وفات کے بعد اس کے بیٹے الملک الصالح نجم الدّین کے عہد میں بھی، جو دمشق میں رہتا تھا، وہ اپنے منصب پر بدستور مامور رہا۔ دمشق کے قیام میں اس نے شام اور ایشیاے کوچک میں جڑی بوٹیوں کے جمع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا کام جاری رکھا اور اس موضوع پر دو کتابیں لکھیں، جو اس کے مطالعے اور تحقیق کا نچوڑ ہیں اور جن کی بدولت اسے بہت شہرت حاصل ہوئی، یعنی (۱) ''کتاب الجامع فی الادویة المفردة'' (دیکھیے ابن ابی اُصَیْبِعَہ، ۲: ۱۳۳)، جو ۱۲۹۱ھ میں کتاب الجامع لمفردات الادویة والاغذیة کے نام سے چار جلدوں میں بولاق سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب حیوانات، نباتات اور معدنیات کے ذریعے معالجے کے ''سہل نسخوں'' کا ایک مجموعہ ہے، جنھیں اس نے یونانی اور عرب مصنّفین کی کتابوں اور خود اپنے تجربات سے فراہم کیا تھا۔ یہ کتاب حروفِ تہجّی کے اعتبار سے مرتّب کی گئی ہے؛ اور (۲) کتاب المُغْنی فی الادویة المفردة [یا المغنی فی العلاج بالادویة المفردة]۔ یہ دواؤں پر ایک کتاب ہے، جسے اعضاے ماؤفہ کے اعتبار سے ایک سہل شکل میں طبیبوں کے استعمال کے لیے مرتّب کیا گیا ہے۔ [اس کا ایک قدیم مخطوطہ اسکندریہ میں محفوظ ہے]۔ ابن ابی اُصَیْبِعَہ ابن البَیطار کا شاگرد تھا اور دمشق کے قرب و جوار میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اس کے ساتھ جایا کرتا تھا، لیکن وہ ابن البَیطار کے متعلّق کچھ زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچاتا۔ ابن البَیطار نے ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء میں دمشق میں انتقال کیا۔

مذکورہ کتاب کا جو ترجمہ J. v. Sontheimer نے کیا ہے وہ ناقص ہے، لیکن لِکلِرک (Leclerc) نے اس کا جو اڈیشن، *Notices et Extraits*، ۲۳.I، ۲۵.I، ۲۶.I (۱۸۷۷-۱۸۸۳ء) میں طبع کیا اسے قابلِ اعتبار سمجھا جا سکتا ہے۔

مآخذ: (۱) ابن ابی اُصَیْبِعَہ، طبع A. Müller، ۲: ۱۲۳؛ (۲) Wüste-nfeld: *Gesch. d. arab. Ärzte*، شمارہ ۲۳۱؛ (۳) Fr. R. Dietz: *Analecta Medica*، ۱: ۱، وغیرہ، *Elenchus materiae medicae Ibn Beitharis...* وغیرہ، پہلا حصّہ، مطبوعہ Lipsiae ۱۸۳۳ء؛ (۴)

L. Leclerc: *Études historiques et philologiques sur Ebn Beïthâr*، در *JA*، سلسلہ ۵، ۱۹ (۱۸۶۲ء): ۴۳۳-۴۶۱؛ (۵) وہی مصنّف: *Hist. de la médecine arabe*، ۲: ۲۲۵، پیرس ۱۸۷۶ء؛ (۶) وہی مصنّف: *Traité des simples par Ibn el-Beïthar*، در *Notices et Extraits*، دیکھیے سطورِ بالا؛ (۷) J. v. Sontheimer: *Grosse Zusammenstellung über die Kräfte der bek. einf. Heilm.*، شٹٹگارٹ ۱۸۷۰-۱۸۷۲؛ (۸) Meyer: *Gesch. d. Botanik*، ۳: ۲۲۷-۲۳۴؛ (۹) Dozy: *Zeitschr. d. Deutsch. Mörgenl. Ges.*، ۲۸: ۱۸۳؛ (۱۰) E. Sickenberger: *Les plantes êgyptiennes d' Ibn al-Baiṭār*، در *BIE*، سلسلۂ دوم، شمارہ ۱۰، ۱۸۹۰ء؛ (۱۱) براکلمان، ۱: ۴۹۲، قبؔ ۲: ۷۰۵، [تکملہ، ۱: ۸۹۶]؛ (۱۲) ابن شاکر: فوات الوفیات، ۱: ۲۰۴؛ (۱۳) اَلسُّیوطی: حسن المحاضرۃ، مصر ۱۳۲۷ھ، ۱: ۲۳۳؛ (۱۴) نفح الطِّیب، ۱: ۹۳۴].

(رُسکا J. Ruska)

⊗ **ابن التَّعاوِیذِی**: ابوالفتح محمد بن عُبَید اللہ (نُشْتِکِیْنِ) بن عبداللہ، بغداد کا مشہور عرب شاعر۔ اسے سِبط ابن التَّعاوِیذِی اور محض التَّعاوِیذی بھی کہتے ہیں۔ ابن خَلِّکان نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے دوسو سال تک کے شاعروں میں اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ ۵۷۹ھ/ ۱۱۸۳ء میں اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس زمانے میں اس نے اپنے اس نقصان پر بہت نوحہ خوانی کی ہے۔ یاقوت نے ان میں سے بعض اشعار نقل کیے ہیں۔ اس نے نابینا ہونے سے پہلے اپنا دیوان مرتّب کرلیا تھا اور پھر بعد کے اشعار کو اس میں ''الزیادات'' کے عنوان کے تحت شامل کرتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دیوان کے بعض مخطوطات میں زیادات والا حصّہ موجود نہیں۔ اس کا دیوان شائع ہوچکا ہے (طبع مرجلیوث، مطبع المقتطف ۱۹۰۳ء، حجم ۵۱۹ صفحات).

ابن التَّعاوِیذی ۱۰ رجب ۵۱۹ھ/ ۱۲ اگست ۱۱۲۵ء کو پیدا اور ۲ شوال ۵۸۳ھ/ ۵ دسمبر ۱۱۸۷ء (قبؔ یاقوت) یا ۵۸۴ھ کو بغداد میں فوت ہوا۔ اسے ابن التَّعاوِیذی اس وجہ سے کہتے تھے کہ اس کا نانا ابومحمد المبارَک بن المبارَک بن علی بن نصر السّراج الجوَہری، جس کے پاس اس نے پرورش پائی تھی، تعویذ لکھا کرتا تھا۔ سیُوطی نے بھی التَّعاوِیذی کی نسبت کی یہی تشریح کی ہے (لُبّ اللُّباب، ص ۵۳).

محمد بن التَّعاوِیذی جاگیرداری کے محکمہ مالیات (دیوان الاقطاع) میں کاتب تھا۔ عماد الکاتب کے ساتھ بھی اس محکمے میں اسے کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا ہے اور جب عماد سلطان صلاح الدّین ایّوبی کے پاس شام چلا گیا تو ابن التَّعاوِیذی کی اس سے خط وکتابت جاری رہی.

دیوان کے علاوہ اس نے ایک ضخیم کتاب الحجبة والحجاب بھی لکھی تھی.

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات الاَعْیان، ۲: ۱۹-۲۲؛ (۲) ابوالفداء: تأریخ، ۴: ۷۶؛ (۳) یاقوت: مُعْجم الادباء، ۱۸: ۲۳۵ - ۲۴۹؛ (۴) الصَّفَدی: نَکْت الہِمْیان، ص ۲۵۹، مصر ۱۹۱۰ء؛ (۵) الزّرکلی: الاعلام، ۳: ۹۴۱؛ (۶) ابن العِماد: شَذَراتُ الذَّھَب، ۴: ۲۸۱.

(عبدالمنّان عمر)

✱ **ابن تَغْرِی بِرْدِی**: ابوالمحاسن جمال الدّین بن یوسف، عرب مؤرّخ جو قاہرہ میں غالبًا ۸۱۲ھ/ ۱۴۰۹ء میں پیدا ہوا (قطعی تاریخ مشکوک ہے [براکلمان (۲: ۴۱) نے تاریخ پیدائش ۷ شوال ۸۱۳ھ/ فروری ۱۴۱۱ء دی ہے اور سخاوی نے الضوء اللّامع میں لکھا ہے: وُلِدَ فِی شوّالٍ تَحْقِیقًا سَنَةَ ثَلَاث عشرةَ و ثمان مائة تقریبًا، ۱۰: ۳۰۵؛ ۸۱۲ھ کا سن ابن ایاس اور ابن عماد وغیرہ نے دیا ہے])۔ اس کا باپ (بلادُ الرّوم یعنی) ایشیاے کوچک سے لایا ہوا ایک مملوک تھا، جسے سلطان الظّاہر بَرْقُوق نے خریدا اور ترقّی دی۔ سلطان النّاصر فَرَج کے ماتحت ۸۱۰ھ/ ۱۴۰۷ء میں وہ مصری فوجوں کا سپہ سالارِ اعظم (''امیر کبیر''، ''اتابک'') اور ۸۱۳ھ میں دمشق میں نائب السلطنت مقرّر ہوا اور وہیں اس نے ۸۱۵ھ/ ۱۴۱۲ء کے اوائل میں وفات پائی۔ یوسف کو لڑکپن میں اس کی بہن نے پالا، جو پہلے قاضی کبیر محمد بن العدیم الحنفی کی بیوی تھی اور پھر قاضی کبیر عبدالرحمٰن البُلْقِینی الشافعی (م ۸۲۴ھ) کے حبالۂ نکاح میں آئی۔ یوسف نے بہت سے مشہور اساتذہ سے علومِ مروّجہ کی تحصیل کی؛ نیز موسیقی، ترکی اور فارسی بھی سیکھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے مملوک دربار میں باریابی حاصل ہوگئی۔ اس نے فوجی قواعد میں مہارت حاصل کی اور اسے ایک جاگیر (اِقطاع) مل گئی۔ اس نے ۸۲۶ھ/ ۱۴۶۳ء میں حج کیا، پھر ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء میں (حاجیوں کے محافظ دستے کا ''باشا'' ہونے کی حیثیت میں) اور بعد ازاں ۸۶۳ھ/ ۱۴۵۹ء میں۔ اس نے ۸۳۶ھ/ ۱۴۳۲ء میں سلطان برسبای کی مہمّ شام میں سرگرم حِصّہ لیا۔ اس سلطان کے ساتھ (نیز بعد کے مملوک سلاطین کے ساتھ) اس کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ سلطان مذکور کے دربار میں العَینی کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں، ان کے سننے سے اسے خود بھی تاریخی کتابیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا.

اس کی پہلی اہمّ تصنیف المَنْہَل الصَّافِی و المُسْتَوفی بعد الوَافِی ہے، جس میں ۶۵۰ھ/ [۱۲۵۲ء] سے لے کر ۸۵۵ھ/ ۱۴۵۱ء تک کے سلاطین، ممتاز امرا اور علما کے سوانح حیات درج ہیں؛ مگر بعد میں ان میں ۸۶۲ھ/ ۱۴۵۸ء تک کچھ اضافے کر دیے گئے ہیں۔ اس کا ایک مشروح خلاصہ G. Wiet نے *MIE* میں شائع کیا، ([قاہرہ] ۱۹۳۲ء، ص ۱-۴۸۰).

اس کے بعد اس نے النُجوم الزّاہرة فی ملوک مصر و القاہرة لکھی، جس میں ۲۰ھ/ ۶۴۱ء سے لے کر اس کے اپنے زمانے تک کی مصر کی تاریخ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے المَنْہل کا سلسلۂ سوانح بھی جاری رکھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ

کتاب اس نے خود اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے، خاص کر سلطان جَقمَق کے بیٹے محمد کے لیے، لکھی تھی۔ شروع میں اس میں سلطان جقمق کے عہد کے آخر، یعنی محرّم ۸۵۷ھ/ جنوری ۱۴۵۳ء، تک کا حال درج تھا۔ بعد ازاں اس نے اسے ۸۷۲ھ/ ۱۴۶۷ء تک بڑھا دیا (قب نیچے)۔ طبعات: (۱) (الف) *Abū'l-Maḥâsin ibn Tagri Bardii Annales*، از ۲۰ھ/ ۶۴۱ء - ۳۶۵ھ/ ۹۷۶ء، طبع جوئنبول (Juynboll) و ماتھس (Matthes)، دو جلد، لائڈن ۱۸۵۵-۱۸۶۱ء؛ (ب) *Abu'l Mahasin ibn Tagrî Birdî's Annales*، از ۳۶۶ھ/ ۹۷۷ء - ۵۶۶ھ/ ۱۱۷۱ء اور از ۷۴۶ھ/ ۱۳۴۵ء - ۸۷۲ھ/ [۱۴۶۷ء]، طبع ولیم پوپر (W. Popper) (University of California publ. in Semitic Philology، حصّۂ اوّل، ii، iii، v، vi، xii)، Berkeley ۱۹۰۹-۱۹۲۹ء؛ (۲) النُّجومُ الزّاهرة، از ۲۰ھ/ ۶۴۱ء - ۷۹۹ھ/ ۱۳۹۷ء، قاہرہ ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء ببعد (دار الکتب المصریۃ، القسم الادبی).

۸۴۵ء میں المَقرِیزی کی اور ۸۵۵ھ میں العَینی کی وفات کے بعد ابو المحاسن مصر کا سب سے اہم مؤرخ بن گیا۔ اب اس نے حَوادِثُ الدُّهُور فِی [مَدَی] الاَیَّامِ و الشُّهُور کے نام سے ۸۴۵ھ/ ۱۴۴۱ء سے لے کر ۱۲ محرم ۸۷۴ھ/ ۱۶ جولائی ۱۴۶۹ء تک کی تاریخ لکھی، تا کہ المقریزی کی السُّلوک لِمَعْرِفَةِ دُوَلِ المُلُوک کا سلسلہ جاری رہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی کتاب النُّجُوم کو بھی جاری رکھا، لیکن اس میں شخصیتوں، اقتصادی حالات اور سیاسی کوائف کے بارے میں جو بہت سا مفصّل مواد حوادث میں درج تھا حذف کر دیا۔ طبع: *Extracts from Abū'l-Maḥâsin ibn Taghrī Birdī's Chronicle Ḥawādith al-Duhūr*، طبع Popper (Univ. Cal. Publ. in Semitic Phil.، ج ۸)، ۱۹۳۰-۱۹۴۲ء (اس میں وہ سب عبارتیں آ گئی ہیں جو النُجوم کی جلد ۷ میں درج نہیں ہیں).

دو اَور ضخیم تاریخی کتابیں بھی، جن کا ذکر نہ تو اس نے خود اور نہ اس کے سوانح نگاروں نے کیا ہے، اسی سے منسوب کی جاتی ہیں: (۱) نُزْهة الرّأی، ۶۷۸ سے ۷۴۷ھ/ ۱۲۷۹ سے ۱۳۴۶ء تک اور (۲) البَحْر الزَّاخِر فی علم الاَوّل و الآخِر، ۳۲-۱۷ھ/ ۶۵۲-۶۹۰ء کے کوائف.

اس نے اپنی بڑی کتابوں کے چند ایک خلاصے یا اقتباسات بھی لکھے ہیں: (۱) الدَّلِیْل الشَّافِی عَلی المَنْهَل الصَّافِی؛ (۲) کتاب الوُزَرَاء؛ (۳) البِشارة فی تَکْملَةِ الاشارَة (الذّہبی کی کتاب اشارَة کا تکملہ)؛ (۴) الکَواکِبُ البَاهِرَة؛ (۵) منشاء اللَّطَافَةَ فِی ذِکْرِ مَنْ وَلِیَ الخِلَافَة؛ (۶) مَوْرِد اللَّطافَة فِی مَنْ وَلِیَ السَّلْطَنَةَ و الخِلَافَة، جسے کارلائل (J. E. Carlyle) نے لاطینی ترجمے [بعنوان *Maured al-latafet Gamaleddini Tagribardii, s. Annales*] کے ساتھ شائع کیا، کیمبرج ۱۷۹۸ء [(؟) ۱۷۹۲ء، قب براکلمان، ۲:۴۲؛ سرکیس، عمود ۵۲ اور سنِ اشاعت ۱۷۹۲ء ہی درست ہے۔ اس میں ۸۴۲ھ/ ۱۴۳۸ء تک کے حالات بیان ہوے ہیں].

تاریخ کے علاوہ دیگر مضامین پر اس کی کتابیں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) تَحارِیْف اَوْلَادِ العَرَب فِی الْاَسْمَاء التُّرکِیَّة؛ (۲) الاَمْثَال السائرة؛ (۳) حِلْیَة الصِّفَات فِی الاَسْمَاءِ وَ الصَّناعَات (اشعار، تاریخ اور ادب کے منتخبات)؛ (۴) السُّکَّرُ القَادِحِ وَ العِطْرِ الفائح (صوفیانہ طرز کی ایک نظم) اور (۵) غنا (گانے) پر ایک چھوٹا سا رسالہ.

اس نے اپنی تصنیفات کے قلمی نسخے اس مقبرے کی مسجد کو دے دیے تھے جو اس نے خود اپنے لیے بنوایا تھا۔ اس نے ۵ ذوالحجۃ ۸۷۴ھ/ ۵ جون ۱۴۷۰ء کو وفات پائی.

مآخذ: (۱) احمد المَرْجِی (مصنّف کا شاگرد اور المَنْهل کا کاتب)، در النجوم، قاہرہ، ج ۱: دیباچہ، ص ۹؛ (۲) سَخاوی: الضوء اللاّمع، ۱۰: ۳۰۵-۳۰۸؛ (۳) ابن العِماد: شَذَرات الذَّهَب، ۱۳۵۱ھ، [۷]: ۳۱۷، [مصر، طبع ثانی، ۴: ۳۴۹]؛ (۴) ابن ایاس: بَدَائِع، (کہلہ Kahle و مُصطفٰی) ۳: (5c) ۴۳؛ [تأریخ مصر، ۲: ۱۱۸، بولاق ۱۳۱۱ھ]؛ (۵) Weil: *Chalifen*، ۴: xxi-xvii؛ ۵: xiv-vii؛ (۷) E. Amar، در *Mélanges H. Derenbourg*، ۱۹۰۹ء، ص ۲۴۵-۲۵۴؛ (۸) G. Wiet، در *BIE*، ۱۹۳۰ء، [۱۳۳۰ھ، قب براکلمان: تکملہ، ۲: ۳۹]، ۹۸-۱۰۵؛ (۹) براکلمان، ۲: ۴۱؛ تکملہ، ۲: ۳۹؛ (۱۰) وُسٹنفِلٹ (F. Wüstenfeld): *Die Geschichisschreiber der Araber*، شمارہ ۴۹۰؛ (۱۱) حاجی خلیفہ، (طبع Flügel)، اشاریہ، شمارہ ۴۳۰۱ [طبع یالتقایا، ۱: عمود ۶۹۳، ۲: عمود ۱۰۰۰]؛ (۱۲) بابنگر (Babinger)، ص ۶۱؛ (۱۳) [الشَّوکانی: البدر الطالع، ۲: ۳۵۱].

(W. POPPER)

✱ **اِبن التِّلْمِیذ:** ابو الحسن ہبۃ اللہ بن ابی العلاء سعید [صاعد، قب یاقوت و یافعی] بن [ہبۃ اللہ بن، قب یاقوت] ابراہیم، ملقب بہ مُوَفَّقُ المُلک و امین الدولہ، جو زیادہ تر اپنے اس آخر الذکر نام سے مشہور ہے، بغداد کا ایک عیسائی طبیب، جہاں وہ پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) کے نصفِ آخر میں پیدا ہوا۔ اس کا والد ایک نامور طبیب تھا۔ اس نے ایران میں مدّتوں رہ کر علم کے مختلف شعبوں میں پوری پوری دستگاہ حاصل کی اور پھر بغداد میں آ کر اپنے والد کی گدّی سنبھالی۔ وہ ضرور اعلیٰ صلاحیتوں کا انسان ہوگا اور عربی، فارسی، [یونانی، قب یاقوت] اور سریانی زبانوں کا قابلِ ذکر عالم ہونے کے علاوہ وہ شاعر، مغنّی اور خطّاط بھی تھا۔ مسیحی دینیات کا عالم بھی تھا اور بظاہر اسلامی علومِ دینیہ میں بھی اسے دسترس حاصل تھی، کیونکہ اس نے حدیث میں طبِّ نبوی پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ وہ قسّیس (پادری) بھی تھا اور بغداد میں عیسائی فرقے کا رہنما۔ ایک طبیب کی حیثیت سے اسے اس کے ہم عصر اور بعد کے لوگ بہت قدر و منزلت

کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً عبداللطیف [رکّ بآن]۔ وہ خلیفہ المکتفی [؟ المقتفی، قبّ یاقوت] المستنجد اور المستضیٔ [رکّ بآن] کا منظورِ نظر تھا اور اپنی وفات تک دارالحکومت میں عضدالدولہ کے بنا کردہ شفاخانے کا نگران (ساعور، ایک سریانی لقب) رہا۔ المستضیٔ نے اسے کُلّیۂ طب کا ناظم مقرّر کر دیا تھا اور اس حیثیت سے بغداد اور اس کے نواح کے اطبّا کا امتحان لینے کا کام بھی اسی کو سپرد کر دیا گیا تھا۔ ابن ابی اُصَیبِعَہ نے ان امتحانات میں سے ایک کا مضحکہ خیز واقعہ بیان کیا ہے (۱: ۲۶۱)۔ ابن التلمیذ کی وفات ۲۸ ربیع الاوّل ۵۶۰ھ/ ۱۲ فروری ۱۱۶۵ء کو قمری حساب سے ۹۵ سال اور شمسی حساب سے ۹۲ سال کی عمر میں ہوئی۔ اس نے ترکے میں اپنے بیٹے کے لیے خاصی بڑی جائداد اور ایک عظیم الشان کتب خانہ چھوڑا۔ یہ کتب خانہ اس کی وفات کے بعد بلدیۂ شہر کی ملکیت میں چلا گیا، جیسا کہ عرب مؤرّخین کی تصانیف میں بہت سے حوالہ جات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اِبنُ التِّلمیذ نے اطبّاے یونان کی تصانیف کے علاوہ ابنِ سینا [رکّ بآن] کی شہرۂ آفاق کتاب قانون کا بھی مطالعہ کیا تھا (اور اس پر حاشیہ لکھا تھا) اور نظریاتِ طب کی تدریس میں اس نے ان تصانیف کو بنا قرار دیا تھا۔ اس نے کئی نامور شاگردوں کو تربیّت دی (فخر الدّین المارديني، ابن اَبِي الخَير المَسِيحي، رَضِي الدّين الرَّحبِي، مُوَفَّقُ الدّين بن المُطران وغیرہ)۔ ان میں سے اکثر بعد میں عراق سے شام اور مصر میں نقلِ وطن کر گئے، جہاں انھوں نے نئے دبستانوں کی بنیاد رکھی اور ان علاقوں میں ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں عام طب کے احیا کی تاریخ انھیں دبستانوں سے شروع ہوتی ہے [رکّ بہ مادّہ اِبنُ النَّفِیس]۔ ابن التلمیذ نے کئی ایک طبّی تصانیف چھوڑی ہیں لیکن ان میں جدّت براے نام ہے۔ وہ زیادہ تر بقراط کے مجموعۂ کتب اور جالینوس، ابن سینا، رازی، حُنَین اور دیگر عیسائی اطبّا کی تصانیف کی شرح یا تلخیص پر مشتمل ہیں۔ فنِ دواسازی سے متعلّق اس کی تصانیف کا ذکر متاخّرین کی کتابوں میں اکثر پایا جاتا ہے؛ خاص طور پر ایک اَقرابا ذین کا [جس کے مخطوطے برٹش میوزیم، گوتھا اور قاہرہ میں محفوظ ہیں] اور اس کے دو خلاصوں کا، جو شفاخانوں میں استعمال کے لیے تالیف کیے گئے تھے۔ ان کتابوں نے عَضُدی شفاخانے میں سابُور بن سَہل (م ۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء) کی اَقرابا ذین کی جگہ لے لی، جو اس وقت تک وہاں مستعمل تھی۔ یہ تصنیفات اور چند دیگر کتابیں (فصد کھولنے پر ایک رسالہ [المقالة الامینیة فی الفَصْد، لکھنؤ ۱۳۰۸ھ] اور ایک مختصر عملی رہنماے طبّ [المجرّبات، بشکلِ خلاصہ، نیز قواعد الادویہ، کتاب الاقناع اور قوی الادویہ]) مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں (قبّ براکلمان، ۱: ۲۳۴ [و تکملہ، ۱: ۸۹۱])۔ تا حال ان میں سے کسی کی طباعت نہیں ہوئی۔ [یاقوت نے اس کی دیگر متعدّد تالیفات کا ذکر بھی کیا ہے]۔

مآخذ: (۱) ابن القِفطی، ۳۴۰؛ (۲) ابن ابی اُصَیبِعَہ، ۱: ۲۵۹-۲۶۷؛ (۳) Wüstenfeld: *Gesch. d. arab. Ärzte*، ص ۹۷؛ (۴) Leclerc: *Histoire de Ia medicine arabe*، (۱۸۷۶ء)، ۲: ۲۴-۲۷؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۸۷؛ [تکملہ، ۱: ۸۹۱]؛ (۶) Sarton: *Introduction to the History of Science*، بالٹی مور ۱۹۳۱ء، ۲: ۲۳۴؛ [(۷) یاقوت: ارشاد، ۷: ۲۴۳ بعد؛ (۸) یافعی: مرآۃ الجنان، ۳: ۳۴۴]۔

(MAX MEYERHOF)

----

* **ابن تُومَرت**: [ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ] مَرّاکُش کا مشہور مسلمان مُصلِح، جو الموحّدون کا مہدی کہلاتا ہے۔ ابن خَلدُون کے بیان کے مطابق اس کا اصلی نام اَمغار تھا، جس کے معنے بربری زبان میں "سردار" کے ہیں۔ اس زبان میں ابن تُومَرت کا مفہوم "عمرِ اصغر کا بیٹا" ہے۔ یہ اس کے باپ کا نام تھا، جسے عبداللہ بھی کہتے تھے۔ اس کے آبا و اجداد کے نام بھی بربری ہیں۔ اس کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں، لیکن یہ غالباً ۴۷۰ھ/ ۱۰۷۷-۱۰۷۸ء اور ۴۸۰ھ/ ۱۰۸۷-۱۰۸۸ء کے درمیان ہوگی۔ وہ سُوس کے ایک گاؤں اِجلی اِین وَرغان میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان قبیلۂ اِسرغین سے تھا، جو کوہ اطلس کے نہایت مشہور قبیلۂ ہِنتاتہ کی ایک شاخ تھا۔ ابن خَلدُون کا کہنا ہے کہ یہ خاندان اپنی دینداری کے لیے ممتاز تھا، نیز یہ کہ ابن تومَرت کو علم کا بڑا شوق تھا اور وہ مسجدوں میں جا کر بڑے اہتمام سے اس قدر موم بتیاں جلایا کرتا تھا کہ اس کا لقب اَسَفِیر (مشعل) مشہور ہو گیا تھا۔ وہ مشرق کی طرف کیوں گیا؟ غالباً محض طلبِ علم کی خاطر، کیونکہ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ جس منصوبے پر اس نے بعد میں عمل کیا وہ پہلے ہی سے اس کے ذہن میں آ چکا تھا؛ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جن عقائد کی اس نے وہاں تعلیم پائی وہی اصول اس کی آئندہ منصوبہ بندی کی بنیاد بن گئے۔

المرابطون کا خاندان، جو مغرب اور اندلس کے ایک حصّے پر حکمران رہ چکا تھا، اب رُو بہ زوال تھا۔ فتوحات کے بعد اخلاقی تنزّل شروع ہو گیا تھا۔ ان کی ذہنی زندگی کی سطحی نوعیت ان علوم و معارف سے عیاں ہے جن کی وہاں تحصیل کی جاتی تھی۔ ان کے ہاں امام مالک بن انس کا مذہب رائج تھا، جو اسلام میں فقہ کے سب سے زیادہ محتاط مذاہب میں سے ایک ہے۔ تعلیم محض فروع کی چند درسی کتابوں تک محدود تھی، جنھوں نے قرآن و حدیث کی جگہ لے لی تھی؛ چنانچہ مشرق میں الغزالی نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین کی کتاب اوّل (کتاب العلم) میں اس طرزِ تعلیم کی سختی سے مخالفت کی تھی، اسی لیے قاضی عیاض [رکّ بآن] جیسے فقہا بلکہ اشاعرہ مثلاً الطُرطُوشی کو، جو اپنے مذہب میں کسی قسم کی آزاد خیالی کو برداشت نہ کر سکتے تھے، اس کتاب سے نفرت ہو گئی؛ لہٰذا المرابطون کے امرا کے حکم سے الغزالی کی تصانیف جلا دی گئیں۔ ان کے ہاں ایک نہایت بھدی قسم کا عقیدۂ تجسیم رائج تھا؛ قرآن [مجید] کی آیاتِ متشابہات کا مفہوم لفظاً لیا جاتا اور خدا کا ایک جسمانی وجود بھی مانا جاتا تھا۔

ابن تُومَرت نے اپنی سیر و سیاحت کا آغاز اندلس سے کیا اور وہیں ابن حَزم [رکّ بآن] کی تصانیف سے اس کے خیالات متاثّر ہونا شروع ہوئے۔ اس

کے بعد وہ مشرق کی طرف چلا گیا، لیکن اس کے سفر کی تاریخیں کچھ یقینی نہیں ہیں۔ اگر، المَرّاکُشی کے بیان کے برخلاف، وہ پہلی بار اسکندریہ پہنچنے کے بعد ابوبکر الطُرطُوشی کے درس میں شریک رہا، جو باوجود اپنے اشعری عقائد کے الغزالی کا مخالف تھا، تو ان درسوں نے ضرور اس پر بہت دیرپا اثر ڈالا ہوگا۔ اس کے بعد اس نے حج کیا اور بغداد اور غالبًا دمشق میں بھی تعلیم حاصل کی۔ وہاں اُس نے الغزالی کے خیالات سے اثر لیا اور بعد کے مصنّفین مجازًا اس اثر کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ گویا ابن تُومَرت نے الغزالی کی ترغیب ہی سے اپنے ملک کے مذہبی عقائد کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی [لیکن قبّ صبح الاعشٰی، ۵: ۱۹۱]۔

تحصیلِ علم اور سیر و سیاحت کے ان سالوں کے دوران میں اس مغربی طالب علم کی دنیا ہی بدل گئی۔ اب وہ اپنا منصوبہ تیار کر چکا تھا، بالتفصیل نہیں تو ایک مجمل خاکے کی شکل ہی میں سہی۔ جس جہاز سے وہ واپس گیا اس کے ملّاحوں اور مسافروں کو اس نے وعظ و نصیحت شروع کی اور انھوں نے اس کی تلقین سے متاثّر ہو کر قرآن [مجید] کی تلاوت اور پابندیِ نماز کو اپنا شعار بنا لیا۔ بعد ازاں یہ کہا جانے لگا کہ ایک معجزے سے، جس کا ذکر المَرّاکُشی نے کیا ہے، اس واقعے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس نے اپنے وعظ و نصیحت کا سلسلہ طرابلس اور المہدیہ میں جاری رکھا اور اشعری عقائد کی حمایت کرتا رہا۔ المہدیہ میں سلطان یحیٰی بن تمیم بادشاہِ وقت نے جب اسے اپنے عقیدے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے سنا تو وہ اس سے بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اس کی تبلیغ مَونَستِر (Mondstir) اور بالآخر بجایہ (Bougie) میں جاری رہی، جہاں اس نے اخلاقِ عامہ پر کڑی نکتہ چینی شروع کر دی اور اس قدیم حکم کی لفظ بہ لفظ پیروی کی [مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ] کہ ''جو تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے بدل دے (یعنی بزور بدل دے)؛ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر زبان سے، یعنی وعظ و نصیحت سے کام لے؛ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے ایسا چاہے؛ یہ وہ قلیل ترین شے ہے جس کا مذہب مطالبہ کرتا ہے''۔ حمّوُدی حکمران اپنے اختیارات پر اس قسم کی دست درازی دیکھ کر برافروختہ ہو گیا اور عوام بھی اس مصلح کے خلاف کھڑے ہو گئے؛ وہ بھاگ کر قریب کے ایک بربری قبیلے بنو اُوریاگول کے ہاں چلا گیا، جس نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہاں (برخلاف روض القرطاس کے بیان کے جس کی رو سے ان کی ملاقات تاجرہ میں ہوئی) اس کی ملاقات مَلّالہ رُومہ کے شمال میں تاجرہ کے ایک غریب طالب علم عبدالمؤمن [رکّ بآن] سے ہوئی، جس کی قسمت میں اس کی تحریک کو جاری رکھنے کا کام لکھا تھا۔ یہ شخص بھی ابن تُومرت کی طرح مشرق کی طرف تحصیلِ علم کی غرض سے جا رہا تھا۔ اس روایت میں، جس کی رو سے ابن تُومرت علم غیبی رکھتا تھا، جسے اس نے مشرق میں حاصل کیا تھا، یہ بتایا گیا ہے کہ بعض علامات سے وہ پہچان گیا کہ یہ نوجوان وہی شخص ہے جس کی اسے تلاش تھی؛ بعینہٖ جس طرح الغزالی نے خود اسے آئندہ زمانے کے مصلح کے طور پر شناخت کر لیا تھا۔ ہمیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ عبدالمؤمن سے اس کی گفتگو ہوئی، جس میں اس نے اس سے بہت سے سوالات کیے اور بالآخر اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ سفرِ مشرق کا ارادہ ترک کر کے اس کے ساتھ ہو لے۔ اس کے بعد وہ وان شَرِیْش (Wanseris) اور تِلمِسان کے راستے مغرب واپس آیا، جہاں سے اسے وہاں کے گورنر نے نکال دیا؛ ازاں بعد وہ فاس اور مِکْناسہ گیا، جہاں کے لوگوں نے اس کے پند و نصائح کا جواب مار پیٹ سے دیا۔ بالآخر وہ مَرّاکُش پہنچا، جہاں وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے عقائد و اخلاق کا مصلح بن گیا۔ بنو لَمطُونہ کی عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں، جیسے کہ توارق (Tuareg) اور قبائل (Kabyls) کی عورتیں اب تک بھی پھرا کرتی ہیں۔ ابن تُومَرت اس بنا پر ان کی توہین کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے المرابطون کے امیر علی کی بہن سُورہ [الصورہ] کو گھوڑے سے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ امیر علی اس مصلح سے زیادہ صابر اور بردبار ثابت ہوا، چنانچہ اس نے اسے وہ سزا نہ دی جس کا وہ مستحق تھا، بلکہ محض ایک اجلاس طلب کرنے پر قناعت کی، جس میں ابن تُومَرت کو مرابطی فقہا سے مناظرہ کرنا پڑا۔ انھوں نے اس سے ان مسائل پر بحث کی کہ ''علم حاصل کرنے کے طریقوں کی تعداد محدود ہے یا نہیں؟ حق و باطل کے چار اصول ہیں: علم، جہل، شک، ظن''۔ ابن تومرت کو یہ مباحثہ جیتنے میں کوئی دقّت نہ ہوئی، اس کے باوجود کہ ان فقہا میں اندلس کا ایک ہوشیار شخص مالک ابن وُہَیْب بھی موجود تھا، جو ابن تُومَرت ہی کی طرح غیر متحمل مزاج تھا اور جس کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ اس نے علی کو ابن تُومَرت کے قتل کا بے سود مشورہ دیا تھا۔ امیر نے اس کی جان بخشی کی اور ابن تُومَرت بھاگ کر اَغمات چلا گیا، جہاں اَور مباحثے اور مناظرے ہوئے۔ پھر وہاں سے آگابین (Agabin) گیا، جہاں اس نے باقاعدہ طریقے پر تبلیغ و رسالت شروع کر دی۔ ابتدا میں اس نے اپنے آپ کو محض ان رسوم و عادات کے مصلح کے طور پر پیش کیا جو قرآن اور حدیث کے خلاف تھیں، لیکن اپنے حلقے میں کچھ اثر و رسوخ حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے عقائد کی نشر و اشاعت شروع کر دی۔ اس نے حکمران خاندان پر، جو [بقول اس کے] عقائدِ باطلہ کی پیروی کرتے تھے، سخت حملے کیے اور ہر اس شخص کو جو اس سے اختلاف رکھتا تھا کافر قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نہ صرف کافروں اور مشرکوں کے خلاف جہاد کی ترغیب دیتا تھا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے خلاف بھی۔ اس نے دس ساتھی چنے جن میں عبدالمؤمن بھی شامل تھا اور جب مہدی کی خصوصیات بیان کر کے اس نے راستہ ہموار کر لیا تو اپنے آپ کو اس نے مہدی بھی تسلیم کروا لیا۔ اس کے علاوہ ایک سلسلۂ نسب بھی گھڑ لیا، جس میں اس نے اپنے آپ کو علیؓ بن ابی طالب کی نسل سے بتایا۔ اس کے عقائد اس وقت بھی خالص اشعری نہ رہے تھے بلکہ ان میں شیعی خیالات بھی مخلوط ہو گئے تھے۔ مؤرّخین اُن طرح طرح کے چالاک حیلوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی مدد سے وہ اپنے دعاوی کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہرغہ

کے قبیلے اور مَصمُودَہ کے بیشتر حصّے کو اپنے گرد جمع کر لیا، جو ہمیشہ سے لَمطُونَہ کے دشمن چلے آتے تھے اور درحقیقت یوسف بن تاشُفِین نے مَرّاکش کی بنیاد بھی محض اس لیے رکھی تھی کہ وہ ان لوگوں کی روک تھام کر سکے۔ ابن تُومَرت نے بربری زبان میں، جس میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی، متعدّد رسالے ان لوگوں کے لیے لکھے تھے۔ ان میں سے ایک بنام توحید عربی ترجمے میں محفوظ ہے اور الجزائر میں ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا۔ وہ لوگ عربی زبان سے اس قدر ناآشنا تھے کہ مَصمُودَہ کے اجڈ قبیلے کو سورۂ فاتحہ پڑھانے کی غرض سے اس نے اس قبیلہ کے لوگوں کے نام اس سورۃ کے ایک لفظ یا ایک جملے پر رکھ دیے؛ چنانچہ پہلے شخص کا نام 'الحمدللہ' (تعریف اللہ کی ہے) دوسرے کا 'ربّ' (رب) اور تیسرے کا 'العالمین' (جہانوں کا) رکھا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ اپنے نام اس ترتیب سے بتائیں جس ترتیب سے اس نے انھیں رکھا ہے، حتّٰی کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا کہ یہ لوگ قرآن کی پہلی سورۃ دھرا سکیں۔ اس نے اپنے معتقدین کی باقاعدہ تنظیم کی اور انھیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلا گروہ ان دس اشخاص کا تھا جنھوں نے اسے سب سے پہلے تسلیم کیا۔ اس کا نام 'جماعت' تھا۔ دوسرا گروہ پچاس جان نثار ساتھیوں کا تھا۔ انھیں وہ مؤمنون یا الموحّدون کہہ کر پکارتا تھا؛ لیکن اس کا اقتدار ہر جگہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ کم از کم تینمَال (تِنمَلال) کے لوگوں نے اسے قبول نہ کیا۔ ایک چال سے وہ اس شہر کے اندر داخل ہوگیا، پندرہ ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا، ان کے گھروں اور جائدادوں کو اپنے معتقدین میں تقسیم کر دیا اور ایک قلعہ بھی تعمیر کر لیا۔ اردگرد کے قبائل یا تو خوشی سے یا دباؤ کی وجہ سے اس کے پیرو بن گئے اور ۵۱۷ھ میں اس نے عبدالمؤمن کی قیادت میں المرابطون کے خلاف ایک فوج بھیجی۔ اسے خوفناک شکست ہوئی اور تینمَال میں محصور ہوگیا۔ اس کے بعض معتقدوں نے ہتھیار ڈالنے چاہے، لیکن ابن تُومَرت نے عبداللہ الوَانشَرِیشی کی مدد سے، جسے وہ وانشَرِیش سے ہمراہ لایا تھا، چالیں چلنا شروع کیں اور اپنا گمشدہ وقار دوبارہ حاصل کرنے کے بعد اس نے ان لوگوں کو قتل کرا دیا جن پر اسے مکمّل بھروسہ نہ تھا۔ ابن الاثیر کے قول کے مطابق اس طرح ستّر ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتارے گئے، لیکن یہ تعداد بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ جس حدّ تک کہ المرابطون کی قوّت روز بروز اندلس اور افریقہ میں کمزور ہوتی چلی گئی اسی قدر الموحّدون طاقت پکڑتے گئے۔ ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰ء (اَوروں کے قول کے مطابق ۵۲۲ھ/ ۱۱۲۸ء [قب صبح الاعشی، ۵: ۱۹۱] میں جب مہدی کا انتقال ہوگیا تو عبدالمؤمن، جسے ابن تُومَرت اپنا خلیفہ قرار دے چکا تھا، جدوجہد کو دوبارہ جاری رکھنے کے لیے تیار ہوگیا۔ ابن تُومَرت کی قبر اب بھی تینمَال میں موجود ہے، لیکن اس کا نام اور اس سے متعلّقہ تمام واقعات فراموش ہو چکے ہیں۔

رَوضُ القِرطَاس کے بیان کے مطابق ابن تُومَرت خوب صورت، ہلکے گندمی رنگ کا آدمی تھا۔ اس کی بھویں ایک دوسرے سے دور تھیں، ناک خمدار تھی، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، داڑھی کے بال بہت کم تھے اور اس کے ہاتھ پر ایک سیاہ تل تھا۔ وہ ایک ہوشیار اور قابل آدمی تھا۔ وہ ضمیر کی آواز کو زیادہ وقعت نہ دیتا تھا اور نہ خونریزی ہی میں پس وپیش کرتا تھا۔ وہ حافظِ حدیث نبوی تھا، مذہبی مسائل سے بخوبی واقف تھا اور فنِ مناظرہ میں اسے پوری مہارت حاصل تھی۔

[ابن تُومَرت کی جو تالیفات چھپ چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں: اَعَزُّ مَا یُطلَب فِی أُصُولِ الفِقہ، الجزائر ۱۳۲۱ھ؛ (۲) جامع التَعالِیق، اس کے ساتھ گولٹ تسیہر (Goldziher) کا فرانسیسی زبان میں ایک مقدّمہ بھی ہے، الجزائر ۱۹۰۳ء؛ (۳) العقیدۃ، مصر ۱۳۲۸ھ؛ (۴) موطّأ الامام مالک (روایۃ ابن تُومَرت)، الجزائر ۱۳۲۳ھ۔ براکلمان نے اس کی غیر مطبوعہ کتب کی فہرست دی ہے]۔

مآخذ: (۱) ابن الأثیر: کامل (طبع تورن برگ)، ۱۰: ۴۰۰-۴۰۷؛ (۲) عبدالواحد المَرّاکُشی: المُعجِب (تاریخ الموحّدین)، طبع ڈوزی (Dozy)، طبع دوم، ص ۱۲۸-۱۳۹؛ (۳) ابن خلِّکان: وَفَیات الأعیان (بولاق ۱۲۹۹ھ)، ۲: ۴۸-۵۳؛ (۴) نامعلوم مصنف: الحُلَل المَوْشیۃ (تونس ۱۳۲۹ھ)، ص ۸۷-۸۸؛ (۵) ابن خَلدون: کتاب العِبَر (بولاق ۱۲۸۴ھ)، ۶: ۲۲۵-۲۲۹؛ (۶) ابن ابی زَرع: رَوضُ القِرطَاس (طبع تورن برگ)، ۱: ۱۱۰-۱۱۹؛ (۷) ابن الخطیب: رَقمُ الحُلَل (تونس ۱۳۱۴ھ)، ص ۵۶-۵۸؛ (۸) الزَرکَشی: تاریخ الدَولتین (تونس ۱۲۵۹ھ)، ص ۱-۵؛ (۹) ابن ابی دِینار: المؤنس فی اخبار افریقیۃ (تونس ۱۲۸۶ھ)، ص ۱۰۷-۱۰۹؛ (۱۰) السلاوی: کتاب الاستقصاء (قاہرہ ۱۳۱۲ھ)، ص ۱۳۰-۱۳۹؛ (۱۱) *Le livre de Moḥammad ibn Toumert*، طبع لُوسِیانی (Luciani) (الجزائر ۱۹۰۳ء)، بشمول ایک قابلِ قدر دیباچہ از گولٹ تسیہر (Goldziher)؛ (۱۲) وہی مصنف: *Materialien zur Kenntniss der Almohadenbewegung*، *Zeitschr. d. Deutsch. Morgenl. Ges.*، ۴۱ (۱۸۸۷ء): ۳۰-۱۴۰؛ (۱۳) Dozy: *Essai zur l'histoire de l'Islamisme* (فرانسیسی ترجمہ، لائڈن ۱۸۷۹ء)، ص ۳۶۸-۳۷۷؛ (۱۴) مُلّر (A. Müller): *Der Islam* وغیرہ، ۲: ۶۴۰-۶۴۴؛ (۱۵) Bel: *Les Almoravides et les Almohades*، (Oran ۱۹۱۰ء)، ص ۹-۱۶؛ (۱۶) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۰۰-۴۰۲، [تکملہ، ۱: ۶۹۷؛ (۱۷) القَلقَشندِی: صُبحُ الأعشیٰ، مصر ۱۳۳۳ھ، ۵: ۱۹۱]۔

(رینے باسے RENÈ BASSET)

----

* **ابن تیمِیّہ**: تقی الدّین ابوالعبّاس احمد بن شہاب الدّین بن عبدالحلیم بن مجد الدّین عبدالسلام ابن عبداللہ بن محمد بن الخضر بن محمد بن الخضر ابن علی بن عبداللہ بن تیمِیّۃ الحرّانی الحنبلی، ایک عرب عالم دین اور فقیہ، جو دمشق کے قریب حرّان میں دو شنبے کے روز ۱۰ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ/ ۲۳ جنوری ۱۲۶۳ء کو پیدا ہوے۔ اُن کے خاندان میں سات آٹھ پشت سے درس وتدریس کا سلسلہ چلا آتا

تھا اور سب لوگ علم و فن میں ممتاز گزرے ہیں اور محمد بن عبداللہ کے متعلّق ابن خلّکان کے الفاظ میں: کَانَ اَبُوْہُ اَحَدُ الْاَبْدَالِ و الزُّھَّاد (وفیات، ۲: ۳۴۸)۔ ان کے باپ نے مغلوں کے ناجائز مطالبات سے بھاگ کر اپنے تمام خاندان کے ساتھ ۶۶۷ھ/ ۱۲۶۸ء کے وسط میں دمشق میں پناہ لی تھی۔ دمشق میں نوجوان احمد نے اپنی توجّہ علوم اسلامیہ کی طرف مبذول کی اور اپنے باپ اور زین الدّین احمد بن عبدالدّائم المُقدّسی، نجم (مجد، قبّ ابن شاکر: فوات، ۱: ۴۴، مصر ۱۲۸۳ھ) الدّین بن عساکر، زینب بنت مکّی وغیرھم کے درس میں شامل ہوتے رہے۔ ان کے اساتذہ میں ذیل کے نام بھی ملتے ہیں: ابن ابی الیُسر، الکمال بن عبد، الکمال عبدالرحیم، شمس الدّین حنبلی، ابن ابی الخیر، شرف بن القواس، ابوبکر الھروی، مسلم ابن علاّن، ابن عطاء حنفی، جمال الدّین صیرفی، النجیب المقداد اور القاسم الإربلی۔

ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے قرآن، فقہ اور مناظرہ و استدلال میں سنِ بلوغ سے پہلے مہارت پیدا کر لی تھی اور علمائے کبار میں شمار ہونے لگے تھے۔ تذکرۃ (ابن قُدامہ) میں ہے کہ انھوں نے سترہ برس کی عمر میں افتا و تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے بھی البدایة میں یہی عمر لکھی ہے۔ ابھی ان کی عمر بیس سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ انھوں نے اپنی تعلیم مکمّل کر لی اور ۶۸۱ھ/ ۱۲۸۲ء میں اپنے باپ کی وفات پر ان کی جگہ حنبلی فقہ کے استاد مقرّر ہو گئے۔ ہر جمعے کے دن وہ قرآن کی تفسیر عالمِ دین کی حیثیّت سے کیا کرتے۔ علومِ قرآنیہ، حدیث، فقہ، علمِ دین وغیرہ میں ماہر ہونے کی وجہ سے انھوں نے قرونِ اولٰی کے مسلمانوں کی مضبوط روایات کی ایسے دلائل سے حمایت کی جو اگرچہ قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ تھے، مگر اب تک غیر معروف تھے۔ لیکن ان کے آزادانہ مناظروں کی وجہ سے دیگر راسخ العقیدہ مذاہب کے بہت سے علما ان کے دشمن ہو گئے۔ ان کی عمر ابھی تیس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ انھیں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۶۹۱ھ/ ۱۲۹۲ء میں انھوں نے حج کیا۔ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ/نومبر۔دسمبر ۱۲۹۹ء یا ۶۹۸ھ میں قاہرہ میں انھوں نے صفاتِ باری تعالٰی کے متعلّق حَماۃ سے بھیجے ہوئے ایک سوال کا جواب دیا، جس سے شافعی علما ناراض اور رائے عامّہ ان کے خلاف ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مُدرِّس کے عہدے سے برطرف ہونا پڑا، تاہم اسی سال انھیں مغلوں کے خلاف جہاد کی تلقین کا کام سپرد کیا گیا اور اس غرض سے وہ آئندہ سال قاہرہ چلے گئے۔ اس حیثیت میں وہ دمشق کے قریب شَقْحَب کی فتح میں شریک تھے، جو مغلوں کے خلاف حاصل ہوئی۔ ۷۰۴ھ/ ۱۳۰۵ء میں وہ شام میں جبل کَسْرَوان کے لوگوں سے جنگ کرنے کے بعد (جن میں اسمٰعیلی نُصَیری اور حاکمی یعنی دروز بھی شامل تھے، جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کے معصوم ہونے پر ایمان رکھتے اور اصحابِ رسول کو کافر سمجھتے تھے، نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے اور سوٴر کا گوشت کھاتے تھے، وغیرہ

(مرعی: کواکب، ص ۱۶۵)۔ وہ ۱۲ رمضان ۷۰۵ھ/ ۱۳۰۶ء کو شافعی قاضی کے ہمراہ قاہرہ چلے گئے، جہاں وہ ۲۲ رمضان کو پہنچے۔ اگلے دن ان قاضیوں اور نامور لوگوں کی مجلس نے، جنھوں نے ان پر مشبّہ ہونے کا الزام عائد کیا تھا، سلطان کے دربار میں پانچ اجلاس کیے اور اس کے بعد انھیں اَور ان کے دو بھائیوں ــ عبداللہ و عبدالرحیم ــ کو پہاڑی قلعے کے تہ خانے (جُب) میں قید کی سزا دی گئی، جہاں وہ ڈیڑھ سال تک رہے۔ شوّال ۷۰۷ھ/ ۱۳۰۸ء میں ایک کتاب کے سلسلے میں، جو انھوں نے فرقۂ اِتّحادیہ (رکّ بہ مادّۂ اتّحاد) کے خلاف لکھی تھی، ان سے باز پرس ہوئی لیکن جو دلائل انھوں نے اپنی صفائی میں پیش کیے ان سے ان کے دشمن یکسر لاجواب ہو کر رہ گئے۔ انھیں ڈاک (برید) کے ہمراہ دمشق واپس بھیجا گیا، لیکن ابھی انھوں نے اپنے سفر کی پہلی منزل ہی طے کی تھی کہ انھیں واپس آنے پر مجبور کیا گیا اور سیاسی وجوہ کی بنا پر قاضی کے قیدخانے حارۃ الدیلم میں ۱۸ شوال ۷۰۷ھ یعنی ڈیڑھ سال تک محبوس رکھا گیا۔ یہ زمانہ انھوں نے قیدیوں کو اصولِ اسلام سکھانے میں گزارا۔ پھر چند دنوں کی آزادی کے بعد انھیں اسکندریہ کے قلعے (برج) میں آٹھ ماہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ قاہرہ واپس آئے۔ یہاں اس کے باوجود کہ انھوں نے سلطان الناصر کو اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے جواز کا فتوٰی دینے سے انکار کر دیا تھا انھیں اس مدرسے میں جو اسی سلطان نے بنایا تھا مدرّس مقرّر کر دیا گیا۔

ذوالقعدہ ۷۱۲ھ/فروری ۱۳۱۲ء میں انھیں اس فوج کے ہمراہ جانے کی اجازت دی گئی جو شام کو جا رہی تھی؛ چنانچہ بیت المقدِس سے ہوتے ہوئے وہ سات سال اور سات ہفتے کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ دمشق میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے پھر مدرّس کی جگہ سنبھال لی؛ لیکن جمادی الاُخرٰی ۷۱۸ھ/ اگست ۱۳۱۸ء یا بقول ابن حجر ۷۱۹ھ میں انھیں شاہی حکم سے طلاق کی قسم (طلاق بالیمین، یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو مثلاً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طلاق دینے کی قسم کھالے) کے متعلّق فتوٰی دینے سے منع کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس میں انھوں نے اپنی طرف سے بہت سی رعایتیں دے رکھی تھیں، جنھیں دوسرے تین سُنّی مذاہب کے فقہا تسلیم نہیں کرتے (ابن الوردی: تأریخ، ۲: ۲۶۷)؛ بلکہ ان کا یہ خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس قِسم کی قَسم کھاتا ہے تو گو اُسے اپنا عہدِ نکاح پورا کرنا پڑے گا تاہم اسے قاضی اپنی مرضی کے مطابق کوئی سزا دے سکتا ہے۔

اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرنے پر انھیں رجب ۷۲۰ھ/ اگست ۱۳۲۰ء میں دمشق کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ پانچ ماہ اور اٹھارہ دن کے بعد سلطان کے حکم سے انھیں رہائی ملی۔ وہ پھر بدستور پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ ان کے دشمنوں کو ان کے اس فتوٰی کا علم ہوا جو انھوں نے دس سال پہلے اولیا اور انبیا کے مزارات پر جانے کے متعلّق ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء میں دیا

 ابن تیمیہ

تھا؛ چنانچہ شعبان ۷۲۶ھ/ جولائی ۱۳۲۶ء میں انھیں سلطان کے حکم سے دمشق کے قلعے میں پھر نظر بند کر دیا گیا، جہاں انھیں ایک الگ حجرہ دے دیا گیا۔ ان کے بھائی شرف الدّین عبدالرحمٰن پر اگرچہ کوئی جرم نہ تھا لیکن وہ اپنی خوشی سے بھائی کے ساتھ ہو لیے، جہاں ۱۴ جُمادی الاولی کو ان کا انتقال ہو گیا۔ یہاں ابن تیمیہ اپنے بھائی کی رفاقت میں قرآن کی تفسیر، اپنے بدنام کنندگان کے خلاف رسائل اور ان تمام مسائل پر مستقل کتب لکھنے میں مشغول ہو گئے جن کی وجہ سے وہ قید ہوے تھے۔ لیکن جب ان کے دشمنوں کو اُن کی ان تصانیف کا علم ہوا تو انھیں ان کی کتابوں، کاغذ اور روشنائی سے محروم کر دیا گیا۔ اس سے انھیں زبردست دھچکا لگا۔ انھوں نے نماز اور تلاوتِ قرآن سے تسکینِ خاطر چاہی، لیکن بیس دن کے اندر ہی اتوار اور پیر کی درمیانی رات ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ/ ۲۶-۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء کو انتقال کر گئے۔ ائمۃ المحدّثین شیخ یوسف المزی وغیرہ نے غسل دیا اور انھیں ان کے بھائی امام شرف الدّین عبداللہ (م ۷۲۷ھ) کے پہلو میں مقابر صوفیہ میں عصر سے کچھ قبل دفن کر دیا گیا۔ اس دن دکانیں بند رہیں۔ ان کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اٹھا اور اندازہ ہے کہ صوفی قبرستان تک ان کی نمازِ جنازہ میں دو لاکھ مرد اور پندرہ ہزار عورتیں شریک تھیں (ابن رجب: طبقات)؛ ابن قدامہ کے ہاں بھی تعداد کا اندازہ دو لاکھ ہے (تذکرۃ)۔ ان کی نمازِ جنازہ چار جگہ ہوئی: پہلے قلعے میں، پھر جامع بنوامیہ دمشق میں، تیسری بار شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں اور چوتھی بار صوفی قبرستان میں؛ لیکن اس آخری موقع پر چند مخصوص ارکینِ دولت ہی نے نماز جنازہ ادا کی تھی، اس لیے بعض تذکروں میں اس نمازِ جنازہ کا ذکر نہیں ملتا۔ بزاز فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا شہر معلوم نہیں جہاں تقی الدّین ابن تیمیہ کے انتقال کی خبر پہنچی ہو اور نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو (مجموع الدّرر، ص ۴۶)؛ چین جیسے دور دراز ملک میں بھی جنازے کی نماز ادا کی گئی (ابن رجب)۔ قبرستان صوفیہ کی باقی قبریں مٹ چکی ہیں اور ان پر جامعۂ سوریہ کی عمارات تعمیر کر دی گئی ہیں۔ صرف ابن تیمیہ کی قبر محفوظ ہے۔

ابن الوردی (م ۷۴۹ھ) نے قصیدۂ طائیہ میں اور بہت سے دوسرے لوگوں نے، جن کے نام ابن کثیر نے البدایۃ و النھایۃ میں اور مرعی الکرمی نے الکواکب الدُرّیۃ میں درج کیے ہیں، جیسے ذہبی، ابن فضل اللہ العمری، محمود ابن اثیر، قاسم المقری، ابن کثیر وغیرہ، ان کا مرثیہ کہا۔

ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل کے پیرو تھے۔ وہ ان کی کورانہ تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے آپ کو مجتہد فی المذہب سمجھتے تھے (قبّ مادّۂ اجتہاد)۔ ان کے سوانح نگار مَرعی نے اپنی کتاب الکواکِب (ص ۱۸۴ بعد) میں چند ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں انھوں نے تقلید [رکّ بآن] بلکہ اجماع [رکّ بآن] کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ اپنی بیشتر تصانیف میں وہ قرآن و حدیث کے احکام کی لفظی پیروی کرتے ہیں لیکن اختلافی مسائل پر بحث کرتے ہوے (بالخصوص مجموعۃ الرّسائل الکُبریٰ، ۱: ۳۰۷، میں) وہ قیاس کے استعمال کو ناجائز نہیں سمجھتے؛ چنانچہ انھوں نے ایک مکمل رسالہ (کتاب مذکور، ۲: ۲۱۷) اس طریقِ استدلال کے لیے وقف کر دیا ہے۔

وہ بدعت کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے اولیا پرستی اور مزارات کی زیارت کی شدید مذمّت کی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ نہیں فرمایا کہ ''صرف تین مسجدوں کا سفر اختیار کرو، مکّے کی مسجد حرام، بیت المقدس کی مسجد اور میری مسجد کا'' (کتاب مذکور، ۲: ۹۳)۔ کوئی شخص اگر محض نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضے کی زیارت کے لیے سفر اختیار کرے تو یہ بھی ایک ناجائز فعل ہوگا (ابن حجر الہیتمی: فتاوی، ص ۸۷)۔ اس کے برخلاف الشّعبی اور ابراہیم النّخعی کی رائے کا تتبّع کرتے ہوے ان کے نزدیک کسی مسلمان کے مزار پر جانا صرف اس صورت میں معصیت ہوگا جب کہ اس کے لیے سفر اختیار کرنا اور کسی معیّنہ دن جانا پڑے۔ ان پابندیوں کے ساتھ وہ زیارتِ قبور کو ایک روایتی فریضہ سمجھتے تھے (صفی الدّین الحنفی: القول الجلی، ص ۱۱۹ بعد)۔

فقرا کے متعلّق اُن کا خیال تھا کہ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے زہد و فقر، تواضع اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے قابلِ ستائش ہیں، دوسرے وہ جو مشرک، مبتدع اور کافر ہیں۔ یہ لوگ قرآن و سنت کو ترک کر کے کذب و تلبیس اور مکاید و حیَل سے کام لیتے ہیں (الدُّرَرُ الکَامنۃ)۔

ابن تیمیہ کے لیے شاعری وجہِ فضیلت نہ تھی اور نہ شعر و شاعری سے انھیں کوئی تعلّق ہی تھا، لیکن انھیں طبع موزوں ملی تھی اور انھوں نے بعض اوقات اپنے جذباتِ عبودیت کا اظہار اشعار میں کیا ہے اور اسی رنگ میں بعض علمی سوالات کے جواب دیے ہیں۔ ایک دفعہ ایک ذِمّی یہودی کی طرف سے مسئلۂ قدر پر آٹھ اشعار لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیے گئے۔ انھوں نے فی البدیہہ ۱۹۹ اشعار میں اس کا جواب لکھ دیا (الدُّرَرُ الکَامِنَۃ؛ لیکن ابن کثیر نے اشعار کی تعداد ۱۸۴ بتائی ہے)۔ کہا جاتا ہے کہ ذِمّی کی زبان سے یہ سوال السکاکینی (م ۷۲۱ھ) نے پیش کیا تھا، لیکن امام شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت و الجواھر (ص ۱۶۰) میں لکھا ہے کہ یہ سوال صدرالدّین قونوی کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح رشید الدّین عمر الفارانی نے شعروں کی ایک منظوم پہیلی لکھی، انھوں نے ننانوے اشعار میں اس کا جواب دیا۔ ان کے اشعار البدایۃ، طبقات سبکی اور فتاوی حلبیۃ میں موجود ہیں۔

ابن تیمیہ قرآن و حدیث کی ان عبارات کی لفظی تفسیر کرتے تھے جو باری تعالٰی کے متعلّق ہیں۔ یہ عقیدہ ان پر اتنا چھایا ہوا تھا کہ ابن بطّوطہ کے بیان کے مطابق ایک دن انھوں نے دمشق میں مسجد کے منبر پر سے کہا ''خدا آسمان سے زمین پر اسی طرح اترتا ہے جس طرح میں اب اتر رہا ہوں'' اور منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اتر آئے [؟] (قبّ بالخصوص مجموعۃ الرّسائل الکُبریٰ، ۱: ۳۸۷ بعد)۔

تحریر اور تقریر دونوں طریقوں سے انھوں نے متعدّد اسلامی فرقوں، مثلاً خارجی، مرجئی، رافضی، قدری، معتزلی، جہمی، کرّامی، اشعری وغیرہ سے ٹکر لی (رسالۃ

الفرقان، جابجا، در مجموعۂ مذکور، ۱:۲)۔ وہ کہا کرتے تھے کہ الاشعری کے متکلّمی عقائد محض جہمیّہ، نجّاریہ اور ضراریہ وغیرہ کی آرا کا مجموعہ ہیں۔ قدر، اسماے باری تعالٰی، احکام اور انفاذ الوعید وغیرہ کی تشریح و توضیح پر انھیں خاص طور سے اعتراض تھا (کتاب مذکور، ۱:۷۷، ۴۴۵ ببعد)۔

بہت سے مسائل میں وہ بعض فقہا سے اختلاف رکھتے تھے، مثلاً (۱) وہ 'تحلیل' کی رسم کو قبول نہ کرتے تھے، جس کے ذریعے وہ عورت جسے تین طلاقوں سے طلاقِ بائن ہو چکی ہو کسی ایسے شخص سے درمیانی نکاح کرنے کے بعد جس نے اس بات کو منظور کر لیا ہو کہ وہ (مُحَلِّل، یعنی حلال بنا دینے والا) نکاح کے فوراً بعد اسے طلاق دے دے گا اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے؛ (۲) ان کے نزدیک ایّامِ حیض میں جو طلاق دی جائے وہ باطل ہے؛ (۳) ایسے لگان (ٹیکس) جو احکامِ الٰہی سے فرض نہیں کیے گئے جائز ہیں اور اگر کوئی شخص یہ لگان ادا کر دے تو اسے زکوٰۃ معاف ہو جاتی ہے؛ (۴) اِجماع کے خلاف راے رکھنا نہ تو کفر ہے نہ معصیت۔

کہا جاتا ہے کہ الصالحیہ میں الجبل کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر انھوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بہت سی غلطیاں کیں۔ علامہ طوخی نے لکھا ہے کہ بعد میں ابن تیمیّہ نے اس پر اظہارِ افسوس بھی کیا (الدُّرَرُ الکامِنَة، ۱:۱۵۴) اور منہاج السُّنّة میں تو انھوں نے حضرت عمرؓ کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ علیؓ بن ابی طالب نے تین سو (قبّ الدرر الکامنة، ۱:۱۵۴، جہاں سترہ خطاؤں کا ذکر ہے) غلطیاں کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جبلِ کسروان کے ایک غالی شیعہ نے عصمتِ علیؓ پر اُن سے بحث کی۔ انھوں نے تاریخ کو پیش کیا اور بتایا کہ ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ میں کئی دفعہ بعض مسائل میں اختلاف ہو گیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابن مسعودؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔ کسروانیوں کے خلاف حکومت کو فوج کشی بھی کرنا پڑی اور ان لوگوں نے مغلوں کو ممالک اسلامیہ کے خلاف کئی بار مدد دی تھی اور یہ اصحاب ثلاثہ اور ائمۂ دین کو مرتد قرار دیتے تھے۔

ان باتوں سے ابن تیمیّہ کا مطلب صرف یہ تھا کہ عصمت صرف انبیا کو حاصل ہے، ورنہ وہ صحابہ کا بہت ادب کرتے تھے اور ان کے مقام کی عظمت و بلندی کے معترف تھے۔ اپنی کتاب العقیدة الحمویة میں لکھتے ہیں ''متکلّمین کا خیال یہ ہے کہ صحابہ و تابعین سادہ ایمان و عقائد کے مالک تھے جن میں تدبّر و تفکّر بہت کم تھا اور آیات و نصوص میں خوض کی استعداد موجود ہی نہ تھی..... یہ ایک ایسا دعوٰی ہے جسے خوفناک جہالت ہی کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کاش ان عقل کے اندھوں کو معلوم ہوتا کہ وہ لوگ ظن و شک کی ظلمتوں سے نکل کر ایقان و ایمان کی روشن دنیاؤں میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی راہ میں شبہات کے کانٹے نہ تھے۔ تخمین و ظن کی جھاڑیاں نہ تھیں، منطق و فلسفہ کی الجھنیں نہ تھی... انھیں خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حقّانیت کا درس دیا تھا۔ ان کے سامنے ماضی و مستقبل کے واقعات کھول دیے گئے تھے۔ وہ کفر و عصیان کی ظلمتوں سے آفتاب بن کر چمکے تھے۔ انھوں نے کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر مشرق و مغرب کے سامنے بہترین عملی نمونہ پیش کیا تھا۔ ان سے کتابِ الٰہی بولتی تھی اور ان کا علم انبیاے بنی اسرائیل سے کم نہ تھا... ان کی وسعتِ نگاہ، پروازِ فکر اور محیّر العقول قوّتِ ادراک کو ناپنے کے لیے کوئی مقیاس موجود نہیں''۔ ابن تیمیّہ نے الغزالی، محی الدّین ابن العربی، عمر بن الفارض اور عموماً صوفیہ کی طرف منسوب خیالات پر بھی تنقید کی ہے۔ جہاں تک امام الغزالی کا تعلّق ہے ابن تیمیّہ نے ان فلسفیانہ خیالات پر جرح کی ہے جو انھوں نے المُنْقِذُ مِن الضّلال بلکہ احیاء علوم الدّین میں بھی ظاہر کیے ہیں، جس میں (بقول ابن تیمیّہ) بہت سی موضوع احادیث پائی جاتی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ صوفی اور متکلّمین ایک ہی کشتی پر سوار ہیں (من وادٍ واحدٍ)۔ ابن تیمیّہ نے فلسفۂ یونان اور اس کے اسلامی نمائندوں، بالخصوص ابن سینا اور ابن سبعین، پر بہت زوردار حملے کیے اور کہا: ''کیا فلسفہ کفر کی طرف نہیں لے جاتا۔ کیا وہ بہت حد تک ان اختلافات کا باعث نہیں ہے جنھوں نے آغوشِ اسلام میں پرورش پائی ہے؟''۔

اسلام چونکہ یہودیت اور عیسائیت کے نعم البدل کے طور پر بھیجا گیا تھا اس لیے ابن تیمیّہ کو قدرتی طور ان دونوں مذہبوں پر جرح کرنے کی طرف توجّہ کرنا پڑی۔ یہود و نصارٰی پر اپنی مقدّس کتابوں کے بعض الفاظ کے معانی کو محرّف کرنے کا الزام لگانے کے بعد (قبّ ان کی تصانیف، عدد ۳۵، ۴۰، ۴۳، ۴۴ اور ۴۵) انھوں نے یہودیوں کے عبادت خانوں اور بالخصوص گرجاؤں کی دیکھ بھال یا ان کی تعمیر کے خلاف رسالے لکھے (قبّ عدد ۴۶)۔

بعض مسلمان علما ابن تیمیّہ کی راسخ الاعتقادی کے بارے میں متّفق نہیں ہیں۔ ان لوگوں میں سے جو انھیں اُور کچھ نہیں تو مُلحد سمجھتے ہیں حسبِ ذیل کے نام لیے جا سکتے ہیں: ابن بطّوطہ، ابن حجر الہیتمی، تاج الدّین سبکی، تقی الدّین السبکی اور ان کے بیٹے عبدالوہّاب، عزّ الدّین ابن جماعہ، ابوحیان الظاہری الاندلسی وغیرہ؛ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جو ابن تیمیّہ کو شیخ الاسلام کہے وہ بھی کافر ہے اور اس کے ردّ کے لیے شمس الدّین محمد بن ابی بکر (م ۸۴۲ھ) کو الرّد الوافر کتاب لکھنا پڑی۔ اسی طرح ابن حجر الہیتمی کی تنقیدات کے جواب میں محمود الآلوسی (م ۱۳۱۷ھ) نے جِلاءُ العَیْنَیْن لکھی۔ تاہم ان کی مذمّت کرنے والوں کے مقابلے میں ان کی مدح کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے، مثلاً ان کے شاگرد ابن قیّم الجوزیہ، الذّہبی، ابن قدامہ، ابن کثیر، الصرصاری الصوفی، ابن الوردی، ابراہیم الکورانی، علی القاری الہروی، محمود الآلوسی وغیرہ۔ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ان کی دیانتِ ادراک اسلامی اور سیاسی مسائل کی راہ میں کہیں ٹھوکر نہ کھا سکی۔ ابن تیمیّہ کے متعلّق یہ اختلاف راے آج تک چلا آتا ہے، مثلاً یوسف النّبہانی نے اپنی کتاب شواھد الحقّ فی الاستغاثة بسیّد الخلق (قاہرہ ۱۳۲۳ھ) میں ان پر خوب لے دے کی ہے اور اس کا ردّ ابوالمعالی الشافعی السّلامی نے اپنی

کتاب غایة الامانی فی الرّدّ علی النّبهانی (قاہرہ ۱۳۲۵ھ؟) میں کیا ہے؛ نیز محمد سعید مدراسی نے ابن تیمیّہ کے خلاف التنبیه بالتنزیه کے نام سے کتاب لکھی (حیدر آباد ۱۳۰۹ھ) تو اس کا جواب احمد بن ابراہیم نجدی نے تنبیه النبیه و الغبی کے نام سے لکھا (مصر ۱۳۲۹ھ)۔ لیکن ان کے مخالف بھی ان کے تبحّرِ علمی کے قائل تھے۔ ان کے مخالفوں میں علّامہ کمال الدّین الزملکانی (م ۷۲۷ھ) کا نام بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں: هو حجة اللّٰه القاهرة ـ هو بیننا اعجوبة الدهر؛ ابن تیمیّہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت قاہرہ ہیں اور وہ عجائباتِ عالم میں سے ہیں (البدایة)۔ ابوحیّان (م ۷۰۲ھ) بھی ان کے مخالف تھے لیکن وہ بھی کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا علم وہ سمندر ہے جس کی لہریں موتی اچھالتی رہتی ہیں (القول الجلی)۔ ابن بَطُّوطہ ان کی عظمت سے اس درجہ متأثّر تھا کہ اپنی سیاحت میں سالہا سال بسر کرنے کے بعد جب وہ اپنے ملک واپس پہنچا تو اس وقت بھی اس کے ذہن میں ابن تیمیّہ کی عظمت کے نقوش روشن تھے۔ وہ لکھتا ہے: کان ابن تیمیة کبیر الشام یتکلم فی الفنون و کان اهل دمشق یعظمونه اشد التعظیم (رحلة ابن بطُّوطه): ابن تیمیّہ شام کی ایک ممتاز ہستی، علوم وفنون کے ماہر اور اہلِ دمشق کی نظر میں بے حد محترم ومکرم تھے۔

ہمیں معلوم ہے کہ وہّابی فرقے کے بانی کا تعلق دمشق کے حنبلی علما سے تھا اور اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ اس نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا، بالخصوص ابن تیمیّہ اور ان کے شاگرد ابن قیّم الجوزیہ [رکّ بآن] کی تعلیمات سے؛ اس لیے وہابی عقیدے کے اصول وہی ہیں جن کے لیے یہ جلیل القدر حنبلی عالم عمر بھر لڑتے رہے۔

ابن تیمیّہ کا اصولِ استدلال یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید سے استدلال کرتے۔ زیرِ نظر مضمون سے متعلّق تمام آیات کو یکجا کرتے اور ان کے الفاظ سے معانی کی تعیین کرتے۔ پھر سُنّت وحدیث سے استنباط کرتے۔ حدیث کے راویوں پر جرح کرتے اور روایت کے لحاظ سے پرکھتے۔ پھر صحابہ کے طریق اور فقہاے اربعہ اور دوسرے مشہور اماموں کے اقوال زیرِ بحث لاتے؛ اور اسی نقطۂ نگاہ سے انھوں نے اپنے زمانے کے علومِ متداولہ کو جانچا۔

ابن شاکر نے لکھا ہے کہ وہ بڑے متقی، پرہیزگار، عابد، صائم، ذاکر اور حدودِ الٰہیہ کے پابند تھے۔ سراج کہتے ہیں کہ وہ نہ تو لباس فاخرہ پہنتے نہ علما کے جبے اور عمامے کو پسند کرتے۔ ان کا لباس بالکل عوام کا سا ہوتا، جو مل جاتا پہن لیتے۔ ان کے متعلّق ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے بہت سے خواب دیکھے۔ ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تمام خواب جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔

ابن تیمیّہ کی قلمی تصویر کھینچتے ہوے الذہبی نے لکھا ہے کہ وہ خوش شکل اور نیک سیرت تھے، رنگ سفید، کندھے فراخ، آواز بلند اور رسیلی، بال سیاہ اور گھنے اور آنکھیں دو بولتی ہوئی زبانیں تھیں (الدرر الکامنة، ۱: ۱۵۱)۔

انھوں نے عمر بھر شادی نہ کی۔ ان کے خاندان کے تمام افراد تیمیّہ کی طرف منسوب ہیں۔ مؤرّخین نے اس کی جو وجوہات بتائی ہیں ان میں سے زیادہ قرین قیاس ابن نجّار کی توجیہ ہے کہ تیمیّہ ان کے اجداد میں سے ابوالقاسم الخضر کی ایک عالمہ فاضلہ دادی تھیں اور تمام خاندان اسی بزرگ خاتون کی طرف منسوب ہو گیا۔ ابنِ رجب کی اس روایت کی تائید ابنِ کثیر کی کتاب اختصار علوم الحدیث (ص ۸۶) سے بھی ہوتی ہے۔

ابن تیمیّہ کے مواعظ میں جمِ غفیر شامل ہوتا تھا۔ اُن کی پُرجوش تصانیف کے نتیجے میں محمد ابن عبدالوہّاب نجدی کی تحریک ابھری اور دورِ حاضر کے مصر میں محمد عبدہٗ اور ہندوستان میں شاہ ولی اللہ، مولوی عبداللہ غزنوی، نواب صدیق حسن خان، ابوالکلام آزاد، عبدالقادر، مہربان فخری مدراسی (م ۱۲۰۴ھ) اور باقر آگاہ مدراسی (م ۱۲۲۰ھ) کی کوششوں سے احیاے سُنّت کا جذبہ پیدا ہوا۔

ان پانچ سو کتابوں (معجم الشیوخ، الدرر الکامنة: بلغت مؤلفاته فی حال حیاته نحو خمس مائة مجلدًا او نحوها) میں سے، جو کہا جاتا ہے ابن تیمیّہ نے لکھیں، اب صرف مندرجۂ ذیل باقی ہیں (بقیہ کے صرف نام معلوم ہیں جن میں سے ابن عبدالہادی (ص ۱۶۴)، صدّیق حسن خان (اتحاف النبلاء) اور غلام جیلانی برق نے ۴۸۰ کتب کے نام حروفِ تہجّی کے اعتبار سے دیے ہیں: (۱) رِسَالَةُ الْفُرْقَان (الفرق) بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِل؛ (۲) معارج الوصول الی مَعْرِفَة انّ اصول الدّین و فرعه قد بیّنها الرّسُول، فلسفیوں اور قرمطیوں کا ردّ، جو یہ کہتے ہیں کہ انبیا خاص حالات میں جھوٹ بول سکتے ہیں وغیرہ؛ (۳) التِبْیان فی نُزُول القُرآن؛ (۴) الوَصِیَّةُ فی الدِّین و الدُّنیا المعروف به الوَصِیّةُ الصُّغْرٰی؛ (۵) رسالة النِّیَّةِ فی العِبادات؛ (۶) رسالة فِی الْعَرْشِ هَلْ هُوَ کُرِیٌّ اَمْ لَا؛ (۷) الوَصِیَّةُ الکُبْرٰی؛ (اردو ترجمہ از ابوالکلام آزاد، لاہور ۱۹۴۷ء)؛ (۸) الاِرَادَةُ وَالْاَمْر؛ (۹) العَقِیْدَةُ الوَاسِطِیَّةُ (اردو ترجمہ، طبع مالکان دارالترجمة و الاشاعة تصانیف امام ابن تیمیّہ، لاہور)؛ (۱۰) المُنَاظَرَةُ فی الْعَقِیْدَةِ الوَاسِطِیّةِ؛ (۱۱) العَقِیْدَةُ الحَمْوِیَّةُ الکُبْرٰی؛ (۱۲) رسالةٌ فِی اَلْاِسْتِغاثَة؛ (۱۳) الاِکْلِیْل فی المُتشابِهِ و التأوِیْلِ؛ (۱۴) رسالة الحَلَال؛ (۱۵) رسالة فی زِیارةِ بَیْتِ المَقْدِس؛ (۱۶) رسالة فی مَرَاتِبِ الاِرَادَةِ؛ (۱۷) رسالة فی القَضَاءِ وَ الْقَدْرِ؛ (۱۸) رسالة فی الاِحْتِجَاجِ بِالْقَدْر؛ (۱۹) رسالة فِی دَرَجَاتِ الیَقِیْن (اردو ترجمہ، طبع مالکان دارالترجمة والاشاعة تصانیف امام ابن تیمیّہ، لاہور ۱۳۴۷ھ)؛ (۲۰) کتاب بیان الهُدٰی مِنَ الضَّلال فی اَمرِ الْهِلَال؛ (۲۱) رسالة فی سُنَّةِ الْجُمُعَة؛ (۲۲) تفسیرُ الْمُعَوِّذَتَیْن (اردو ترجمہ، طبع مالکان دارالترجمہ والاشاعة تصانیف امام ابن تیمیّہ، لاہور)؛ (۲۳) رسالة فی العُقُودِ المُحَرَّمَة؛ (۲۴) رسالة فِی مَعْنَی القِیَاس؛ (۲۵) رسالة فی السِّمَاع و الرَّقْصِ (اردو ترجمہ، وجد و سماع از عبدالرزّاق ملیح آبادی، لاہور ۱۹۴۶ء؛ قوالی، از عبدالرزّاق ملیح آبادی، لاہور ۱۳۴۰ھ)؛ (۲۶) رسالة فِی الْکَلام عَلَی الْفِطرةِ؛ (۲۷)

رسالة فی الاَجْوِبَةِ عَنْ اَحَادِیْثِ الْقُصَاص؛ (۲۸) رسالة فی رَفْعِ الحَنفِی یَدَیْهِ فِی الصَّلٰوة؛ (۲۹) کتاب مناسک الحج۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے رسالوں کو ایک مجموعے میں جمع کر دیا گیا، جس کا نام مجموعةُ الرّسائلِ الکُبریٰ ہے (قاہرہ ۱۳۱۳ھ، ضخامت ۸۷۵ صفحات)؛ (۳۰) الفُرقَان بَیْن اَوْلِیاء الرّحمٰن وَ اَوْلِیاء الشَّیْطان، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ضخامت ۸۸ صفحات، ۱۳۲۳ھ، ۱۳۲۵ھ، لاہور ۱۳۲۱ھ، نیز مجموعة التوحید کے ساتھ دہلی سے ۱۸۹۵ء (اردو ترجمہ از غلام ربانی، لاہور ۱۹۳۰ء)؛ (۳۱) الوَاسِطَةُ بَیْنَ الخَلْقِ وَ الحَقِ یا الوَاسِطَةُ بَیْنَ الْحَقِ وَ الْخَلْقِ، قاہرہ ۱۳۱۸ھ (اردو ترجمہ العروة الوثقٰی مطبوعہ الہلال بک ایجنسی)؛ (۳۲) رَفعُ المَلَامِ عَنِ الائِمَّةِ الاَعْلَام، قاہرہ ۱۳۱۸ھ؛ (۳۳) کتاب التَّوَسُّلِ وَ الْوَسِیْلَة، قاہرہ ۱۳۲۷ھ، طبع دوم دمشق ۱۳۳۱ھ، ضخامت ۲۰۰ صفحات (اردو ترجمہ کتاب الوسیلة از عبدالرزاق ملیح آبادی، طبع دوم، لاہور ۱۹۵۱ء)؛ (۳۴) کتاب جَوابُ اَهْلِ الْعِلْمِ وَ الْاِیْمانِ بِتَحْقِیقِ ما اَخْبَرَ بِهِ رَسُوْلُ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد تَعْدِلُ (تُعادِلُ) ثُلُث القُرآن، قاہرہ ۱۳۲۲ھ (قب *Revue Afric.*، ۱۹۰۶ء، ۲۶۷)؛ (۳۵) الجَوابُ الصَّحِیح لِمَنْ بَدَّلَ دِیْنَ الْمَسِیْحِ، یہ صیداء اور انطاکیہ کے اُسقف پال (Paul) کے ایک خط کا جواب ہے، جس میں امام ابن تیمیہ نے نصرانیت کا ابطال کیا ہے اور اسلام کی فضیلت ثابت کی ہے، قاہرہ ۱۳۲۲-۱۳۲۳ھ، ضخامت ۱۴۲۴ صفحات (قب P. de Jong: *Een Arab. Handschrift behelzende eene bestrijding van hat Christendom*، در *Verslagen en Madedeel. Afd. Letterkunde dre Kon. Akad. van Wetenschapen*، سلسلۂ دوم، ۷، (۱۸۷۸ء): ۲۱۸-۲۱۹، ۲۳۲-۲۳۳؛ *Revue Afric*، ۱۹۰۶ء، ص ۲۸۳ (اس کے چند اوراق کا اردو ترجمہ عبدالرزّاق ملیح آبادی نے کیا تھا، طبع کلکتہ، تاریخ طبع ندارد)؛ (۳۶) الرِّسَالَةُ الْبَعْلَبَکِیة، قاہرہ ۱۳۲۸ھ (ضخامت ۴۸ صفحات)؛ (۳۷) الجَوامِعُ فِی السِّیاسَةِ الاِلٰهِیَّةِ و الآیاتِ النبوِیَّة، بمبئی ۱۳۰۶ھ، (سیاسة الٰهیه، ترجمہ اردو از ابوالقاسم رفیق، طابع ادارۂ فروغ اردو، تاریخ طبع ندارد)؛ (۳۸) فوائد مستنبطة من سورة النور، تفسیر سورۂ نور، مطبوعہ برحاشیۂ جامع البَیان فی تفسیر القرآن (از الایجی)، چاپ سنگی، دہلی ۱۲۹۶ھ، مصر ۱۳۴۳ھ، ضخامت ۱۳۲ صفحات؛ (۳۹) کتاب الصَّارِمُ المَسْلُوْل علی شَاتِمِ الرَّسُوْل، حیدرآباد ۱۳۲۲ھ، (ضخامت ۶۰۰ صفحات)؛ (۴۰) تَخْجِیل اَهْلِ الْاِنْجِیل، عیسائیت کے ردّ میں، مخطوطہ در بوڈلین لائبریری، فہرست، ۲: ۴۵؛ Maracci نے اس کا استعمال اپنی کتاب *Refutatio Alcorani* کے مقدمے (*Predromus*) میں کیا ہے؛ (۴۱) المَسْئلة النُّصَیرِیَّة (یا الرَّدُّ علی النُّصَیرِیَّة یا فتیا فی النُّصَیرِیَّة)، کوہستان شام کے نُصَیری باشندوں کے خلاف فتوٰی، (فرانسیسی زبان میں ترجمہ از گویار (Guyard)، در *JA*، سلسلۂ ۶، ۱۸۷۱ء، ۱۸: ۱۵۸؛ پیرس ۱۸۷۲ء؛ Salisbury: *Journ. Amer. Or. Soc.*، ۲ (۱۸۵۱ء): ۲۵۷؛ قاہرہ ۱۳۲۳ھ، نیز اس سے پہلے الرّسائل الکُبریٰ میں، مصر ۱۳۱۷ھ)؛ (۴۲) العَقِیْدَةُ التَّدْمُرِیَّة، [مصر ۱۳۲۵ھ، ضخامت ۱۲۹ صفحات، اس کا دوسرا نام تَحْقِیْقُ الاِثْبَاتِ لِلْاَسْماءِ وَ الصِّفات وَ بیان حَقِیْقَة الجَمْعِ بَیْنَ الْقَدْرِ وَ الشَّرْعِ بھی ہے؛] (۴۳) اقتضاء (کذا در آ، لائڈن، اقتفاء اور اقتداء، مطبع شرقیہ ۱۳۲۵ھ اور صدیق حسن خان کی الدِّیْنُ الخَالِص کے حاشیے پر، طبع ہند ۱۳۱۲ھ) الصِّراطُ المُسْتَقِیم و مُجانَبَةُ اَصْحابِ الجحیم، یہود و نصارٰی کے خلاف، مخطوطہ در برلن، عدد ۲۰۸۴، مصر ۱۳۲۵ھ، ضخامت ۲۲۲ صفحات (اس کے اختصار کا اردو ترجمہ صراط مستقیم، از عبدالرزّاق ملیح آبادی، ہند بک ایجنسی، کلکتہ، تاریخ طبع ندارد)؛ (۴۴) جواب عَنْ لَوْ، حرفِ لو کی بحث، السُّیوطی کی الاشباہ و النَّظائر، حیدرآباد ۱۳۱۷ھ، ۳: ۱۰-۳۱ میں شائع ہوا؛ (۴۵) کتاب الرَّدِّ عَلَی النَّصارٰی، مخطوطہ در برٹش میوزیم، فہرست، شمارہ ۸۶۵، ۱؛ (۴۶) مسئلةُ الکَنائس، مخطوطہ در کتب خانۂ ملّیہ، پیرس، عدد ۲۹۶۲، ii؛ (۴۷) الکلامُ علٰی حَقِیْقَةِ الْاِسْلامِ وَ الْاِیْمان، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۲۰۸۹، اِسکوریال .Esc، ۱۴۷۴ (یہی رسالہ کِتَابُ الْاِیْمان وَ الْاِسْلَام کے نام سے دہلی ۱۳۱۱ھ، طبع مولوی عبداللطیف وغیرہ مجموعة التوحید، میں چھپ چکا ہے)؛ (۴۸) العَقِیْدَةُ المَراکُشِیَّة، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۲۸۰۹؛ (۴۹) مسئلةُ الْعلو، خدا کا ذکر کرتے ہوئے ''بلندی'' کا مسئلہ، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۲۳۱۱، گوتھا (Gotha)، شمارہ ۸۳/iii، میونخ، شمارہ ۸۸۵؛ (۵۰) نَقْض تأسِیس الجَهْمِیَّة، مخطوطہ در لائڈن، شمارہ ۲۰۲۱؛ (۵۱) رسالة فی سُجُودِ القرآن، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۳۵۷؛ (۵۲) رسالة فی سُجُودِ السَّهْو، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۳۵۷۳؛ (۵۳) رسالة فی اوقات النَّهْی والنزاع فی ذَوَات الاَسْبَاب وغیرها، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۳۵۷۴؛ (۵۴) کتاب فی اُصُولِ الفِقْه، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۴۵۹۲؛ (۵۵) کِتابُ الفَرْقِ المُبِیْن بَیْنَ الطَّلَاقِ و الیَمِیْن، مخطوطہ در لائڈن، شمارہ ۱۸۳۴؛ (۵۶) مسألةُ الحَلْف بالطَّلَاق، مخطوطہ در کتب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۷: ۵۶۵؛ (۵۷) الفَتَاوِی، مخطوطہ در برلن، شمارہ ۴۸۱۷-۴۸۱۸، طبع مصر ۱۳۲۹ھ؛ (۵۸) کتابُ السِّیاسَةِ الشَّرْعِیَّةِ فِی اِصْلَاحِ الرّاعِی و الرَّعِیَّة، مخطوطہ در پیرس؛ فہرست کتب خانۂ ملّیہ، شمارہ ۲۴۴۳-۲۴۴۴؛ طبع مصر ۱۳۲۲ھ؛ (۵۹) جوامِعُ الکلم الطّیبة فی الادْعِیة والاذکار، مخطوطہ در فہرست کتب خانۂ خدیویہ، ۷: ۲۲۸؛ آیا صوفیا، شمارہ ۵۸۳، طبع بمبئی ۱۳۴۹ھ، ضخامت ۱۰۴ صفحات؛ (۶۰) رسالةُ العُبُوْدِیَّة (اردو ترجمہ: بندگی از میر ولی اللہ، ایبٹ آباد ۱۹۲۲ء)؛ (۶۱) رِسَالة تنوّع (نوع) العِبَادَات، طبع مصر در الرسائل الکبرٰی؛ (۶۲) رسالة زیارة القُبور و الاِسْتِنْجاد بِالْمَقْبُوْر (اردو ترجمہ، لاہور ۱۳۴۷ھ)؛ (۶۳) رسالة المظالم المشترکة؛ (۶۴) الحِسْبَةُ فی الاِسْلَام- مجموعة الرّسائل الکبرٰی، ص ۱-۲۲۲ اور ۱-۹۲ میں

ان تصانیف میں سے عدد ۵۹-۶۳، مع عدد ۲، ۳۱، ۳۲، ۴۱، قاہرہ ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہیں؛ (۶۵) الرّسالةُ المَدَنِيةُ فِي تَحْقِيْق المَجاز و الحَقِيقة، اورابن قیّم کی کتاب اِجْتِماعُ الجُيوشِ الْاِسْلاَمِيّة لِغزْوِ الْمرجئة و الجهمية، امرتسر ۱۳۱۴ھ کے آخر میں طبع ہوا؛ (۶۶) الْاِخْتِيارَاتُ العِلميّة، مجموعہ فتاوٰی ابن تیمية کے چوتھے جزو کے آخر میں طبع ہو چکا ہے، نیز مصر ۱۳۲۹ھ، (ضخامت ۳۲۰ صفحات)؛ (۶۷) اقامة الدَّلِيْل عَلیٰ اِبْطَالِ التحليل، فتاوٰی، جزو سوم، کے آخر میں طبع ہو چکا ہے، نیز مصر ۱۳۲۹ھ، (ضخامت ۳۹۰ صفحات)؛ (۶۸) بُغْيَةُ الْمُرْتَادفِي الرَّدِّ علی مُتَفَلْسِفَة و القَرَامطة و البَاطِنِيّه، فتاوٰی، جزو پنجم، کے آخر میں شائع ہو چکا ہے، نیز مصر ۱۳۲۹ھ؛ (۶۹) بیان مُوَافقة صَرِيحِ المعقُول لِصحيحِ المَنْقُوْل، یہ کتاب مِنْهَاجُ السُّنّة کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے، مصر ۱۳۲۱ھ؛ (۷۰) تفسير سورةُ الاِخْلاص، مطبع حسینیہ ۱۳۲۳ھ، ضخامت ۱۴ صفحات (اردو ترجمہ غلام ربانی، لاہور ۱۳۴۴ھ)؛ (۷۱) الرسالة التسعينية، چھپ چکا ہے؛ (۷۲) الرسالة السبعينية، چھپ چکا ہے؛ (۷۳) الرسالة القبرصية، مطبع المؤید ۱۳۱۹ھ، ضخامت ۲۳ صفحات؛ (۷۴) شرح حديث ابی ذر، چھپ چکا ہے؛ (۷۵) شرح حديث النزول (یا صفات النزول)، امرتسر ۱۳۱۵ھ، ضخامت ۱۱۶ صفحات یا شرح حدیث اُنْزِلَ الْقُرآنُ عَلَى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، خمس رسائل نادرة میں، ۱۹۰۷ء، رسالۂ چہارم؛ (۷۶) شرح العقيدة الاصفهانية، قاہرہ ۱۳۲۹ھ؛ (۷۷) الصُّوفيه و الفُقَرَاء، مصر ۱۳۲۷ھ، ضخامت ۳۲ صفحات (اردو ترجمہ مجذوب، طبع مالکان دارالترجمۃ والاشاعۃ تصانیف امام ابن تیمیّہ، لاہور)؛ (۷۸) فَصْل المَقال فيما بَيْن الحكمة و الشريعة من الاتِّصال، جس کا دوسرا نام فَلْسَفةُ ابنِ رُشْد مَعَ الرّد علی بعضِ مَوَاضِيعه بھی ہے؛ (۷۹) الكلم (؟) الطيب فی افكار النبی، طبع H. Wiessel مع جرمن ترجمہ، برلن ۱۹۱۴ء؛ (۸۰) المسائل المردانيات (؟)، دمشق ۱۳۳۳ھ؛ (۸۱) مِنهَاجُ السُّنَّةِ النَّبوِيَّة فِيْ نقْضِ كَلاَمِ الشِّيْعةِ و القَدْرِيّة یا الرَّدُّ علی الرّوافِضِ و الاِمامِيةِ، ابن مطہر (م ۷۲۶ھ) کی منهاج الكَرَامة فِي مَعْرِفَةِ الاِمامَةِ کا جواب، بولاق ۱۳۲۱-۲۲ھ، ضخامت ۱۱۱۴ صفحات، اس کا اختصار کتاب خانۂ رام پور، عدد ۲۰۰ و ۲۰۳ میں موجود ہے؛ (۸۲) المُنْتَقٰی مِنْ اَخْبارِ المُصْطَفٰی، پٹنہ، عدد ۱، ۱۲۶۴ و ۱۲۶؛ (۸۳) مقدمة فی اصول التفسير، دمشق ۱۹۳۶ء (اردو ترجمہ اصول تفسیر، طبع عطاالله، لاہور ۱۳۷۴ھ)؛ (۸۴) رسالة فی القرآن و ما وَقَعَ فِيْه مِنَ النّزَاع هلْ هُوَ قَدِيْمٌ اَوْ مُحدِث؛ (۸۵) رسالة فيما وقع فی القرآن بين العلماء هل هو مخلوق او غير مخلوق و بيان الحقّ فی ذلک و ما دلّ عليه الكتابُ و السُّنَّة وغيره؛ (۸۶) رسالة فی المناظرة فی صفات الباری (اردو ترجمہ عبدالرزّاق ملیح آبادی)؛ (۸۷) الاقناع؛ (۸۸) رسالة فی النسک، پٹنہ، ii/۱: ۶۲۵، ۲: ۴۴۹؛ (۸۹) فصل فی المُجْتَهِدِين ....؛ (۹۰) رسالة فی تحقيق استوی علی العرش، مخطوطہ در رام پور (۱، ۳۳۹)؛ (۹۱) فصل فی قوله تعالیٰ "قُلْ يَا عِبَادِی...."؛ (۹۲) اجوبة علی اسئلة الواردة عليه فی فضائل سورة الفاتحة....، (؟)؛ (۹۳) تفسير سورة الكوثر، مجموعة الرسائل المنيرية کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ (اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی، کلکتہ)؛ (۹۴) الكلام علی قوله تعالیٰ ان هدانی، دمام زادہ ۱۴، ۹۹، ۳۶: (۹۵) الاربعين یا اربعون حديثًا، مصر ۱۳۴۱ھ، ضخامت ۵۰ صفحات؛ (۹۶) الابدال العوالی؛ (۹۷) فوائد المذكی، مخطوطہ در بانکی پور، ۷: ۴۶۲، ۲؛ (۹۸) سوال فی مشهد....؛ (۹۹) رسالة فی قوله لاتشد الرّحال الّا الیٰ ثلاثة مساجد، الرسائل الكبرٰی میں چھپ چکا ہے، ۱۳۲۳ھ؛ (۱۰۰) المناظرة فی الاعتقاد، مخطوطہ در برلن ۲۳۱۰؛ (۱۰۱) صفة الكمال، مخطوطہ در انڈیا آفس لائبریری، ۲، ۴۶۷؛ (۱۰۲) رسالة العقود المحرّمة؛ (۱۰۳) ايضاح الدّلالة فی عموم الرّسالة، قاہرہ ۱۳۴۱ھ؛ نیز مجموعة الرسائل المنيرية کے ساتھ؛ ضخامت ۵۶ صفحات؛ (۱۰۴) رسالة فی الجلوس، جامع البيان فی تفسير القرآن کے ساتھ دہلی ۱۲۹۷ھ؛ (۱۰۵) الفوائد الشريفة فی الافعال الاختيارية لله؛ (۱۰۶) التُحْفَةُ العِرَاقية فی الاعمال القلبية، امرتسر ۱۳۱۵ھ، نیز مصر، مطبع منیریہ، ضخامت ۶۸ صفحات؛ (۱۰۷) اَهْل الصُّفّة و اباطيل بعض المُتَصَوِّفة؛ الرسائل الكبرٰی میں شائع ہو چکی ہے (اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور ۱۹۳۲ء)؛ (۱۰۸) فی اثبات كرامات الاولياء، (اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی، کلکتہ، تاریخ طبع ندارد)؛ (۱۰۹) رسالة فی يزيد هل يُسَبّ ام لا (اردو ترجمہ یزید و حسین، از عبدالرزّاق ملیح آبادی)؛ (۱۱۰) فائدة فی جمع كلمة المسلمين؛ (۱۱۱) المذهب الرضيع ۔ کتب (۱۰۷) تا (۱۱۱) مجموعة الرسائل المسائل کے نام سے مصر ۱۳۴۱-۱۳۴۹ھ میں چھپ چکی ہیں، ضخامت ۷۶۷؛ (۱۱۲) كتاب الردّ علی المنطقيين، مطبوعۂ شرف الدّین کتبی، مع دیباچہ از سلیمان ندوی؛ (۱۱۳) كتاب الايمان، مصر ۱۳۲۵ھ، ضخامت ۱۹۰ صفحات؛ (۱۱۴) كتاب النبوات، مصر ۱۳۴۶ھ، ضخامت ۳۰۰ صفحات؛ (۱۱۵) مجموعۂ تفسير شيخ الاسلام ابن تيميّه، سورتہاے الاعلٰی، الشّمس، اللّیل، العلق، البیّنۃ اور الکافرون کی تفسیر، بمبئی ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء، ضخامت ۵۰۰ صفحات؛ (۱۱۶) رسالة الاجتماع والافتراق فی الحلف بالطلاق، مصر ۱۳۴۲ھ، ضخامت ۲۴ صفحات؛ (۱۱۷) علم الظاهر و الباطن، مجموعة الرسائل المنيرية کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ، ضخامت ۲۴ صفحات؛ (۱۱۸) صفة الكلام، مجموعه الرسائل المنيرية کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ، ضخامت ۵۲ صفحات؛ (۱۱۹) خلاف الامة فی العبادات، مجموعة الرسائل المنيرية کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ، ضخامت ۳۰ صفحات؛ (۱۲۰) توحّد الملّة، مجموعة الرسائل المنيرية کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ؛ (۱۲۱) الرّد علی الفلاسفة؛ (۱۲۲) الرّد علی ابن سينا؛ (۱۲۳)

۱۳۴۶ھ؛ (۱۲۱) الردّ علی الفلاسفة؛ (۱۲۲) الردّ علی ابن سینا؛ (۱۲۳) قاعدة فی المعجزات و الکرامات (اردو ترجمہ، کرامات، از عبدالرزّاق ملیح آبادی)؛ (۱۲۴) الھجر الجمیل؛ (۱۲۵) الشفاعة الشرعیة؛ (۱۲۶) رسالة فی الکلام؛ (۱۲۷) ابطال وحدة الوجود؛ (۱۲۸) مناظرة ابن تیمیّة مع الرفاعیة؛ (۱۲۹) لباس الفتوة؛ (۱۳۰) کتاب ابن تیمیّة الی نصر بن سلیمان؛ (۱۳۱) مسئلة صفات اللّٰہ؛ (۱۳۲) فتاوٰی فقیھیة [۱]؛ (۱۳۳) فی احکام السفر و الاقامة؛ (۱۳۴) مذھب السلف القدیم فی تحقیق مسئلة کلام اللّٰہ الکریم؛ (۱۳۵) فتاوٰی فقیھیة [۲]؛ (۱۳۶) حقیقة مذھب الاتحاد بین عرش الرحمٰن؛ (۱۳۷) تفصیل الاجمال فیما یجب اللّٰہ من صفات الکمال؛ (۱۳۸) العبادات الشرعیة؛ (۱۳۹) فتیا فی الغیبة؛ (۱۴۰) اقوم ما قیل فی المشیة و الحکمة؛ (۱۴۱) شرح حدیث عمران بن حصین کان اللّٰہ و لم یکن شیی قبلہ ـــ (۱۲۴) تا (۱۴۱) مجموعة الرسائل و المسائل، مصر ۱۳۴۱-۱۳۴۹ھ میں طبع ہوچکی ہیں؛ (۱۴۲) قاعدة فی المحبة؛ (۱۴۳) السوال عن الرّوح ھل ھی قدیمة او مخلوقة وغیرہ ذلک؛ (۱۴۴) العقل و الروح، مجموعة الرسائل کے ساتھ، مصر ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۶ھ؛ (۱۴۵) تلخیص کتاب الاستغاثة المعروف بالرّدّ علی البکری، مصر ۱۳۴۶ھ، ضخامت ۴۰۰ صفحات؛ (۱۴۶) کتاب الرّدّ علی الاخنائی، مقدّم الذکر کے حاشیے پر؛ (۱۴۷) برھان کلام موسٰی، مطبع محمدی، لاہور، ضخامت ۳۲ صفحات؛ (۱۴۸) الرَّدُّ علی فلسفة ابن رشد، مطبع رحمانیۂ مصر، ضخامت ۱۴ صفحات؛ (۱۴۹) قاعدة فی القرآن ـــ یہ اور اس کے بعد کی چاروں کتابیں جامع البیان کے خاتمے پر نامی پریس دہلی سے شائع ہوئی ہیں؛ (۱۵۰) رسالة فی القرآن ھل ھو کلام اللّٰہ او کلام جبرئیل؛ (۱۵۱) رسالة فی القرآن ھل کان القرآن حرفًا و صوتًا؛ (۱۵۲) رسالة فی القرآن ان الکلام غیر المتکلم؛ (۱۵۳) رسالة الجھاد، ابن عبدالہادی نے اسے اپنی کتاب العقود الدریة (قاہرہ ۱۹۳۸ء) میں نقل کر دیا ہے؛ (۱۵۴) منظومة فی القدر، یہ رسالہ العقود الدریة میں بھی منقول ہے اور علٰیحدہ بھی چھپ چکا ہے؛ (۱۵۵) مناظرات ابن تیمیّة مع المصریین و الشأمیین، ضخامت ۵۰۸ صفحات، مخطوطہ در ندوة العلماء لکھنؤ، کتابت ۱۲۱۴ھ؛ (۱۵۶) فی الرّد علی من ادعی الجبر، ضخامت ۹۰ صفحات، مخطوطہ در ندوة العلماء لکھنؤ؛ (۱۵۷) بیان مجمل اھل الجنة و النار، مخطوطہ در ندوة العلماء لکھنؤ؛ (۱۵۸) تبصرة اھل المدینة، ضخامت ۹۲ صفحات، مخطوطہ در جامع مسجد بمبئی؛ (۱۵۹) تعلیق علی کتاب المُحرَّر فی الفقہ ـ ابن تیمیّہ کے دادا نے فقہ میں کتاب المُحرَّر کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی تھی، جس پر امام موصوف کے والد اور پھر خود انھوں نے ایک تعلیق لکھی ـ ان دونوں تعلیقوں کا مخطوطہ ایک ہی جلد میں دارالکتب المصریہ قاہرہ میں محفوظ ہے.

براکلمان نے ابن تیمیّہ کی ۱۵۳ فی الوقت محفوظ کتب کی فہرست دی ہے.

مآخذ: ان تصانیف کے علاوہ جن کا ذکر متن مادّہ میں ہو چکا ہے (۱) الذَّہبی: تَذْکِرَة الحُفَّاظ، حیدرآباد بدون تاریخ، ۴:۲۸۸؛ (۲) ابن شاکر الکُتُبی: فَوَاتُ الوَفَیات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۱:۳۵ (سیرت کے اقتباسات از تذکرة الحفّاظ، مصنّفۂ ابن عبدالہادی)، ۱:۴۲؛ (۳) السُّبکی: طَبَقات الشافعیة، قاہرہ ۱۳۲۴ھ، ۵:۱۸۱ ـ ۲۱۲؛ (۴) ابن الوَرْدِی: تأریخ، قاہرہ ۱۲۸۵ھ، ۲:۲۵۴، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۹، ۲۸۴ ـ ۲۸۹؛ (۵) ابنِ حَجَر الہَیتَمِی: الفتاوی الحدیثیة، قاہرہ ۱۳۰۷ھ، ص۸۶ ببعد؛ (۶) السُّیوطی: طبقاتُ الحُفَّاظ، ۱:۷؛ (۷) الآلُوسی: جَلاء العَیْنَیْن فیِ مُحاکَمَة الْاَحْمَدَیْن اور اس کے حاشیے پر؛ (۸) صفی الدّین الحنفی کی القوْلُ الجَلِی فِی تَرْجَمة الشَّیخ تَقِیُ الدّین اِبْنِ تَیْمِیّہ الحَنْبلی، بولاق ۱۲۹۸ھ؛ (۹) محمد بن ابی بکر بن ناصر الدّین الشافعی: الرَّدُّ الوَافِر عَلٰی مَنْ زَعَمَ اَنَّ مَنْ سَمَّی ابن تَیْمیّة شیخ الاسلام کَافِر؛ (۱۰) مَرْعی بن یُوسُف الکَرْمی: الکَوَاکِبُ الدُّرِیَة فی مَنَاقِبِ ابْنِ تَیْمِیّة وغیرہ ایک ہی مجموعے میں شائع شدہ، قاہرہ ۱۳۲۹ھ؛ (۱۱) ابن بَطُّوطہ: رحلة، مطبوعہ پیرس، ۱:۲۱۵ـ۲۱۸؛ (۱۲) وُسْٹِنْفِلْٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der araber*، فصل ۱۹۷، عدد ۳۹۳؛ (۱۳) گولٹ تسیہر (Goldziher): *Die Ẓāhiriten*، لائپزگ ۱۸۸۴ء، ص۱۸۸ ـ ۱۹۲؛ (۱۴) وہی مصنّف: *Zeitschr. d. Deutsch. Morgen. Ges.*، ۵۲:۱۵۶ـ۱۵۷؛ ۶۲:۲۵ ببعد؛ (۱۵) وہی مصنّف: *Vorlesungen über den Islam*، قب اشاریہ؛ (۱۶) شرَائنر (Schreiner)، در *Zeitschr. der Deutsch. Morgenl. Gesell.*، ۶۲:۵۴۰ ببعد؛ ۵۳:۵۱ ببعد اور (۱۷) *Rev. des Études Juives*، ۳۱، (۱۸۹۶ء): ۲۱۴ ببعد؛ (۱۸) D. B. Macdonald: *Development of Muslim Theology* etc.، ص۲۷۰ـ۲۷۸، ۲۸۳ ـ ۲۸۵؛ (۱۹) براکلمان، ۲:۱۰۰ـ۱۰۵؛ تکملہ، ۲:۱۱۹ـ۱۲۶؛ (۲۰) ہوآر (Huart): *A History of Arabic Lit.*، ص ۳۳۴ ببعد؛ (۲۱) ابن حجر: الدُّرَر الکامِنة، ۱: ۱۴۴ ـ ۱۶۰، حیدرآباد ۱۳۴۸ھ؛ (۲۲) ابن رجب: طبقات الحنابلة؛ (۲۳) ابن عماد: شَذَرَاتُ الذَھَب، ۶:۸۰؛ (۲۴) ابن کثیر: البدایة و النھایة، مصر ۱۳۵۸ھ، ۱۴:۱۳۵؛ (۲۵) برزالی: معجم الشیوخ؛ (۲۶) ابن خلدون: العبر، ج۵؛ (۲۷) یوسف بن محمد: الحمیّة الاسلامیة؛ (۲۸) صدیق حسن خاں: اتحاف النبلاء، کان پور ۱۲۸۹ھ ۲۰۲ ـ ۲۲۱؛ (۲۹) وہی مصنّف: الانتقاد الرجیع؛ (۳۰) تقی الدّین سبکی: شرح الالفیة؛ (۳۱) ابن فضل اللّٰہ: مسالک الابصار؛ (۳۲) الذہبی: تأریخ دول الاسلام؛ (۳۳) ابن عمر شافعی: مناقب ابن تیمیّة؛ (۳۴) ابن قیّم: ازالة الخفاء؛ (۳۵) شبلی: مقالات، ۵ : ۶۵ ببعد، اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء؛ (۳۶) ابوالکلام آزاد: تذکرہ، طبع فضل الدّین احمد لاہور، ۱۵۸ ببعد؛ (۳۷) غلام رسول مہر: سیرت امام ابن تیمیہ، ۱۹۲۵ء لاہور؛ (۳۸) غلام جیلانی برق: امام ابن تیمیہ، لاہور؛ (۳۹) محمد یوسف کوکن عمری: امام ابن تیمیہ، لاہور ۱۹۶۰ء؛ (۴۰) محمد ابوزہرہ: ابن تیمیّة حیاته و

عصرہ، آراؤہ وفقهه، مصر ۱۹۵۲ء، اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری، تنقیح و اضافہ از محمد عطاء اللہ حنیف، لاہور ۱۹۶۱ء۔

(محمد بن شنب [و عبد المنان عمر])

----

* **ابن جُبَیر**: ابوالحسین محمد بن احمد [بن سعید بن جبیر بن محمد] الکِنانی، عرب سیّاح، جو [۱۰ ربیع الاوّل] ۵۴۰ھ/ [یکم ستمبر] ۱۱۴۵ء کو بلنسیہ میں پیدا ہوا [بعض نے اس کا مولد شاطبہ قرار دیا ہے۔ وہ ۹ (بروایتے ۲۷) شعبان ۶۱۴ھ/ ۱۳ (۳۰) نومبر ۱۲۱۷ء کو اسکندریہ میں فوت ہوا]۔ اس نے فقہ اور حدیث کی تعلیم شاطبہ (Jativa) میں حاصل کی، جو اس کے خاندان کا وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ غرناطہ کے والی ابوسعید بن عبدالمؤمن کے پاس کاتب کی حیثیت سے ملازم تھا تو ایک مرتبہ اسے مجبورًا شراب پینا پڑی اور اس گناہ کے کفارے کے لیے اس نے حج کا قصد کیا۔ وہ [۵۷۸ھ/] ۱۱۸۳ء میں غرناطہ سے روانہ ہو کر طریفہ (Tarifa) کے راستے سَبْتہ (Ceuta) اور وہاں سے بذریعہ جہاز اسکندریہ پہنچا۔ چونکہ عیسائیوں نے مکّے کا معتاد راستہ مسدود کر دیا تھا اس لیے اسے قاہرہ، قوص، عَیذاب اور جدّے کی راہ سے سفر کرنا پڑا۔ بعد ازاں وہ کوفہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق گیا اور پھر عکّہ سے جہاز میں سوار ہو کر صقلیہ روانہ ہوا اور قرطاجنہ کے راستے ۱۱۸۵ء میں غرناطہ واپس پہنچا۔ اس کے بعد دو مرتبہ پھر اس نے مشرق کا سفر کیا۔ یعنی ۵۸۵ - ۵۸۷ھ/ ۱۱۸۹ - ۱۱۹۱ء اور ۶۱۴ھ/ ۱۲۱۷ء میں، لیکن دوسرے سفر میں وہ صرف اسکندریہ تک پہنچ سکا [لیکن قبّ الاحاطة، ۲: ۱۶۹]، جہاں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنے ان سفروں کا جو حال لکھا ہے وہ عربی ادب کی اہم ترین تصانیف میں سے ہے اور ولیم (William the Good) کے عہد کی صقلیہ کی تاریخ کے لیے بھی خاص طور پر اہم ہے؛ قبّ A. Amari: *Voyage en Sicile sous le règne de Guillaume le Bon*، متن عربی مع ترجمہ و حواشی ۱۸۴۶ء اور اسی مصنّف کی تصنیف *BibIiotheca Arabico-Sicula*؛ سفرنامے کا عربی متن، طبع ولیم رائٹ (Wright)، [مع انگریزی دیباچہ]، لائڈن ۱۸۵۲ء؛ طبع جدید از ڈخویہ (de Geoje) ۱۹۰۷ء، طبع وقفیۂ گب، ج ۵ [مصر ۱۹۰۸ء]؛ اطالوی زبان میں ترجمہ از شپریلی (Schiaparelli)، بعنوان *Viaggia in Ispagna, Sicilia, Siria e Palestina Mesopotamia, Arabia Egitto* etc.، [روم ۱۹۰۶ء، [سفرنامے کا عربی متن رحلةُ ابن جُبَیر یا الرّحلةُ الی المشرق کے نام سے طبع ہوا ہے؛ اردو ترجمہ سفر نامۂ ابن جبیر، از احمد علی خان شوق، رام پور ۱۹۰۰ء]۔

ابن حسن الشادی کا کہنا ہے کہ ابنِ جُبَیر کے سفرنامے کی تحریر اس کی اپنی نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص کی ہے (احاطة)۔

ابن جُبَیر شاعر بھی تھا۔ ابن عبدالملک لکھتا ہے اس کے دیوان کا حجم ابوتمّام کے دیوان اتنا تھا۔ اسی طرح اس نے اپنی بیوی کا مرثیہ بھی لکھا تھا (نتیجة وجد الجوانح فی تأبین القرین الصالح)۔ اس کے اساتذہ میں اس کے والد کے علاوہ ذیل کے نام ملتے ہیں: ابن ابی العیش، ابن الأصیلی، ابن یَسْعُون، ابن علی القرطبی، ابن محمد البغدادی، ابومحمد عبداللطیف، ابوطاہر الخشوعی۔ اس کے شاگردوں میں سے بعض یہ ہیں: ابن مہیب، ابن الواعظ، ابوتمام ابن اسمٰعیل، ابوالحسن البجائی، ابن ابی الغمر، ابن عطاء اللہ الاسکندری]۔

مآخذ: (۱) Pons Boigues: *Ensayo biobibliogr*، ص ۲۶۷ بعد (مزید حوالے وہاں مندرج ہیں)؛ (۲) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۷۸؛ [تکملہ، ۱: ۸۷۹]؛ (۳) Schreiner: *Islamic Civilization*؛ (۴) ابن الخطیب: احاطة فی اخبار غرناطه، مصر ۱۳۱۹ھ، ۲: ۱۶۸ بعد؛ (۵) المَقریزی، ۱: ۲۱۴؛ (۶) المَقَّری: نفح الطیب، طبع ڈوزی (Dozy)، ۱: ۲۱۴، عدد ۱۷۸؛ (۷) الزِرِکْلی: الأعلام، ۳: ۸۵۰؛ (۸) آ، اشاعت اوّل، ۲: ۳۷۳- ۳۷۴۔

(لائڈن آ، جلد دوم)

----

* **ابن الجرّاح**: دو وزیروں کا نام۔

(۱) عبدالرحمٰن بن عیسٰی بن داؤد: ۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء میں ابن مُقلَہ کی برطرفی کے بعد خلیفہ الرّاضی نے وزارت کا خالی عہدہ سابق وزیر علی بن عیسٰی کو پیش کیا، لیکن چونکہ اس نے اس پیشکش کو اپنی ضعیفی اور صحت کی خرابی کی بنا پر قبول نہ کیا اس لیے یہ عہدہ اس کے بھائی عبدالرحمٰن کو دے دیا گیا؛ لیکن عبدالرحمٰن اس منصب کے بارِگراں کو سنبھالنے کے قابل نہ تھا، لہٰذا وہ صرف تین ماہ تک اس کی تحویل میں رہا۔ اس کے بعد اسے اس کے بھائی کے ساتھ قید میں ڈال دیا گیا اور اس پر ایک بھاری جرمانے کی ادائگی بھی عائد کی گئی۔ ۳۲۹ھ/ ۹۴۱ء میں وہ دوبارہ صفحۂ تاریخ پر نظر آتا ہے، یعنی جب کُورتگین امیرالامرا مقرر ہوا تو کچھ عرصے کے لیے وہ خلیفہ المُتّقی کے دربار میں وزارت کے فرائض انجام دیتا رہا، گو اسے وزیر کا خطاب نہیں دیا گیا۔

مآخذ: (۱) ابن الطِقطَقی: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۸۱ بعد؛ (۲) ابن الأثیر (طبع Tornberg)، ۸: ۲۱۱، ۱۳۵، ۲۳۴ بعد، ۲۸۰؛ (۳) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۲: ۶۶۲؛ [(۴) ابن کثیر: البدایة والنهایة، ۱۱: ۱۵۴؛ (۵) ابن العماد: شذرات الذهب، ۲: ۳۰۰]۔

(۲) [ابوالحسن] علی بن عیسٰی بن داؤد: سابق الذّکر کا بھائی ہے، جو ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء میں پیدا ہوا۔ خلافت کے مدعی عبداللہ بن المُعْتَزّ کا طرف دار ہونے کی وجہ سے علی کو عبداللہ کے قتل کے بعد ۲۹۶ھ/ ۹۰۸ء میں واسط میں جلا وطن کر دیا گیا لیکن المقتدر کے وزیر ابن الفُرات نے اسے مکّے جانے کی اجازت دے دی۔ ۳۰۰ھ/ ۹۱۲ - ۹۱۳ء میں خلیفہ نے اسے وزیر بنا دیا اور آئندہ سال

کے شروع میں وہ دار الخلافہ میں پہنچ گیا۔ اس نے سخت کفایت شعاری سے کام لے کر سلطنت کی مالی حالت بہت کچھ درست کر دی لیکن فوجی سپاہی اس لیے بددل ہوگئے کہ اس نے ان کی تنخواہ میں تخفیف کر دی تھی، نیز بعض اور اطراف میں بھی اس کی تدابیر نے لوگوں کو ناراض کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اس کا استعفا منظور کر لیا جائے لیکن خلیفہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تاہم ۳۰۴ھ/۹۱۷ء کے اواخر کے قریب اسے برخاست کر کے قید کر دیا گیا اور ابن الفُرات کو اس کا جانشین مقرّر کیا گیا۔ ایک یا دو سال تک ابن الفُرات نے اپنے عہدے کو بمشکل سنبھالے رکھا یہاں تک کہ جُمادی الاولٰی ۳۰۶ھ/نومبر ۹۱۸ء میں اس کی جگہ حامد بن العبّاس کو سپرد کر دی گئی جو ایک معمّر اور ضعیف آدمی تھا اور ابتدا میں علی بن عیسٰی کی رہنمائی پر قانع رہا، لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد علی نے حامد سے بگاڑ کر لیا اور ۳۰۸ھ/۹۲۰-۹۲۱ء میں سامانِ معیشت کی گرانی کے باعث بغداد میں شورش برپا ہونے کے بعد علی کو وزارت پیش کی گئی، جو اس نے قبول نہ کی، چونکہ حامد پر خلیفہ کی نظرِ عنایت نہ رہی تھی اور اس کی جزرسی سے بے اطمینانی پھیل گئی تھی اس لیے ربیع الثانی ۳۱۱ھ/اگست ۹۲۳ء میں وزارت دوبارہ ابن الفُرات کو تفویض کر دی گئی۔ علی قید کر دیا گیا اور اس سے زبردستی ایک خاصی بڑی رقم وصول کرنے کے بعد ابن الفُرات نے اسے مکّے جلاوطن کر دیا اور وہاں کے والی کو یہ ہدایات بھیجیں کہ وہ اسے وہاں سے صَنعا روانہ کر دے۔ ابن الفُرات کی معزولی پر صاحب الشُّرطہ مُونس کی سفارش سے علی کو معافی مل گئی اور ۳۱۲ھ/۹۲۵ء میں وہ اپنے وطن میں واپس آ گیا۔ ذوالقعدہ ۳۱۴ھ/جنوری۔فروری ۹۲۷ء میں مونس کے اثر و رسوخ سے اسے دمشق سے، جہاں وہ اس وقت مقیم تھا، بغداد بلایا گیا اور اسے وزارت تفویض کی گئی۔ اگرچہ عملی طور پر اس نے عہدے کو آئندہ سال کے شروع میں سنبھالا لیکن جب یہ پتا چلا کہ مالی معاملات میں دوبارہ ایک انتشاری کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور خلیفہ اس کے مشورے پر کاربند ہونے سے انکاری ہے تو اس نے اس عذر پر استعفا دینے کی اجازت چاہی کہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے وہ اس عہدے کے فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہے۔ خلیفہ نے پہلے تو اجازت دینے سے انکار کیا، لیکن آخر اسے اس پر راضی کر لیا گیا اور اس طرح ربیع الاوّل ۳۱۶ھ/مئی ۹۲۸ء میں علی کو برطرف کیا گیا اور اس کی جگہ ابن مُقلَہ [رکّ بآں] کا تقرّر ہو گیا۔ بعد میں خلیفہ الرّاضی نے اسے دو مرتبہ وزارت پیش کی: پہلی مرتبہ تو اپنی تخت نشینی کے فورًا بعد اور دوسری بار ۳۲۴ھ/۹۳۶ء میں۔ چونکہ دونوں موقعوں پر اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اس لیے یہ عہدہ پہلے ابن مُقلَہ اور پھر علی کے بھائی عبدالرحمٰن کو دیا گیا۔ علی بن عیسٰی نے ذوالحجہ ۳۳۴ھ/جولائی۔اگست ۹۴۶ء میں داعیِ اجل کو لبّیک کہا۔

مآخذ: (۱) ہلال الصّابئ: کتاب الوُزراء، (طبع Amedroz)، ص ۲۸۱-۳۶۴؛ (۲) یاقوت: اِرشادُالاَرِیب (طبع مرجلیوث Margoliouth)، ۵: ۲۷۷-۲۸۰؛ (۳) ابن الطِّقطقی: الفَخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۶۴-۳۶۶؛ (۴) طَبَری، ۳: ۲۱۹۰ بعد؛ (۵) عَریب (طبع ڈخویہ de Geoje)، مواضع کثیرہ؛ (۶) ابن الاثیر (طبع Tornberg)، ج ۸، بہ امداد فہرست؛ (۷) ابن خَلدُون: عِبَر، ۳: ۳۵۹ بعد؛ (۸) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۲: ۵۴۴ بعد؛ (۹) Müller: *Der Islam im Margen-und Abendland*، ۱: ۵۳۳؛ [(۱۰) ابن کثیر: البدایة والنہایة، ۱۱: ۵۴؛ (۱۱) ابن العماد: شذرات الذہب، ۲: ۳۳۶].

(K.V. ZETTERSTÉEN)

✱ **ابن الجَزَری:** شمس الدّین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجَزَرِی، ایک عرب عالمِ دین، جسے علمِ قراءت پر سند تسلیم کیا گیا ہے اور جو ۲۵ رمضان [المبارک] ۷۵۱ھ/۳۰ نومبر۔یکم دسمبر ۱۳۵۰ء کو جمعے اور ہفتے کی درمیانی رات میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ [اس کے والد کے ہاں چالیس برس تک کوئی اولاد نہ ہوئی پھر ابوالخیر پیدا ہوا۔ اسے جزیرہ ابن عمر کی طرف نسبت کی وجہ سے ابن جزری کہتے ہیں۔ الضوء اللامع]۔ ۷۶۳ھ/ ۱۳۶۳ء میں اس نے قرآن [پاک] حفظ کر لیا اور اس سے اگلے سال وہ اس کی بعض آیات نماز میں پڑھ کر سنا سکتا تھا۔ کچھ وقت حدیث پر صرف کرنے کے بعد اس نے ۷۶۸ھ/ ۱۳۶۶-۱۳۶۷ء میں قرآن [پاک] کی مختلف قراءتوں کا مطالعہ کیا اور ۷۶۸ھ/ ۱۳۶۷ء میں سات قراءتوں پر عبور حاصل کر لیا۔ اسی سال اس نے مکّہ [معظّمہ] کا حج کیا اس کے بعد وہ قاہرہ چلا گیا، جہاں ۷۶۹ھ/ ۱۳۶۷-۱۳۶۸ء تک اس نے قرآن [مجید] کی تیرہ قراءتوں پر کامل دسترس حاصل کر لی۔ دمشق واپس آ کر اس نے اپنی پوری توجّہ حدیث اور فقہ کے مطالعے پر مرکوز کر دی اور الدِمیاطی کے دو شاگردوں الاَبَرْقُوہی اور الاَسْنَوِی سے استفادہ کیا۔ علم البلاغت اور اصولِ فقہ کا مطالعہ کرنے کے لیے وہ ایک بار پھر قاہرہ گیا اور ابن عبدالسلام کے تلامذہ کا درس سننے کے لیے وہاں سے اسکندریہ پہنچا۔ ۷۴۴ھ/ ۱۳۴۳ء میں اسے ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر سے، ۷۷۸ھ/ ۱۳۷۶ء میں ضیاءالدّین سے اور ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۳ء میں شیخ الاسلام البُلقینی کی طرف سے فتوٰی دینے کی اجازت ملی۔

کچھ عرصہ قراءت کی تعلیم دینے کے بعد اسے ۷۹۳ھ/ ۱۳۹۰-۱۳۹۱ء میں دمشق کا قاضی مقرّر کر دیا گیا، لیکن جب ۷۹۸ھ/ ۱۳۹۵ء میں مصر میں اس کی جائداد ضبط کر لی گئی تو وہ سلطان بایزید بن عثمان کے دربار میں بروسہ چلا گیا۔ انقرہ کی لڑائی (اواخر ۸۰۴ھ/ ۱۴۰۲ء) کے بعد اسے تیمور نے ماوراء النّہر کے علاقے میں کَش میں بھیج دیا اور بعد ازاں اسے سمرقند منتقل کر دیا گیا، جہاں وہ درسِ عام دیتا رہا اور شریف الجُرجانی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ تیمور کی وفات [شعبان ۸۰۷ھ/ فروری ۱۴۰۵ء] کے بعد ابن الجَزَری خراسان چلا گیا، وہاں سے ہرات، یزد اور اصفہان گیا اور آخر کار شیراز میں مقیم ہوا۔ یہاں وہ کچھ عرصے تک

درس دیتا رہا اور بالآخر پیر محمد نے اس کی مرضی کے خلاف اسے قاضی مقرّر کر دیا۔ وہاں سے وہ بصرے، پھر مکّے اور مدینے گیا (۸۲۳ھ/ ۱۴۲۰ء)۔ ان شہروں میں چند سال ٹھیرنے کے بعد وہ شیراز چلا آیا، جہاں ۹ ربیع الاول ۸۳۳ھ/ ۲ دسمبر ۱۴۲۹ء کو جمعے کے دن اس کا انتقال ہوگیا۔ [اس کے اساتذہ میں دمیاطی، ابن امیلہ، عبدالوہاب بن سلام، عماد ابن کثیر، بُلقِینی، اور الاَسْنَوِی کے نام ملتے ہیں].

ابن الجَزَرِی مندرجۂ ذیل کتابوں کا مصنّف ہے: (۱) کتاب النشْر فِی قراءات العَشْر (برلن شمارہ ۶۵۷؛ اِسکوریال Escurial، Derenbourg: *Les arab. mss.*، شمارہ ۱۲۹، قسطنطینیہ نورِ عثمانیہ، شمارہ ۹۷؛ فہرست کتب خانۂ خدیویہ، ۱:۷ ۱۱؛ تونس مکتبہ عبدلیہ، ۱:۶ ۱۷) [اس کا اردو ترجمہ، موسوم بہ توضیح النشر، از قاری عبداللّٰہ، مرادآباد]؛ (۲) تحبیر التیْسیر فی القراءات، قرآن کی قراءتوں پر الدّانی کی کتاب تیسیر پر تبصرہ (فہرست کتب خانۂ خدیویہ، ۱:۹۲؛ برلن، شمارہ ۵۰۰؛ قسطنطینیہ، نورِ عثمانیہ، شمارہ ۶۰)؛ (۳) طَیِّبَۃ النَشْر فی قراءات العَشْر، قرآن [مجید] کی تلاوت کے دس مختلف طریقوں پر ایک سو رجزیہ اشعار کی نظم، جو شعبان ۷۹۹ھ/ مئی ۱۳۹۶ء میں مکمّل ہوئی (قاہرہ ۱۲۸۲-۱۳۰۷ھ)؛ [انھوں نے یہ کتاب اپنی کتاب النشر سے نظم کی تھی؛ اردو ترجمہ از قاری عبداللّٰہ، مطبوعہ مرادآباد، تاریخ طبع ندارد]؛ (۴) الدرّۃ المُضیئۃ فی قراءات الائمۃ الثلاثۃ المرضیّۃ، بحر طویل میں ۲۴۱ اشعار کی ایک نظم، جو ۸۲۳ھ/ ۱۴۲۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، قاہرہ ۱۲۸۵ھ، ۱۳۰۸ھ؛ (۵) ہدایۃ (یا غایۃ) المَہَرۃ فی زیادۃ العَشَرۃ، اسی موضوع پر ایک اَور نظم، (آیا صوفیا، شمارہ ۳۹)؛ (۶) مُنْجِد المُقرِبین و مرشد الطالبین، اسی موضوع پر سات ابواب کا ایک مختصر رسالہ (برلن، شمارہ ۶۵۶)؛ (۷) قرآن [پاک] کی قراءت کے چالیس مشکل مسائل پر بحر طویل میں ۴۱ اشعار کا ایک لامیہ قصیدہ (برلن، شمارہ ۵۲۶)؛ (۸) المقدّمۃ الجَزَریۃ [یا فیما یجب علی القاری ان یعلمہ] قرآن [کریم] کی تلاوت پر بحر رجز میں ۱۱۰ اشعار کا ایک قصیدہ (قاہرہ ۱۲۸۲ھ، ۱۳۰۷ھ)؛ (۹) التَمْہِید فی علمِ التّجوید، تلاوت قرآن پر ایک رسالہ، جو ۷۶۹ھ/ ۱۳۶۷ء میں مکمّل ہوا (مکتبۂ اہلیۂ پیرس (Paris Bibl. Nat)، شمارہ ۵۹۲، ii)؛ (۱۰) کفایۃُ الالمعی فِی آیۃ یا اَرْضُ ابْلَعِی، قرآن کی سورۃ ہود (۱۱): ۴۶ کی تلاوت کے مختلف طریقوں پر ہے (فہرست کتب خانۂ خدیویہ، ۷:۸ ۵۷)؛ (۱۱) مختصر طبقات القرّاء المسمّٰی بغایۃ النہایۃ، مصنّف نے ایک ہی موضوع پر جو کتابیں تالیف کیں ان میں سے یہ مختصر تر ہے (قسطنطینیہ، نورِ عثمانیہ، شمارہ ۸۵)؛ (۱۲) مقدّمۃ علم الحدیث، مصطلحاتِ حدیث پر ایک کتاب (برلن، شمارہ ۱۰۸۴)؛ (۱۳) الہدایۃ الٰی معالم الروایۃ، تلاوت قرآن کی اُس روایت پر بحر رجز میں ۳۷۰ اشعار کی ایک نظم جسے قرآن پڑھنے والوں نے قائم رکھا ہے (اِسکوریال Casiri Escurial، شمارہ ۱۷۸۶، ۱۸۰۸)؛ (۱۴) عقد اللآلیِ فی الاحادِیثِ المُسَلْسَلۃِ العَوالی، شیراز میں ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء میں مکمّل ہوئی (مکتبۂ اہلیۂ پیرس، شمارہ ۴۵۷۷، جلد ۳؛ اسی قسم کی ایک کتاب شمارہ ۴۵۷۷، ج ۴ میں بھی موجود ہے)؛ (۱۵) الرّسالۃ البیانیۃ فی حقّ ابوی النّبی، آنحضرت [صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم] کے والدین کے اسلام لانے پر ایک رسالہ (برلن، شمارہ ۱۰۳۴۳)؛ (۱۶) اَلْمَوْلِد الکبیر، آنحضرت [صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم] کی حیاتِ طیبہ پر ایک رسالہ *Brit. Mus. Suppl.*، شمارہ ۵۱۵)؛ (۱۷) ذات الشفاء فی سیرۃ النبی و الخلفاء، آنحضرت [صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم] اور خلفاے [راشدین] کی سیرت پر بحر رجز میں ایک نظم، جس میں مختصر طور پر بایزید کے عہدِ حکومت اور ترکوں کی طرف سے قسطنطینیہ کے محاصرے تک تاریخ اسلام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، پیر محمد سلطان شیراز کی خواہش پر لکھی گئی اور ۲۵ ذی الحجہ ۷۹۸ھ/ ۳۰ ستمبر ۱۳۹۵-۱۳۹۶ء کو مکمّل ہوئی (مخطوطات در براکلمان)؛ (۱۸) الحِصْن الحَصِیْن من کلام سیّد المُرسَلِین، ادعیہ میں پڑھنے کے لیے احادیث کا مجموعہ ([چاپ سنگی، مصر ۱۲۷۷ھ]؛ قاہرہ ۱۲۷۹ھ، ۱۳۱۵ھ؛ الجزائر ۱۳۲۸ھ؛ [بولاق ۱۳۲۰ھ؛ متن مع ترجمہ از عبدالعلیم نوال، مطبع اصحّ المطابع، کراچی، تاریخ طبع ندارد])؛ (۱۹) مختصر النصیحۃ بالادلّۃ الصحیحۃ، اخلاق پر ایک رسالہ، جو متونِ حدیث پر مبنی ہے (فہرستِ کتاب خانۂ خدیویہ: ۵۶۴)؛ (۲۰) الزہر الفائح، نیکی و پاک بازی کی تلقین میں (قاہرہ ۱۳۰۵ھ، ۱۳۱۰ھ [۱۳۱۳ھ])؛ (۲۱) الاصابۃ فی لوازم الکتابۃ، خطاطی پر ایک مختصر رسالہ (برلن، شمارہ ۶)؛ (۲۲) ہیئت پر بحر رجز میں ۱۵۲ اشعار (برلن، شمارہ ۸۱۵۹، iii).

مآخذ: طاش کوپروزادہ: الشقائق النعمانیہ فی علماء دولۃ العثمانیۃ (ابن خَلِّکان کی وَفَیات کے حاشیے پر، قاہرہ ۱۳۱۰ھ)، ۱:۳۹؛ (۲) السیوطی: طَبَقات الحُفّاظ، xxiv، شمارہ ۵ (۳) محمد عبدالحی لکھنوی: الفوائد البہیّہ فی تراجم الحنفیۃ (قاہرہ ۱۳۲۴ھ)، ص ۱۴۰: حاشیہ ۱؛ (۴) وُسْٹنْفِلْٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der Araber*، شمارہ ۴۷۴؛ (۵) *JA*، سلسلہ ۹، ۳: ۲۵۹؛ (۶) براکلمان (Brockelmann)، ۲:۲۰۱ ببعد؛ [تکملہ، ۲: ۲۷۴]؛ (۷) ہوآر (Huart): *Arab. Lit*، لنڈن ۱۹۰۳ء، ص ۳۵۶، [(۸) ابن تغری بردی: المنہل الصافی، ۳: ۲۸۷؛ (۹) طاش کوپروزادہ: مفتاح السعادۃ، حیدرآباد ۱۳۲۸ھ، ۱: ۳۹۲، ۳۹۴؛ (۱۰) صدیق حسن خان: اتحاف النبلاء، ص ۳۹۱، کان پور ۱۲۸۹ھ؛ (۱۱) ابن العماد، شذرات الذہب، ۷: ۲۰۴-۲۰۶؛ (۱۲) السخاوی: الضوء اللامع، ۹: ۲۵۵-۲۶۰؛ (۱۳) شاہ عبدالعزیز: بُسْتان المُحدِّثِین، ص ۸۶ ببعد؛ (۱۴) الزِّرِکْلی: الاعلام، ۳:۸ ۹۷].

(محمد بن شنب)

✱ اِبْن جزلہ: شَرَفُ الدّین ابوعلی یحیٰی بن عیسٰی البغدادی، جو یورپ میں بِن گِسْلَہ (Ben Gesla) کے نام سے معروف ہے۔ وہ دراصل عیسائی تھا، لیکن

اپنے معتزلی مُعلّم کے اثر سے ۱۱ جُمادی الأخرٰی ۴۶۶ھ/۱۱ فروری ۱۰۷۴ء کو مسلمان ہوگیا۔ اس کی خوش نویسی کی وجہ سے بغداد کے حنفی قاضی نے اسے اپنا نقل نویس مقرّر کیا تھا۔ اس نے خلیفہ المُقتدی کے طبیب سعید بن ہبۃ اللہ سے طبّ کی تعلیم پائی۔ وہ بغداد کے محلّۂ کَرخ میں رہتا تھا اور وہاں کے لوگوں اور اپنے جاننے والوں کو نہ صرف بلا معاوضہ اپنی خدمات سے مستفید کرتا تھا بلکہ ان کے لیے دوائیں بھی فراہم کر دیتا تھا۔ وہ شعبان ۴۹۳ھ/جون ۱۱۰۰ء میں فوت ہوا۔ اس کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف تَقْوِیمُ الابْدان فی تَدْبِیر الانسان ہے، جس میں امراض کو جدولوں میں اسی ترتیب سے لکھا گیا ہے جس طرح ستاروں کے نام تقویماتِ فلکی میں لکھے جاتے ہیں اور جس کا ایک لاطینی ترجمہ ۱۵۳۲ء میں شٹراس بورگ (Strassburg) میں چھپا تھا، نیز اس نے حروفِ تہجّی کے اعتبار سے جڑی بوٹیوں اور دواؤں کی ایک فہرست مِنْہَاج البیان فیما یَسْتَعْمِلُہُ الانسان کے نام سے خلیفہ المقتدی کے لیے مرتّب کی۔ [اس کے علاوہ اس نے عیسائیت کے ردّ میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ [اس کی ایک کتاب مختار مختصر تاریخ بغداد بھی ہے]۔ وہ شعر بھی کہتا تھا۔

مآخذ: ابن ابی اُصَیبِعَہ (طبع Müller) ۱: ۲۵۵؛ (۲) ابنُ القِفطی: تأریخ الحُکماء (طبع Lippert)، ص ۳۶۵؛ (۳) ابن خَلِّکان، (طبع Wüstenfeld)، عدد ۸۲۲؛ (۴) وُسٹنفِلٹ (Wüstenfeld): *Geschichte d. arab. Aerzte u. Naturforscher*، ص۸۶؛ (۵) Leclerc: *Histoire de la médicine arabe*، ۱: ۴۹۳ بعد؛ (۶) Steinschneider: *Polem. und apologet. Litt.*، ص ۵۷؛ (۷) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۸۵؛ قب ۲: ۷۰۵ [تکملہ، ۱: ۸۸۷؛ (۸) ابن العبری: *Chron.*، ص ۲۶۶ بعد].

(T. H. WEIR)

----

* **ابن جَماعۃ**: علما کے ایک خاندان کا نام جو جَماعۃ سے تعلّق رکھتا تھا اور جس کے مختلف افراد کا ذکر صرف اسی نام (ابن جَماعۃ) سے کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ اکثر ایک دوسرے سے ملتبس ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) بدر الدّین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم الکِنانی الحَمَوی، ایک عرب فقیہ جو [ربیع الآخر] ۶۳۹ھ/[اکتوبر] ۱۲۴۱ء میں [حماۃ میں] پیدا اور [۲۱ جمادی الاولی] ۷۳۳ھ/[۸ فروری] ۱۳۳۳ء کو فوت ہوا [اور امام شافعی کے مزار کے قریب دفن کیا گیا]۔ اس نے دمشق میں تعلیم پائی اور بعد میں وہاں مدرّس ہوگیا۔ ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں وہ یروشلم کا قاضی مقرّر ہوا، ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء میں قاہرہ کا قاضی القضاۃ ہوا اور ۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء میں دمشق کا قاضی القضاۃ - ۷۰۲ سے ۷۲۷ھ/۱۳۰۲ سے ۱۳۲۷ء تک، ایک مختصر سے وقفے کے سوا، وہ دوسری بار قاہرہ میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر متمکّن رہا۔ اس کے فرائضِ منصبی اسے متعدّد مدرسوں میں درس دینے اور ادبی کام کرنے میں مانع نہیں ہوئے۔ آئینی قانون پر اس کی سب سے اہم تصنیف تحریر الاَحْکام فی تدبیر اھلِ [یاملۃ] الاسلام ہے، جس کی بابت قب von. Kremer: *Culturgesch. des Orients*، ۱: ۴۰۳ بعد؛ حاجی خلیفہ، ۲: ۲۱؛ نیز Flügel: *Cat. Wiener Hofbibliothek*، شمارہ ۱۸۳۹ میں ایک غلطی کی وجہ سے براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۹۴، نے اس تصنیف کو ذیل کے عدد (۴) سے منسوب کر دیا ہے اگرچہ ۲: ۷۵ [و تکملہ، ۲: ۸۱] پر اس نے اسے صحیح طور پر منسوب کیا ہے (صرف کتاب کے نام میں ایک ذرا سی تبدیلی کے ساتھ۔ یہ نام اس نے Ahlwardt, Cod. Berol.، شمارہ ۵۶۱۳ سے اخذ کیا ہے)۔ [اس کی ایک اَور تالیف تذکرۃ السّامِع و المُتکلّم فی اَدَبِ العَالِم و المُتَعلِّم، جو تعلیم و تربیت کے متعلّق ہے، حیدرآباد دکن سے ۱۳۵۳ھ میں شائع ہو چکی ہے]۔ ابن جماعۃ [کے حالات اور اس] کی دوسری تصانیف کے لیے دیکھیے: (۱) براکلمان [۲: ۹۴؛ تکملہ، ۲: ۸۰ بعد؛ (۲) ابن العماد: شذرات الذَّھَب، ۶: ۱۰۵ بعد؛ (۳) یافعی: مرآۃ الجنان، ۴: ۲۸۷؛ (۴) ابن شاکر: فوات، ۲: ۱۷۴؛ (۵) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۳: ۲۸۰، ۲۸۳؛ (۶) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ، ۱۴: ۱۶۳].

(۲) ابو عمر عبدالعزیز، عزّ الدین (جس کے متعلّق صحیح طور پر معلوم ہے کہ وہ سابق الذکر کا بیٹا تھا) [محرّم] ۶۹۴ھ/[نومبر - دسمبر] ۱۲۹۴ء میں دمشق میں پیدا ہوا اور بڑا ہو کر مصر اور شام کا قاضی القضاۃ بنا لیکن جب ۷۶۵ھ/۱۳۶۴ء میں دمشق میں اس کے نمائندے کا انتقال ہو گیا تو اس نے اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا اور قاہرہ میں مدرّس ہو گیا۔ ۷۶۷ھ/۱۳۶۶ء میں وہ حج کے لیے مکّے گیا اور اسی اثنا (جمادی الاخرٰی) میں فوت ہو گیا۔ اس کی تصانیف [اور حالات] کے متعلّق قب (۱) براکلمان، ۲: ۷۲ [و تکملہ، ۲: ۷۸] اور وہ حوالے جو وہاں درج ہیں؛ [نیز دیکھیے: (۲) ابن العماد: شذرات الذھب، ۶: ۲۰۸؛ (۳) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۲: ۳۷۸، ۳۸۲؛ (۴) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ، ۱۴: ۳۱۹].

(۳) ابراہیم بن عبدالرحمٰن، برہان الدّین؛ شمارہ (۱) کا پوتا، ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے پیدائشی شہر اور دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ ۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء میں یروشلم میں خطیب ہو گیا، پھر مصر کا قاضی القضاۃ اور مدرسۂ صلاحیہ میں مُدرّس رہا لیکن دوسرے سال یروشلم واپس آیا۔ ۷۸۱ھ/۱۳۷۹ء میں وہ دوبارہ قاہرہ کا قاضی القضاۃ ہو گیا اور آخر میں ۷۸۵ھ/۱۳۸۳ء میں دمشق کا قاضی مقرّر ہوا، جہاں ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں اس نے وفات پائی۔ قب (۱) براکلمان، ۲: ۱۱۲، [تکملہ، ۲: ۱۳۸؛ (۲) ابن العماد: شذرات الذھب، ۶: ۳۱۱؛ (۳) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۱: ۳۵ بعد].

(۴) (عزّ الدّین) ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر شمارہ (۲) کا پوتا، جو (ینبع میں) ۷۵۹ھ میں پیدا ہوا [لیکن قب شذرات، جہاں سن پیدائش ۷۴۹ھ دیا ہے]،

قاہرہ میں طبیب اور معلّم فلسفہ رہا اور ۸۱۹ھ/ ۱۴۱۶ء میں طاعون سے ہلاک ہوا، قبّ براکلمان: کتاب مذکور، ۲: ۹۴۔ اس نے عقائد سے متعلّق نظم بدءُ الاَمالی کی شرح لکھی تھی، قبّ براکلمان ۱: ۴۲۹[اس کی ایک کتاب حاشیة علی شرح الجار بردی علی الشافیة بھی ہے۔ زوال الترویح بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ اس نے صرف ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے اساتذہ میں القلانسی، العرضی، ابن خَلْدُون اور بُلْقِینی کے نام ملتے ہیں۔ اس نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ میں نے اس کی تالیفات کے اسما لکھے تو دو جزو (کراسین) میں سمائے۔ اس نے ایک خودنوشت سوانح عمری ضوءالشمس فی احوال النفس بھی لکھی تھی]۔

مآخذ: متن مادّہ کے مآخذ کے علاوہ [(۱) براکلمان: تکملہ، ۲: ۱۱۱؛ (۲) ابن العماد: شذرات الذهب، ۷: ۱۳۹ بعد؛ (۳) السیوطی: بغیة الوعاة، مصر ۱۳۲۶ھ، ص ۲۵؛ (۴) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۷۳۸]۔

----

* **ابن جِنّی**: ابوالفتح عثمان، جو ۳۰۰ھ سے کچھ پہلے موصل میں پیدا ہوا (Pröbster، ص x: تقریباً ۳۲۰ھ میں)، سلیمان بن فَہْد بن [احمد] الازدی (الموصلی) کے ایک یونانی غلام کا بیٹا تھا۔ ابوعلی الفارسی الفسوی بصری اس کا استاد تھا، جس کی صحبت میں وہ اس کی وفات تک مسلسل چالیس برس تک رہا، کچھ عرصے تو وہ حلب میں سیف الدّولہ کے دربار میں رہا اور کچھ مدّت ایران میں عضد الدّولہ کے دربار میں۔ یاقوت کے بیان کے مطابق وہ عضد الدّولہ اور اس کے جانشین کے دربار میں کاتب الانشاء کے عہدے پر مامور تھا۔ ان دونوں جگہوں میں المُتَنَبّی کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم رہے، جس کے ساتھ وہ نحوی مسائل پر اکثر گفتگو کیا کرتا تھا اور جس کے دیوان کی اس نے شرح [موسومہ النشر] بھی کی ہے۔ اس نے بعض دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا (Rescher، ص ۵ بعد)۔ [ابو علی] الفارسی کی وفات کے بعد بغداد میں ابن الجنّی نے اس کی جگہ لی اور وہیں [۲۸ صفر، قبّ تأریخ بغداد] ۳۹۲ھ/ [۱۶ جنوری] ۱۰۰۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے اپنی توجّہ خاص طور سے صرف ونحو پر مرکوز رکھی؛ چنانچہ علم تصریف پر اسے سب سے زیادہ مستند عالم مانا جاتا ہے۔ اس کا موقف کوفی اور بصری دبستانوں کے مابین تھا۔ اس کی مشہور ترین تصانیف حسبِ ذیل ہیں: (۱) کتاب سرّ الصناعة و اسرار البلاغة (عربی حروف علّت اور حروفِ صحیحہ پر) اور (۲) کتاب الخصائص فی علم اصول العربیة، علمِ لسان پر۔ بعض دوسری تصانیف کے علاوہ اس نے اشعار بھی کہے ہیں۔

مآخذ: (۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۲۵ بعد؛ [تکملہ، ۱: ۱۹۱]؛ (۲) G. Flügel: *Die Grammatischen Schulen der Araber*، ص ۲۴۸-۲۵۲؛ (۳) E. Pröbster: *Ibn Ginni's Kitdb al-Mugtaṣab in Leipziger Semitistische Studien*، ج ۱، جزو ۳، ۱۹۰۴ء؛ (۴) O. Rescher: *Studien über Ibn Ginni* (*Zeitschr. f. Assyriologie*، ۲۳ (۱۹۰۹ء): ۱-۵۴)؛ (۵) ابن خَلِّکان، وفیات الاَعْیان، طبع Wüstenfeld، ج ۴، شمارہ ۴۲۳؛ (۶) یاقوت: ارشاد الأریب (طبع وقفیۂ گب)، ۵: ۱۵-۳۲ (اس کی تصانیف کا ذکر ص ۲۹-۳۲ پر ہے) [طبع احمد فرید]، ۱۲: ۸۱ بعد؛ (۷) ابن کثیر: البدایة و النهایة، ۱۱: ۳۳۱؛ (۸) ابن العماد: شَذَرات الذَهَب، ۳: ۱۴۰؛ (۹) خطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۱۱: ۳۱۱؛ (۱۰) السیوطی: بغیة الوُعاة، ۳۲۲؛ (۱۱) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۴۶۶؛ (۱۲) طاش کوپروزادہ، مفتاح السعادة، ص ۱۱۴؛ (۱۳) ثعالبی: یتیمة الدهر، ۱: ۸۹؛ (۱۴) ابن الانباری: نزهة الالباء، ص ۴۰۶]۔

⊗ **ابن الجَوْزی**: عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابو الفرج (ابو الفضائل) جمال الدّین القرشی البکری الحنبلی البغدادی ([نواح] ۵۱۰ھ-۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶-۱۲۰۰ء) حنبلی مذہب کے مشہور فقیہ، بہت سی تصانیف کے مؤلّف اور عرب کے واعظ۔ [ان کا سلسلۂ نسب پندرہ پشتوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے]۔

ان کی نسبت "الجَوْزی" کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بظاہر درست ترین قول یہ ہے کہ یہ نسبت بصرے کے ایک محلّے جوزہ [جوز، در شَذَرات الذَهَب، مطبوعہ قاہرہ، ۴: ۳۳۰] کی طرف ہے اور ان کے ایک بزرگ جعفر اسی محلّے کے رہنے والے تھے ابن رجب الحنبلی: کتاب الذّیل علیٰ طَبَقاتِ الحَنابلہ [نسخہ کوپرولو، استانبول، شمارہ ۱۱۱۵، ورق ۱۳۰ الف؛ ابن العِماد: شَذَرات الذَهَب، محلّ مذکور؛ [مرآة الزمان، ص ۴۸۱]۔

ابن الجَوْزی کی پیدائش کا سال بھی مختلف فیہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خود ابن الجوزی کو بھی قطعی طور پر اپنا سنِ پیدائش معلوم نہ تھا اور جب اس بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو مبہم سا جواب دے دیتے تھے۔ بہرحال وہ ۵۰۸ھ اور ۵۱۷ھ کے درمیان پیدا ہوے ہوں گے (ابن رجب: کتاب مذکور، ورق ۱۳۱)۔ [سبط ابن جوزی نے ان کا سالِ پیدائش تقریباً ۵۱۰ھ دیا ہے۔ مرآة الزمان، ص ۴۸۳]۔

ابن الجَوْزی بغداد میں پیدا ہوے۔ بچپن ہی میں [جب کہ ان کی عمر تین سال کی تھی ان کے] والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ اور پھُپھی نے تعلیم و تربیت کی اور اپنے وقت کے مشاہیر علما کی خدمت میں انھیں لے گئیں۔ بظاہر فلسفہ اور علمِ کلام کے علاوہ باقی تمام علومِ متداولہ انھوں نے اکابر علما سے حاصل کیے۔ ان کے اساتذہ میں اٹھتّر بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے۔ فقہ، خلاف، جدل اور اصول خاص طور پر ابوبکر الدینوری (م ۵۳۷ھ) سے حاصل کیے (قبّ ابن رجب الحنبلی: کتاب الذّیل، طبع H. Laoust و سامی دہّان، دمشق ۱۹۵۱ء، از نشریات المعهد الفرنسی [Institut Francais] دمشق، ۱: ۲۲۸-۲۳۰) اور ادب و لغت میں بالخصوص ابو منصور الجوالیقی سے (م ۵۳۲ھ، رکّ ابن رجب الحنبلی: کتاب مذکور، ۱: ۲۴۴-۲۴۶، براکلمان، ۱: ۲۸۰؛ تکملہ، ۱: ۴۹۲) میں تاریخ وفات

۱۵ محرّم ۵۳۹ھ درج ہے)۔ چونکہ ان کے خاندان میں تانبے کی تجارت ہوتی تھی اس لیے قدیم اسما کو ضبط کرتے وقت ان کی نسبت الصفار بھی آئی ہے۔

ابن الجَوزی بہت تیز فہم شخص تھے، چنانچہ جب ان کے ایک استاد ابن الزَّاغونی (م ۵۲۷ھ، ابن رجب الحنبلی: کتاب مذکور، طبع مذکور، ۱:۲۱۶-۲۲۰) نے وفات پائی تو انھوں نے استاد کی مسندِ وعظ و تذکیر پر متمکّن ہونا چاہا، لیکن نوعمری کی وجہ سے یہ شرف انھیں حاصل نہ ہو سکا مگر اس کے بعد جب لوگوں نے ان کے وعظ کا نمونہ دیکھا تو انھیں جامع المنصور میں وعظ کرنے کی اجازت مل گئی۔ اب ابن الجوزی نے اپنی تحصیلِ علم کی سعی کو پہلے سے زیادہ تیز کر دیا۔ چونکہ ان کے نزدیک سب سے اچھی نافلہ عبادت تحصیلِ علم تھی، اس لیے زہد کی طرف چنداں مائل نہ تھے، بلکہ کھانے پینے اور خصوصًا ایسی غذاؤں کا اہتمام کرتے تھے جن سے قوّتِ حافظہ قوی ہو اور لباس پر بھی خاص توجّہ دیتے تھے۔

ابن الجوزی نے اپنے مواعظ کی بدولت، جن میں ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کے علم نے چار چاند لگا دیے تھے، بڑی شہرت پائی اور ابن ہُبَیرہ کی وزارت کے زمانے میں اس کے مقرّب اور منظورِ نظر رہے۔ المُستَنجِد باللہ ۵۵۵ھ میں خلیفہ ہوے تو بغداد کے دیگر مشائخ وعلماے بزرگ کے ساتھ ان کے لیے بھی ایک خلعت فاخرہ بھیجا گیا۔ خلیفہ المستضیٔ باللہ (۵۶۶-۵۷۵ھ) کے عہد میں بھی ان پر خاص نگاہِ کرم تھی، چنانچہ خلیفہ ہی کے نام پر انھوں نے اپنی کتاب المصباح المضیٔ فی دولۃ المستضیٔ لکھی۔ پھر ۵۶۸ھ میں، یعنی مصر میں فاطمیوں کا سلسلہ ختم ہو جانے اور خلیفہ عبّاسی کے نام کا خطبہ رائج ہونے کے بعد، انھوں نے ایک اور کتاب بنام النصر علی مصر لکھی اور اسے خلیفہ کی خدمت میں گزرانا۔ خلیفہ نے بہت سے انعام کے علاوہ انھیں باب الدَّرَب میں وعظ کہنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

خلفا اور وزرا کے ساتھ ابن الجوزی کے یہ تعلّقات کسبِ مال و زر یا کسی اَور حاجتِ دنیوی کے لیے نہ تھے، بلکہ علم و فضل میں ان کے مرتبے کا یہ طبعی نتیجہ تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے ایک فرزند ابوالقاسم کے لیے جو کتاب لِفتۃ الکبد فی نصیحۃ الوَلَد لکھی ہے (مخطوطۂ کتاب خانۂ فاتح، استانبول، شمارہ ۵۷۹۴، نیز مطبوعۂ قاہرہ ۱۳۴۹ھ)۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ کسبِ معاش کے لیے میں نے کبھی کسی امیر کی خوشامد نہیں کی۔

۵۷۰ھ میں ابن الجوزی نے بغداد کے دربِ دینار میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور وہاں درس دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی سال انھوں نے اپنے مواعظ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی پوری کر دی۔ عالمِ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مجالسِ وعظ میں پورے قرآن مجید کی تفسیر کی ہو (ابن رجب: مخطوطۂ مذکور، ورق ۱۳۳ الف)۔ یہ وہ وقت تھا کہ ابن الجوزی کی شہرت اوجِ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ خلیفۂ وقت صرف ان کے وعظ میں حاضر ہوتے تھے اور بغداد کے اکثر لوگ پابندی سے ان کی مجالسِ وعظ میں شرکت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پانچ ہزار سے دس ہزار تک لوگ تو ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وعظ کی محفلوں میں ایک لاکھ کا مجمع ہو جاتا تھا (ابن رجب: مخطوطۂ مذکور؛ ورق ۱۳۴ ب، ابن جُبَیر: رحلۃ، طبع دوم، ص ۲۲۰ و ۴)۔

ان کے مواعظ اس درجہ پُراثر ہوتے تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ خود انھوں نے بھی کتاب القُصّاص والمُذَکِّرین میں اس قول کی تصدیق کی ہے۔ یہود و نصارٰی میں سے بھی بیس ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مشرّف بہ اسلام ہوے۔

جیسا کہ اکثر مآخذ میں مذکور ہے کہ آخر عمر میں ابن الجوزی پر بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں۔ ان مصائب کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند کے مابین مخالفت ہو گئی تھی، اس لیے کہ ابن الجوزی ان کے والد ماجد کو نہ ماننے والوں میں سے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ اَور اثرات بھی کارفرما تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ابن الجوزی کو شہر واسط میں قید کر دیا گیا۔ اس قید و مشقت میں انھوں نے پانچ سال گزارے اور آخر ۵۹۵ھ میں خلیفۂ وقت کے حکم سے انھیں رہا کیا گیا (الیافعی: مرآۃ الزّمان و عِبرۃ الیَقْظان، حیدرآباد دکن ۱۳۳۸ھ، ۳:۴۷۷-۴۷۸)۔ اس کے بعد وہ بغداد تشریف لے آئے اور رمضان ۵۹۷ھ/ ۱۲۰۰ء میں مختصر سی علالت کے بعد وفات پائی۔ اس روز بغداد کی سب دکانیں بند رہیں اور تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن الجوزی کی بیشتر اور اہم فعالیت وعظ گوئی تھی۔ وہ اپنے مواعظ میں، چاہے وہ مساجد میں ہوں یا گھروں پر یا راہ چلتے، فی البدیہ ہوں یا باقاعدہ تیاری کر کے، ہمیشہ اپنے مذہب، یعنی مذہبِ حضرت امام احمد بن حنبلؒ، کی حمایت کرتے۔ اہلِ بدعت پر وہ اس سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتے کہ خود اُن کے ہم مذہبوں کو بارہا فتنے کا خوف ہوا اور انھوں نے اُن کو اس سخت روی سے باز رکھنا چاہا۔ یہی سبب ہے کہ انھوں نے (امام) غزالی کی کتاب احیاء علوم الدّین کو ضعیف احادیث سے پاک کر کے اس کا ایک نیا نسخہ تیار کیا۔

تصنیف و تالیف سے بھی ابن الجوزی کو غیر معمولی شغف تھا۔ وہ جس روانی سے وعظ کہتے تھے ایسی ہی تیزی سے لکھتے بھی تھے۔ خود کہتے ہیں کہ انھوں نے تین سو کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، اس لیے کثرتِ تالیفات کی بنا پر بھی اُن کی خاص شہرت ہے۔ ان کے وقت تک کسی مسلّم صاحبِ تصنیف نے اتنی تعداد میں کتابیں تصنیف نہیں کی تھیں۔ ان کتابوں کی یہ فہرست، جو خود ابن الجوزی نے مرتّب کی ہے، ابن رجب کی ذیل طَبَقات الحَنابلۃ میں مذکور ہے (مخطوطۂ مذکور، ورق ۱۳۵ ب-۱۳۸ ب) [سبط ابن الجوزی نے بھی مرآۃ الزّمان میں مضامین کی ترتیب سے ایک فہرست دی ہے۔ یہ فہرست کوئی اڑھائی سو کتب پر مشتمل ہے]۔ ان میں سے جو کتابیں آج موجود و معلوم ہیں ان کی تعداد سو کے قریب ہے (قب براکلمان، ۱:۵۰۱؛ تکملہ، ۱:۹۱۴ ببعد) اہم کتابیں حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) المُنْتَظَم فِي تأريخِ المُلُوكِ والأُمَم: یہ ایک عام تاریخ کی کتاب ہے اس کے ابتدائی ابواب میں ابن جریر الطبری کی تأریخ الرُّسُل و المُلُوک سے اختصار کیا گیا ہے۔ آخر کے حصے، جن میں ۵۷۳ھ/۷۷-۱۱۷۱ء تک کے واقعات ہیں، ابن الجوزی کے زمانے کے متعلق اصلی مآخذ میں شمار ہو سکتے ہیں اور ان میں بالخصوص سلجوقیانِ خراسان کے احوال اور عبّاسی خلفا کے ساتھ ان کے روابط کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ تاہم یہاں یہ بات بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس کتاب میں سیاسی اور عسکری واقعات سے بہت زیادہ تراجم احوال پر توجّہ دی گئی ہے، چنانچہ سال بسال بغداد میں جو واقعات رونما ہوے انھیں مجمل طور پر نقل کر کے ان لوگوں کے حالات لکھ دیے گئے ہیں جنھوں نے ان سالوں میں وفات پائی۔ خصوصًا محدّثین اور علما کے۔ اس طرح یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ المُنْتَظَم ایک حقیقی کتابِ تاریخ کی نسبت ۔ یعنی جس معنی میں مؤرّخینِ اسلام تاریخ کو سمجھتے تھے ۔ تراجم احوال کی ایک ایسی کتاب سے نزدیک تر ہے جسے سالوں کے اعتبار سے مرتّب کر دیا گیا ہو۔ اس کے قلمی نسخے حسبِ ذیل مقامات پر محفوظ ہیں: (۱) پیرس، کتاب خانۂ ملّی، بلوشہ: فہرست ذخیرۂ شیفر، شمارہ ۵۹۰۹؛ لنڈن، برٹش میوزیم، شمارہ .Add ۷۳۲۰؛ قبّ ایمد روز (Amedroz): *JRAS*، ۱۹۰۶ء، ص ۸۵۱؛ وہی مجلّہ، ۱۹۰۷ء، ص ۱۹ ببعد؛ قبّ وہی مجلّہ، ۱۹۰۴ء، ص ۲۷۳ ببعد؛ (۳) دمشق، حبیب زیات: خزائن الکتب فی دمشق ......، ص ۸۷، شمارہ ۶۲؛ (۴) استانبول، ہوروِٹز (Horovitz): *Mitt. Sem. Or. Spr.*، ۱۰: ۶؛ اس کتاب کو اس نسخے سے، جو آیا صوفیا (استانبول) کے کتب خانے میں مکمّل محفوظ ہے (شمارہ ۳۰۹۶) اور دنیا میں واحد مکمّل نسخہ ہے، نقل کر کے دس جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، حیدر آباد (دائرۃ المعارف العثمانیہ)، ۱۳۵۹-۱۳۵۵ھ۔

(۲) کتاب صِفَة [صَفْوَة، قبّ الذہبی: تذکرۃ الحفّاظ] الصفوۃ، چار جلدوں میں، مطبوعہ حیدر آباد دکن (دائرۃ المعارف العثمانیہ) ۱۳۵۵-۱۳۵۶ھ: یہ کتاب دراصل ابُونُعَیم اصفہانی کی کتاب حِلْيَةُ الأَولِياء کا تنقیدی خلاصہ ہے اور اس میں شہروں اور طبقات کے اعتبار سے صوفیہ کے تراجم احوال و اقوال جمع کر دیے گئے ہیں۔

(۳) تَلْبِيسُ اِبْلِيس (قاہرہ ۱۹۲۸ء): وعظ و نصیحت کی کتاب ہے۔ اس میں ابن الجوزی نے عوام النّاس کی ان حرکتوں کو جو شریعت اسلامی کے مطابق نہیں شیطان کی عیّاری کا نتیجہ قرار دیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ لوگوں کو ان حرکات سے روکیں۔ اس میں انھوں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ فلاسفہ، منکرانِ نبوّت، خوارج، باطنیوں اور بعض قسم کے صوفیوں کی غلطیاں ثابت کریں اور ان پر شدّت کے ساتھ حملے کیے ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں مختلف اسلامی فرقوں کی فکری اور اجتماعی تاریخ کی بابت بہت سی تاریخی معلومات فراہم ہو گئی ہیں۔ یہ کتاب ہر اعتبار سے نہایت عمدہ اور مفید ہے۔

(۴) کتاب الأَذْكِياء (قاہرہ ۱۳۰۴ھ و ۱۳۰۶ھ): اس کتاب کا آغاز ذہانت کی ماہیت کی وضاحت سے ہوتا ہے اور اس کے بعد معاشرے کے ہر طبقے کے ذہین لوگوں کی ذہانت کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں نقل کی گئی ہیں۔

(۵) کتاب الحثّ علی حِفْظِ العِلْمِ وذِكْرِ كِبار الحُفّاظ (مخطوطۂ کتب خانۂ کوپرولو، استانبول، شمارہ ۱۱۵۷/۲؛ نیز قبّ *GALS*، ۱: ۹۱۷، شمارہ ۸۷): اس کتاب میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے حفظ کرنے کے فوائد پر بحث کی گئی ہے۔ ابن الجوزی کا دعوٰی ہے کہ اقوام اسلامیہ نے اپنی دینی کتابوں کے حفظ کرنے کی وجہ ہی سے دوسری قوموں پر فوقیّت حاصل کی۔ پھر انھوں نے ان مادّی اور باطنی اسباب و ذرائع سے بحث کی ہے جو حفظ کرنے کے لیے ضروری ہیں اور وہ غذائیں اور دوائیں بھی گنوائی ہیں جن سے قوّتِ حفظ بڑھتی ہے۔ آخر میں بڑے بڑے حُفّاظ کے بارے میں بہ ترتیب حروفِ ہجا مختصر معلومات بھی دی ہیں۔

(۶) کتاب الحمقٰی و المُغَفَّلِين (طبع دمشق ۱۳۴۵ھ، مخطوطہ کتب خانۂ شہید علی پاشا؛ استانبول، شمارہ ۲۱۴۰؛ قبّ *GALS*، ۱: ۹۱۶): اس کتاب میں حماقت اور احمقوں کی حکایتوں سے بحث کی گئی ہے۔

(۷) المَوْضُوعاتُ الكُبْرٰی من الاحادیث المرفوعات (رکّ بہ *GALS*، ۱: ۹۱۷، شمارہ ۲۶): اس کا موضوع نقدِ حدیث ہے اور اس میں وہ احادیث مذکور ہیں جو لوگوں نے مختلف مسائل کے متعلّق وضع کر لی ہیں۔ یہ چار جلدوں کی ضخیم کتاب ہے۔

(۸) ذمّ الهَوٰی (قبّ *GALS* محلّ مذکور، شمارہ ۲۰): اس کتاب میں ہوا و ہوس اور عشق کی مضرّتیں بیان کی گئی ہیں اور ان سے چھٹکارا پانے کی ترکیبوں سے بھی بحث کی گئی ہے۔

(۹) کتاب القُصّاص و المُذَكِّرِين (قبّ *GALS*، شمارہ ۱: ۵۰۳، شمارہ ۱۰): یہ کتاب ابن الجوزی کی نفیس ترین اور مفید ترین تصانیف میں سے ہے۔ اس میں مشہور مذہبی داستان گویوں کا ذکر ہے اور انھوں نے جو بے اصل اور مضحکہ خیز روایتیں گڑھ لی ہیں ان پر بحث کی گئی ہے۔ مثلًا ایک دن ایک قصّہ گو نے مسندِ وعظ پر کہا کہ جس بھیڑیے نے یوسفؑ کو کھا لیا تھا اس کا یہ نام تھا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ یوسفؑ کو تو کسی بھیڑیے نے نہیں کھایا تھا۔ اس پر وہ قصّہ گو فورًا بولا جس بھیڑیے نے یوسفؑ کو نہیں کھایا تھا اس کا نام یہ تھا۔ اس کتاب کی اس اعتبار سے خاصی اہمیّت ہے کہ اس میں ان کے زمانے کی تمام خرافات اور بے بنیاد عقائد شرعی کی وضاحت کی گئی ہے، جن میں سے اکثر اب تک عوام میں مشہور چلے آتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابن الجوزی کے وعظ اور خطبوں کی بعض ایسی کتابوں کے نام بھی دے دیے جائیں جو اپنے اسلوب کی رُو سے خاص اہمیّت رکھتی ہیں اور جن سے اس میدان میں ان کی مساعی پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

(۱) کتاب عجبُ الخُطَب (مخطوطۂ کتاب خانۂ فاتح، استانبول، شمارہ

۵۲۹۵/۴): اس میں تیس خطبے ہیں۔ پہلے خطبے میں سجع کا قافیہ حرف ''الف''، دوسرے میں ''ب''، تیسرے میں ''ج'' الخ ہے۔ آخری خطبے میں صرف وہ کلمات استعمال کیے گئے ہیں جن کے حروف بے نقط ہیں۔

(۲) کتاب الیاقوتة [فی الوعظ یا یاقوتة الواعظ و الموعظة، قب کشف الظنون؛ عثمان اطہری کی رونق المجالس کے ساتھ چھپ چکی ہے] (قب *GALS*، ۱: ۹۱۹، شمارہ ۴۷): اس میں وہ خطبے ہیں جو بطور نمونہ مرتب کیے گئے۔

(۳) النُّطق المَفْہُوم من اھلِ الصَّمت المَعْلُوْم (قب *GALS*، شمارہ ۲۲): اس کتاب میں وہ درس مذکور ہیں جو نباتات، جمادات اور حیوانات ہمیں زبان حال سے دیتے ہیں۔ اس ضمن میں قصصِ دینی اور احادیثِ نبویہ کا بھی ذکر ہے۔

[ابن الجوزی کی حسبِ ذیل کتب بھی طبع ہو چکی ہیں: (۴) اخبار اھل الرسوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، ابن حجر کی مراتب المدلّسین کے ساتھ، مصر ۱۳۲۲ھ؛ (۵) کتاب الاذکیاء، مصر ۱۳۰۴ھ؛ (۶) تلقیح فھوم اھل الآثار فی مختصر السیر و الاخبار: اس کتاب کا ایک حصہ لائڈن۔ بروسیلز میں چھپ چکا ہے، ۱۸۹۲ء طبع براکلمان؛ (۷) تنبیه النائم الغمر علی (حفظ) مواسم العمر؛ (۸) روح الارواح، مصر ۱۳۰۹ھ؛ (۹) رؤس القواریر فی الخطب و المحاضرات و الوعظ و التذکیر، مصر ۱۳۳۲ھ؛ (۱۰) سیرة عمر بن عبدالعزیز، مصر ۱۳۳۱ھ؛ (۱۱) مناقب عمر بن عبدالعزیز، طبع بیکر (C. H. Becker)، لائپزگ۔ برلن ۱۸۹۹۔۱۹۰۰ء؛ (۱۲) ملتقط الحکایات، مختصر رونق المجالس کے حاشیے پر چھپ چکی ہے، ۱۳۰۹ھ؛ (۱۳) مولد النبی، چاپ سنگی، مصر ۱۳۰۰ھ، بیروت ۱۳۳۰ھ؛ (۱۴) الوفاء فی فضائل المصطفٰی، طبع براکلمان]۔

اگر یہ مطلوب ہو کہ عربی ادب میں ابن الجوزی کا مقام مجملاً معیّن کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ خطبہء وعظ میں وہ بے نظیر ہیں۔ اس موضوع پر ان کی تمام تصانیف ہمارے اس قول پر گواہ ہیں کہ یہ خطبے اور مواعظ زبان و اسلوب کے اعتبار سے مقاماتِ حریری سے مشابہ ہیں، کیونکہ مصنّف سب صنائع لفظی کو با آسانی استعمال کرتا ہے اور اس کے کلام میں تکلّف نام کو نہیں۔ اس خوبی کے علاوہ ان مواعظ میں وہ ایسی حکایتیں لاتے ہیں جو دینی اور اخلاقی نصیحتوں کو خوشنما و خوشگوار بنا دیتی ہیں اور ان کے مطالعے سے آدمی تھکتا نہیں۔ لیکن ابن الجوزی کی دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں۔ بعض علما کے نزدیک ان کی تمام تصانیف لائق ستائش ہیں، تاہم خود ابن الجوزی معترف ہیں کہ ان علوم میں وہ مصنّف نہیں ہیں، صرف مرتّب ہیں (ابن رجب: ذیل، مخطوطہ مذکور، ورق ۱۳۵ ب)۔ یہی وجہ ہے کہ خود ان کے ہم مذہبوں نے ان کی کتابوں پر تنقید کی ہے اور ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ ابن الجوزی کو احادیث و آثار پر عبور حاصل ہے تاہم وہ متکلّمین کی مشکلوں کا حل نہیں جانتے تھے؛ لیکن یہ بات کہنا ضروری ہے کہ یہ تنقید ان کی ان تصانیف کے متعلق ہے جن کا موضوع علمِ حدیث ہے، ورنہ ان کی دوسری کتابیں بہت اچھے انداز میں لکھی ہوئی ہیں اور ان میں وسیع و کار آمد معلومات ہیں۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی یہ کتابیں اپنے موضوع میں اصل مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مآخذ: علاوہ ان کے جو متن مادّہ میں مذکور ہیں: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیاتُ الاَعْیان (بولاق ۱۲۹۹ھ)، ۱: ۳۵۰ بعد؛ (۲) الذہبی: طَبقات الحُفّاظ، طبع وُسْتِنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، ۳: ۴۵؛ (۳) الذہبی: تذکرة الحُفّاظ، مطبوعۂ حیدر آباد دکن، ۴: ۱۳۵-۱۴۱؛ (۴) الیافعی: مرآة الجنان، ۳: ۴۸۹-۴۹۱؛ (۵) السُّیوطی: طَبقاتُ المُفَسِّرین، ص ۱۷، شمارہ ۵۰؛ [(۶) ابن الجوزی، سبط: مرآة الزمان، حیدر آباد دکن ۱۹۵۲ء، ج ۸، حصہ ۲: ص ۴۸۱، ۵۲۴؛ (۷) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۴۲۷؛ (۸) طاش کوپروزادہ: مفتاح السعادة، ۱: ۲۶۰؛ (۹) ابن کثیر: البدایة و النهایة، ۱۳: ۲۸؛ (۱۰) ابن العماد: شَذَرات الذَّھَب، مصر ۱۳۵۰ھ، ۴: ۳۲۹؛ (۱۱) خیر الدین الزِرِکْلی: الاعلام، ۲: ۴۹۹]۔

(احمد آتش)

⊗ **ابن الجوزی، سِبط**: شمس الدین ابوالمظفّر یوسف بن قیز اوغلو (الصواب فرغلی؛ قب ابن خَلِّکان و شَذَرات)، مقدّم الذّکر ابو الفرج عبدالرحمٰن الجوزی کا نواسہ تھا۔ اس کا باپ قیز اوغلو وزیر ابن ہُبَیرہ [رک بآن] کا ایک ترکی غلام تھا، جسے بعد میں اس نے آزاد کر دیا۔ الزِرِکْلی نے لکھا ہے کہ غالبًا قیز اوغلو (جس کے معنی ہیں بھانجا) سبط ابن الجوزی کے باپ کا نہیں بلکہ خود سبط ابن الجوزی کا اپنا لقب تھا (الاعلام، ۳: ۱۱۸۳)۔ اس کی والدہ کا نام رابعہ تھا۔ سِبط ابن الجوزی ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں بمقام بغداد پیدا ہوا اور اس کی پرورش اس کے نانا نے کی۔ اس نے اپنے وطن ہی میں تعلیم حاصل کی۔ ۶۰۰ھ میں وہ سفر پر نکل کھڑا ہوا اور آخر کار دمشق میں مدرّس اور واعظ مقرّر ہو گیا اور وہیں ۲۰ ذوالحجہ ۶۸۴ھ/۱۷ فروری ۱۲۸۶ء کو اس کی وفات ہوئی۔ اس کی تدفین کے وقت سلطانِ شام، الملک الناصر موجود تھا۔ وہ ایک عالمگیر تاریخ مرآت الزمان فی تأریخ الاَعْیان کا مصنّف ہے۔ پوری کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی چالیس (قب ابن خَلِّکان) جلدیں تھیں اور اس میں آغاز آفرینش سے ۶۵۴ھ تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس کے آخری حصّے کی عکسی نقل، جو ۴۹۵-۶۵۴ھ کے واقعات پر مشتمل ہے، شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر جاوٹ (James Richard Jowett) نے شائع کر دی ہے (شکاگو ۱۹۰۷ء)۔ یہ حصّہ حیدر آباد (دکن) سے بھی دو جز میں ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء میں طبع ہو چکا ہے۔ شکاگو والی طباعت میں کتاب کو ابو الفرج الجوزی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جو درست نہیں اور خود اس کتاب کے ساتھ جو انگریزی زبان میں دیباچہ شامل ہے اس میں اس غلطی کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اس کتاب کے ۴۵۰ سے ۵۳۲ھ تک کے متعلق بعض اقتباسات (مع فرانسیسی ترجمہ از باربیا دی مینار) *Recueil des Historiens des Croisades*، درسلسلۂ *Historiens Orientaux*، ۳: ۶۵ بعد (پیرس ۱۸۷۲ء) میں

طبع ہو چکے ہیں۔ اس کی دوسری کتاب تذکرۃ خواص الامّۃ بذکر خصائص الائمّۃ (تہران ۱۲۸۵) ہے۔ ان کے علاوہ وہ بعض اور کتابوں کا بھی مصنّف ہے، جیسے تفسیر القرآن اور شرح جامع الکبیر۔

مآخذ: (۱) سُبکی: طَبَقات الشافعیة، ۵: ۹۸؛ (۲) ابن خلّکان: وَفَیات الاَعْیان، مصر ۱۲۹۹ھ تحت ترجمہ الوزیر یحیٰی بن ہُبیرہ، ۳: ۲۳۵؛ (۳) ابن العماد: شَذَرات الذَهَب، ۵: ۲۶۶؛ (۴) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادة، ۱: ۲۰۸؛ (۵) الزرِکلی: الاَعْلام، ۳: ۱۱۸۳؛ (۶) ابن قطلوبغا، عدد ۲۵۶؛ (۷) عبدالحیّ لکھنوی: الفوائد البهیة، ص ۲۳۰؛ (۸) براکلمان، ۱: ۳۴۷، تکملہ، ۱: ۵۸۹؛ (۹) آ، لائڈن۔

(عبدالمنّان عمر)

----

* **ابنِ جَہِیر:** چار وزیروں کا نام ہے:

(۱) فخر الدولہ [عمید الدولہ، قبّ ابن کثیر] ابو نصر محمد بن محمد بن جَہِیر [الثعلبی] ۳۹۸ھ/ ۱۰۰۷-۱۰۰۸ء [لیکن قبّ شذرات، جہاں اس کی پیدائش ۳۹۳ھ میں بتائی گئی ہے جو غالبًا درست نہیں] میں شہر موصل میں پیدا ہوا۔ ابتدا میں اس نے بنو عُقَیل کی ملازمت اختیار کی، جو ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء سے اس کے وطن میں برسرِ حکومت رہے تھے، لیکن جب عُقَیلی حکمران قریش بن بَدْران نے اسے قید میں ڈالنا چاہا تو وہ بھاگ کر حلب چلا گیا، جہاں مِرداسی معزّ الدولہ بن صالح نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے حلب کو خیر باد کہا اور دیار بکر کے امیر نصرُ الدولہ احمد بن مَرْوان کا وزیر مقرّر ہو گیا۔ ۴۵۳ھ/ ۱۰۶۱-۱۰۶۲ء میں امیر موصوف کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین نظام الدّین نے اسے اس عہدے پر بحال رکھا لیکن اس نے وہاں ٹھیرنے سے انکار کیا اور بغداد چلا گیا۔ یہاں دوسرے سال خلیفہ قائم نے اسے وزیر مقرّر کر دیا۔ ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۷-۱۰۶۸ء میں فخر الدّولہ کو برطرف کر دیا گیا لیکن صفر ۴۶۱ھ/ دسمبر ۱۰۶۸ء میں اسے دوبارہ اس عہدے پر مامور کر دیا گیا۔ خلیفہ القائم نے ۴۶۷ھ/ ۱۰۷۵ء میں وفات پائی اور اس کے جانشین المقتدی نے اس کے عہدۂ وزارت کی توثیق کی لیکن ۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸-۱۰۷۹ء میں اسے معزول کر دیا۔ ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳-۱۰۸۴ء میں سلجوقی سلطان نے فخر الدّولہ کو دیار بکر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ اس شہر کو مروانیوں سے چھین لے۔ اس پر دیار بکر کے حاکم منصور بن نصر نے عُقَیلی خاندان کے مسلم بن قریش سے اتّحاد کر لیا، تاہم مؤخّر الذّکر کو راہِ فرار اختیار کر کے آمد جانا پڑا، جہاں اسے اور منصور دونوں کو فخر الدّولہ نے محصور کر لیا۔ مسلم بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن چونکہ تقریبًا اسی وقت فخر الدّولہ کے بیٹے عمید الدّولہ نے موصل پر قبضہ کر لیا اس لیے مسلم کو صلح کی درخواست کرنا پڑی اور اس کے بعد جلد ہی اسے دوبارہ موصل کا والی بنا دیا گیا۔ اپنے ایک اور بیٹے زعیم الرؤساء کے آمد پر قابض ہو جانے کے بعد فخر الدّولہ نے مَیّافارِقین پر تسلّط جما لیا اور وہ دیار بکر کا والی مقرّر ہو گیا۔ عام روایت کے مطابق یہ واقعہ ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں ہوا۔ اُسے اس کے بعد جلد ہی موقوف کر دیا گیا لیکن ۴۸۲ھ/ ۱۰۸۹-۱۰۹۰ء میں ملک شاہ نے اسے موصل روانہ کیا، جس پر وہ متصرّف ہو گیا اور وہیں [رجب یا محرّم] ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء میں اس نے وفات پائی۔

مآخذ: ابن خلّکان (طبع Wüstenfeld، عدد ۷۱۱)، (ترجمۂ de Slane، ۳: ۲۸۰ بعد)؛ (۲) ابن الطِّقطَقی: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۹۴ بعد؛ (۳) ابن الاثیر، (طبع Tornberg)، ۱۰: ۱۱-۱۲۱؛ (۴) ابن خلدون: عِبَر، ۴: ۳۲۰ بعد؛ (۵) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۳: ۱۲۸-۱۳۲؛ (۶) Amedroz: *The Marwānid Dynasty at Mayyāfāriqīn*، در *J. R. A. S.*، ۱۹۱۳ء، ص ۱۳۶ بعد؛ [(۷) ابن کثیر: البدایة، ۱۲: ۱۳۶؛ (۸) ابن العماد: شذرات الذهب، ۳: ۳۶۹]۔

(۲) عمید الدّولہ ابو منصور محمد بن فخر الدّولہ بن جَہِیر، سابق الذّکر کا بیٹا، جو ۴۳۵ھ/ ۱۰۴۳-۱۰۴۴ء میں پیدا ہوا۔ ۴۶۲ھ/ ۱۰۶۹-۱۰۷۰ء میں نظام الملک وزیر کی ایک بیٹی [زبیدہ] سے اس کی شادی ہو گئی اور اس طرح حکمران سلجوق خاندان سے اس کے تعلّقات زیادہ قریبی ہو گئے۔ ۴۷۰ھ/ ۱۰۷۷-۱۰۷۸ء میں اس خاتون کی وفات کے بعد اس نے اس کی بھتیجی سے شادی کر لی اور صفر ۴۷۲ھ/ اگست ۱۰۷۹ء میں خلیفہ المقتدی نے نظام الملک کی درخواست پر اسے اپنا وزیر مقرّر کر دیا۔ ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳-۱۰۸۴ء میں اسے معزول کر دیا گیا لیکن ذوالحجّہ ۴۸۴ھ/ جنوری-فروری ۱۰۹۲ء میں وہ اپنے عہدے پر بحال ہو گیا اور نو سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ رمضان ۴۹۳ھ/ جولائی-اگست ۱۱۰۰ء میں اسے بَرْکیارُق کی مخالفانہ کوششوں کی وجہ سے دوبارہ معزولی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مؤخّر الذّکر نے اس پر دیار بکر اور موصل کے محاصل میں خیانت کا الزام لگایا، جہاں ملک شاہ کے وقت میں اس کا والد اور وہ برسرِ حکومت رہ چکے تھے، اور اس الزام میں اسے اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کروا دیا۔ عمید الدّولہ کو بہت بھاری تاوان ادا کرنا پڑا اور ۱۰ شوّال ۴۹۳ھ/ ۲۴ اگست ۱۱۰۰ء کو اس نے قید کی حالت میں زندگی سے چھٹکارا پایا۔

مآخذ: (۱) ابن الطِّقطَقی: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۹۹ بعد؛ (۲) ابن الاثیر (طبع Tornberg)، ۱۰: ۴۱-۲۰۳، دیکھیے نیز تحت الذکر عدد (۱)؛ [(۳) ابن کثیر: البدایة، ۱۲: ۱۵۹؛ (۴) ابن العماد: شذرات، ۳: ۳۶۹]۔

(۳) زعیم الرؤساء قوام الدّین ابو القاسم علی بن فخر الدّولہ بن جَہِیر، سابق الذّکر کا بھائی تھا۔ ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں زعیم الرؤساء نے آمِد کو فتح کیا (دیکھیے تحت عدد (۱)) اور جب مَیّافارقین پر بھی اس کے والد کا قبضہ ہو گیا تو مؤخّر الذّکر نے اسے مروانیوں سے چھینے ہوئے مالِ غنیمت کے ساتھ ملک شاہ کے پاس اصفہان بھیجا۔ شعبان ۴۹۶ھ/ مئی-جون ۱۱۰۳ء میں خلیفہ المُستَظہِر نے اسے وزیر مقرّر کیا، لیکن صفر ۵۰۰ھ/ اکتوبر ۱۱۰۶ء میں اسے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد زعیم الرؤساء مَزْیَدی خاندان کے حکمران سیف الدّولہ صَدَقہ کے پاس الحِلّہ

چلا گیا۔ ۵۰۳ھ/ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰ء میں خلیفہ نے اسے دوبارہ وزیر بنا دیا.

مآخذ: (۱) ابن الطِّقْطَقٰی: الفَخْرِی (طبع Derenbourg)، ص ۴۰۴؛ (۲) ابن الأثیر (طبع Tornberg)، ۱: ۹۴۔ ۹۳، ۲۲۳، ۲۵۱، ۲۶۲، ۲۷۵، ۳۰۵، ۳۳۵.

(۴) نظام الدّین ابونصر المظفّر بن علی بن محمد بن جَہِیر البغدادی (یا ابونصر محمد بن محمد بن جہیر)، سب سے پہلے استادِ دار (داروغۂ محلّ شاہی) تھا۔ ۵۳۵ھ/ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱ء میں وزیر سَدِیدُ الدّولہ ابن الاَنبَاری کی وفات کے بعد خلیفہ المُقتَفِی نے اسے اس کا جانشین مقرّر کیا۔ [اس کا عہدِ وزارت سات سال ہے۔ ۵۴۲ھ میں اسے معزول کیا گیا اور (ذوالحجّہ) نواح ۵۶۰ھ میں اس کی وفات ہوئی].

مآخذ: (۱) ابن الطِّقْطَقٰی: الفَخْرِی (طبع Derenbourg)، ص ۴۱۸ ببعد؛ (۲) ابن الاثیر (طبع Tornberg)، ۱۱: ۵۲؛ (۳) ہوتسما (Houtsma): *Recueil de textes relatifs à l'histoire des Seldjoucides*، ۲: ۱۹۴؛ [(۴) ابن العِماد: شَذَرات، ۴: ۱۵۴].

(K.V. ZETTERSTÉEN)

----

* **ابن الحاجِب:** جمال الدّین ابوعمرو عثمان ابن عمر بن ابوبکر بن یُونُس، ایک عرب نحوی، جو امیر عزّالدّین مُوسک الصلاحی کے ایک کُردی حاجب کا بیٹا تھا۔ وہ صعیدِ مصر کے ایک گاؤں فنا [اَلاَسنا، قبّ شذرات] میں اواخر ۵۷۰ھ/ ۱۱۷۵ء میں پیدا ہوا۔ اس نے قرآن [حکیم] اور اس کے متعلّقہ علوم، مالکی فقہ اور اس کے اصول، صرف و نحو اور علومِ ادبیہ کی تحصیل قاہرہ میں کی۔ اس کے بڑے اساتذہ امام الشّاطِبی، فقیہ ابومنصور الاَبْیارِی وغیرہ تھے۔ وہ دمشق گیا اور ایک طویل عرصے تک وہاں کی جامع اموی کے زاویۂ مالکیہ میں درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد قاہرہ واپس آ گیا؛ پھر الاسکندریہ گیا، جہاں ۲۶ شوال ۶۴۶ھ/ فروری ۱۲۴۹ء کو اس نے وفات پائی.

اگرچہ اس نے فقہ اور عروض پر بھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن نحوی کی حیثیت سے وہ زیادہ مشہور ہے اور اس فنّ میں اسے اپنے پیشرووں سے کئی باتوں میں امتیاز حاصل ہے۔ فقیہ ہونے کی حیثیت سے وہ پہلا شخص ہے جس نے مصر اور المغرب کے مالکیوں کی فقہ کو آپس میں ربط دیا۔ اس نے مندرجۂ ذیل کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سے جو نثر میں ہیں ان کا اسلوب اس قدر صاف اور واضح ہے کہ ان پر کسی قسم کی شرح کی ضرورت نہیں: (۱) الکافِیَة: عربی نحو کی ایک مختصر اور معتبر کتاب (روم ۱۵۹۱ء؛ کان پور ۱۸۸۸ء، ۱۸۹۱ء؛ قازان ۱۸۸۹ء؛ تاشقند ۱۳۱۱ھ، ۱۳۱۲ھ؛ قُسطُنطِینِیَہ ۱۳۰۵ھ)؛ قاہرہ متعدد بار؛ شرح، قُسطُنطِینِیَہ ۱۳۱۹ھ؛ (۲) الشافیة: عربی صرف پر ایک مختصر رسالہ، کلکتہ ۱۸۰۵ء؛ قسطنطینیہ ۱۸۵۰ء؛ کان پور ۱۸۸۵ء؛ اقتباس مع حواشی، شائع کردہ بیول (F. Buhl)، بنام *Sproglige og historiske Bidrag til den arab. Gramm. med udv. Tekststykker of Ibn al-Ḥâḡibs aś-Śafija*، لائپزگ ۱۸۷۸ء؛ (۳) المقصد الجلیل فی علم الخَلِیل: بحر بسیط میں علم عروض پر ایک سبق آموز نظم، لائڈن، فہرست، طبع دوم، شمارہ ۲۷۳؛ برلن، فہرست، شمارہ ۷۱۲۶؛ بوڈلین، فہرست، ج ۱، مخطوطات عبرانیہ، شمارہ ۳۶؛ مخطوطات عربیہ، ج ۲، شمارہ ۱۲۶۷؛ فریتاغ (Freytag): *Darstēll der Arab. Verskunst*، بون (Bonn) ۱۸۳۰ء، ص ۳۳۴۔ ۳۷۱، مع ترجمہ؛ (۴) الاَمَالِی: اس میں قرآن اور المُتَنَبِّی وغیرہ پر مقالے ہیں (برلن، شمارہ ۶۶۱۳؛ Flügel و Wien: *Die arab...Hss.*، مخطوطات عربیہ، شمارہ ۳۸۶؛ پیرس، مکتبۂ اہلیہ، شمارہ ۴۳۹۲، جلد ۳ و ۶؛ خدیویہ کتب خانہ فہرست، ۴: ۲۴)؛ (۵) القصیدة الموشّحة بالاسماء المؤنّثة: مذکّر شکل کے مؤنّث اسما کے متعلّق، طبع ہَفنر (Haffner) اور شیخو (Cheikho): *Dix anciens traitis de philol. arab*، بیروت ۱۹۰۸ء، ص ۱۵۷؛ (۶) رسالة فی العُشْر: صفت 'اوّل' اور 'آخر' کے ساتھ لفظ عشر کے استعمال پر ایک مختصر رسالہ (برلن، شمارہ ۶۸۹۴)؛ (۷) المنتہی [الوصول] السؤال و الاَمَل فی عِلْمَیِ الأُصول و الجَدَل: فقہ مالکی کے اصول پر ایک رسالہ (مخطوطات، کے لیے قبّ براکلمان: کتاب مذکور)، [مصر ۱۳۲۶ھ؛ یہ اس نسخے کے مطابق ہے جو ۸۳۷ھ میں لکھا گیا]؛ (۸) مختصر المنتہی: جو المختصر الاصولی کے نام سے بھی مشہور ہے، یعنی المنتہی السؤال کا مُلخّص (بولاق ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۹ھ، عضدالدّین الاِیجی کی شرح اور التَفْتازانی اور الجُرجَانی کے حواشی کے ساتھ، نیز الجُرجَانی کے حاشیے پر الحَسَن الہَرَوِی کے مزید حاشیہ در حاشیہ کے ساتھ)؛ (۹) مختصر فی الفروع یا جامع الأُمَّہات یا محض المختصر الفَرْعی: مالکی فقہ کا مختصر رسالہ، جس کی تشریح سِیدی خلیل نے (بنام توضیح) کی اور بعد ازاں اسی کے تتبّع میں خود ایک کتاب لکھی (انڈیا آفس، Loth: فہرست، شمارہ ۲۹۸؛ برٹش میوزیم، *Cat. Cod. Or.*، ج ۲ شمارہ ۲۲۶؛ کتب خانۂ خدیویہ قاہرہ، فہرست، ۳: ۱۵۹؛ الجزائر، فانیاں (Fagnan): فہرست، شمارہ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۶.

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: وَفَیات (قاہرہ ۱۳۱۰ء)، ۱: ۳۱۴؛ (۲) السُیُوطی: حسن المحُاضَرة (قاہرہ ۱۳۲۱ء)، ۱: ۱۲۵؛ (۳) وہی مصنّف: بُغیةُ الوُعاة (قاہرہ ۱۳۲۶ء)، ص ۳۲۳؛ (۴) ابن فَرحُون: الدِیْباج (فاس ۱۳۱۶ھ)، ص ۳۷۲؛ (۵) ابن خَلدُون: مقدمة (ترجمۂ دیسلان de Slane)، ۳: ۲۰ ببعد؛ (۶) بیول (Buhl): کتاب مذکور، ص ۲۷۔ ۲۹؛ (۷) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۰۳۔ ۳۰۶؛ قبّ ص ۵۲۵؛ ۲: ۶۹۷؛ [تکملہ، ۱: ۵۳۱ ببعد]؛ (۸) ھوار (Huart): *Arab. Lit.*، ص ۱۷۲؛ (۹) محمد بن شنب (Moh. Ben Cheneb): *Etude sur les personnes ment. dans l' Idjāza du Cheikh ʻAbd Al-Qādir al-Fāsī*، (پیرس ۱۹۰۷ء)، عدد ۱۹۱؛ (۱۰) موراں (Morand): *Le droit musulman algérien, Les origines (rite mālékite)* (الجزائر Algier ۱۹۱۳ء)، ص ۹ ببعد؛ (۱۱) الذَہَبِی: طَبَقَاتُ القرُّاء، ۲: ۲۰۱؛ [(۱۲) ابن کثیر:

البدایة و النهایة، ۱۳: ۱۷۶؛ (۱۳) ابن العماد: شَذَرات الذَّهَب، ۵: ۲۳۴؛ (۱۴) طاش کوپرُوزادہ: مفتاح السعادة، ۱: ۱۱۷].

(محمد بن شنب)

⊗ **ابن الحائک**: رکّ بہ الہَمْدانی.

---

* **ابن حِبّان**: [ابو حاتم] محمد [بن حِبّان] ابن احمد البُسْتی، ایک عرب مصنّف اور راوی حدیث، جو سِجِستان کے شہر بُست میں پیدا ہوا۔ تحصیلِ علم کی غرض سے اس نے بہت سے سفر کیے اور بعد ازاں سمرقند میں قاضی کے عہدے پر مامور ہوا، لیکن اسے ملحد قرار دے کر نکال دیا گیا، کیونکہ اس نے نبوت کی تشریح یوں کی تھی کہ یہ علم و عمل کا مجموعہ ہے (قبّ گولٹ تسیہر (Goldziher)، بر معانی النفس، ص ۵۷)۔ نَسا میں اور پھر ۳۳۴ھ/ ۹۴۵ء میں نیشاپور میں ٹھیرنے کے بعد اس نے سمرقند میں استادِ حدیث کی حیثیت سے سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں ۲۲ شوّال ۳۵۴ھ/ ۱۲ اکتوبر ۹۶۵ء کو وفات پائی۔ [اس کے اساتذہ میں امام نسائی اور شاگردوں میں حاکم کا نام ملتا ہے۔] اس کی سب سے بڑی تصنیف حدیثوں کا ایک مجموعہ ہے، جو اپنی مصنوعی ترتیب کی وجہ سے مشہور ہے اور جس کا نام کتاب التقاسِیم و الأنواع ہے: دیکھیے فہرست الکتب المحفوظة فی الکتب خانة الخدیویة، ۱: ۲۵۰ (دیباچہ، در برلن، آلوَرٹ (Ahlwardt)، فہرست، شمارہ ۱۲۶۸) جس پر علی بن بَلْبان الفارسی (م ۷۳۹ھ/ ۱۳۳۸ء) نے حسب بیان السُیُوطی (بُغیة الوُعاة، ص ۳۳۱) نظر ثانی کی؛ ابن حجر کے حواشی کے ساتھ برٹش میوزیم میں، فہرستِ مخطوطات عربیة، شمارہ ۱۵۷۰ (قبّ گولٹ تسیہر Goldziher: *Muh. Stud.*، ۲: ۲۶۹، تعلیقہ ۵)۔ اس کی دو کتابیں رُواۃ حدیث پر ہیں، یعنی کتاب الثقات، جسے ابن الحجر الہیثمی نے از سرِ نو مرتّب کیا، مخطوطہ در قاہرہ، قبّ فہرست، ۱: ۲۳۰-۲۳۱؛ اور مشاهیر عُلَماء الأمصار، مخطوطۂ لائپزگ، دیکھیے Vollers: *Die Islam... Hdss.*، شمارہ ۶۸۸۔ اور آخر میں اس نے ادب پر ایک اخلاقی کتاب روضة العُقَلاء و نزهة الفُضَلاء کے نام سے لکھی (مخطوطہ در ہامبرگ Hamburg، دیکھیے براکلمان (Brockelmann) وفہرست، شمارہ ۹۶)، مطبوعۂ قاہرہ ۱۳۲۸ھ۔ اس میں وہ اپنی گیارہ دوسری تصانیف کا بھی حوالہ دیتا ہے۔

مآخذ: (۱) السُّبکی: طبقات الشافعیة الکُبْرٰی، ۲: ۱۴۱؛ (۲) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichts chreiber der Araber*، عدد ۱۳۰؛ (۳) وہی مصنّف: *Schafiiten*، عدد ۱۵۲؛ [(۴) براکلمان، ۱: ۱۶۴؛ تکملہ، ۱: ۲۷۳؛ (۵) الذّہبی: تذکرة الحُفّاظ، ۳: ۱۲۵ بعد؛ (۶) وہی مصنّف: میزان الاعتدال، ۳: ۶۱؛ (۷) السُیُوطی: تدریب، ص ۳۲؛ (۸) ابن تغری بردی: النُّجوم الزاهرة، لائڈن ۱۸۵۵ء، ۲: ۳۷۲؛ (۹) ابن العماد: شذَرات الذَّهَب، ۳: ۱۶؛ (۱۰) شاہ عبدالعزیز: بُستان المُحدِّثین، ص ۱۴۱ بعد].

(بروکلمان C. BROCKELMANN)

---

* **ابن حَبِیب**: ابو مَرْوان عبدالملک بن حَبِیب السُّلَمی، ایک عرب فقیہ، جو غرناطہ کے قریب حِصْن وات (بقول Simonet، Huétor Vega) میں پیدا ہوا۔ اس نے اَلْبِیرہ اور قُرطُبہ میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد حج کے لیے مکّے گیا۔ مدینے میں اس نے فقہ مالکی سے واقفیت حاصل کی اور اسے اُندلس میں رائج کیا۔ ۲۳۸ھ/ ۸۵۳ء میں اس نے قرطبہ میں انتقال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مختلف مضامین پر ایک ہزار سے زائد تصانیف شائع کیں، لیکن اس کی صرف ایک تصنیف (علاوہ ایک غیر اہم ناقص مخطوطے کے) اس کے نام سے ہم تک پہنچی ہے اور وہ بھی دراصل بعد کے زمانے کی تالیف ہے، جیسا کہ ڈوزی (Dozy): *Recherches*، طبع سوم، ۱: ۲۸، نے واضح کیا ہے۔

مآخذ: (۱) Wüstenfeld: *Die Geschichtsch reiber der Araber*، شمارہ ۵۶؛ (۲) Pons Boigues: *Ensayo bio-bibliogr.*، ص ۲۹ بعد (جہاں مزید حوالے موجود ہیں)؛ (۲) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۴۹ بعد؛ [تکملہ، ۱: ۲۳۱].

(لائڈن [آ]، جلد دوم)

---

* **ابن حَبِیب**: بدر الدّین ابو محمد [ابو طاہر] الحسن بن عمر (بن حسن) الدمشقی الحلبی، ایک عرب مؤرّخ اور ماہرِ علوم جو [شعبان، جس کا آغاز ۲۴ دسمبر سے ہوا] ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء میں دمشق میں پیدا ہوا۔ اس نے حلب میں تعلیم پائی، جہاں اس کا والد محتسب کے عہدے پر مامور تھا اور حدیث پر درس بھی دیتا تھا۔ ۷۳۳ھ/ ۱۳۳۲ء میں اس نے پہلی بار حج کیا اور ۷۳۹ھ/ ۱۳۳۸ء میں دوسری بار۔ ان سفروں کے دوران میں اس نے مصر اور شام کے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ بعد میں ہم اسے کبھی طرابلس میں پاتے ہیں اور کبھی واپس دمشق میں اور آخر کار حلب میں، جہاں اس نے [ربیع الآخر] ۷۷۹ھ/ [اگست] ۱۳۷۷ء میں وفات پائی۔ اس کی تصانیف میں سے، جن کی تفصیل وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld) اور براکلمان (Brockelmann) نے دی ہے، ہم یہاں اس کی مملوک سلاطین کی تاریخ موسومہ دُرّة الاَسْلاک فی مُلک [دولة] الاَتْراک کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، جس میں ۶۴۸-۷۷۷ھ/ ۱۲۵۰-۱۳۷۵ء کے واقعات درج ہیں اور جس کے اقتباسات فایرس (Weyers) اور مرسنغ (Meursinge) نے *Orientalia*، ۴: ۱۹۶ بعد میں شائع کیے ہیں۔ [اس کے بیٹے طاہر نے اس کتاب کا ایک تکملہ بھی لکھا اور اسے ۸۰۲ھ تک کے واقعات تک پہنچایا۔ یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں — ایمسٹرڈم ۱۸۴۰-۱۸۴۱ء]۔ اس کی ایک اَور تصنیف موسومہ نَسِیم الصبَا، جو مقفّٰی اور مسجّع نثر میں ہے اور جگہ جگہ پر اشعار سے

مُرصّع ہے، بالکل دوسری نوعیّت کی ہے اور مشرقی ممالک میں بار بار چھپ چکی ہے، مثلاً اسکندریہ ۱۲۸۹ھ، قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ، قاہرہ ۱۳۰۷ھ۔ [اس کے اساتذہ میں ابن نباتہ کا نام بھی ملتا ہے]۔

مآخذ: (۱) Wüstenfeld: *Geschichtschreiber*، عدد ۴۴۰؛ (۲) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۳۶ بعد؛ [تکملہ، ۲: ۳۵] (جہاں اور حوالے بھی مذکور ہیں)؛ [(۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۶: ۷۶۲؛ (۴) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۲: ۲۹؛ (۵) الطباخ: اعلام النبلاء، ۵: ۶۶]۔

(لائڈن [آ]، جلد دوم)

---

* **ابن حَبِیْب:** (ابوجعفر) محمد بن حبیب [ابن اُمَیَّہ بن عمرو]، ایک عرب ماہر لسان، جو قُطرب [رکّ بآن] [اور ہشام بن محمد الکلبی] کا شاگرد تھا اور [۲۳ ذوالحجّہ] ۲۴۵ھ [/۲۱ مارچ ۸۶۰ء] میں سامرّا میں فوت ہوا [بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حبیب اس کی والدہ کا نام تھا۔ اس کی پیدائش بغداد میں ہوئی تھی]۔ اس کی بہت سی تصانیف میں سے صرف ایک [لیکن قبّ سطور ذیل] رسالہ [موسومہ (۱) مختلف القبائل و مؤتلفها] جس کا موضوع عرب قبائل کے ناموں کی باہمی مشابہت اور اختلاف ہے، ہم تک پہنچا ہے، اسے وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld) نے شائع کیا ہے (*Über die Gleichheit und Verschiedenheit der arabischen Stämmenamen*، گوٹنجن ۱۸۵۰ء)۔ [اس کی تصانیف میں سے ذیل کی کتب بھی محفوظ ہیں: (۲) کتاب مَنْ نُسِبَ الٰی اُمّہٖ مِنَ الشُّعَراء، مخطوط در قاہرہ، ۳: ۳۰۰؛ ۵: ۳۰۶؛ (۳) کتاب المُنَمَّق، مخطوط در المکتبہ الناصریہ؛ (۴) کتاب المُحبَّر، جو غالبًا اس کی بہترین کتاب ہے (مطبوعہ ۱۹۴۲ء)۔ یاقوت نے اس کی دیگر تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے]۔

مآخذ: (۱) فہرست، ص ۱۰۶؛ (۲) Flügel: *Die grammatischen schulen der Araber*، ص ۶۷؛ (۳) Wüstenfeld: *Die Geschichtschreiber der Araber*، عدد ۵۹؛ (۴) براکلمان، ۱: ۱۰۶؛ [تکملہ، ۱: ۱۶۵؛ (۵) خطیب بغدادی: تأریخ بغداد، ۲: ۲۷۷؛ (۶) یاقوت: مُعجم الأُدَباء، طبع احمد فرید، ۱۸: ۱۱۲؛ (۷) الزِّرِکْلی: الاَعْلَام، ۳: ۸۸۰؛ (۸) السیوطی: النُّجُوم الزاھِرۃ، ۱: ۷۵۴، طبع جونبول (Juynboll)، لائڈن ۱۸۵۱ء (۹) وہی مصنّف: بُغیۃ الوُعاۃ، مصر ۱۳۲۶ھ، ص ۲۹]۔

(لائڈن [آ]، جلد دوم)

---

* **ابن الحَجّاج:** ابوعبد اللہ الحُسین بن احمد بن محمد بن جعفر، بنو بُوَیہ کے زمانے کا ایک شاعر تھا۔ وہ ایک ایسے خاندان سے تھا جس کے افراد سرکاری ملازمت میں مشغول تھے اور خود اسے بھی ابو اسحٰق ابراہیم الصابیؔ نے کاتب کے کام کی تربیّت دی تھی، لیکن اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ شاعری کے ذریعے زیادہ روپیہ کما سکتا ہے، اس لیے وہ اپنے معاصرین میں سے اہم ترین لوگوں، بالخصوص عزّالدّولہ بختیار کا ثنا خواں بن گیا، جس نے اسے بغداد کا محتسب مقرّر کر دیا۔ یہ عہدہ اس کے لیے نہایت غیر موزوں تھا، کیونکہ اس شاعر کو فحش گوئی اور عریاں نویسی کا خاص شوق تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے دیوان کی جو تلخیص پیرس میں ہے اس میں ایک نظم بعنوان ''بدکاری کی حوصلہ افزائی'' کے سامنے کسی قاری نے یہ سوال لکھ دیا ہے: ''کیا محتسب کا یہی کام ہے؟''۔ کچھ عرصے بعد اسے اس عہدے سے معزول کر دیا گیا، اگرچہ اس نے پھر اس کے حصول کی بے سود کوشش کی۔ اس نے اپنے اشعار میں بہت سی ایسی جاگیروں کا ذکر کیا ہے جو اس نے حاصل کیں یا اسے ورثے میں ملیں۔ چند غزلوں میں تو اس تنازع کا بھی ذکر ہے جو ایک جاگیر کے قبضے کے سلسلے میں اس کے اور ایک کُرد کے درمیان ہوا تھا۔

جن ممتاز لوگوں سے اسے سابقہ پڑا ان میں ایک وزیر مُہَلَّبی بھی ہے، جس نے یہ خواہش کی تھی کہ وہ مُتَنَبّی کی ہجو کہے، دوسرے لوگوں کے نام یہ ہیں: سابور بن اَرْدشیر، ابن بقِیہ عضد الدّولہ اور بہاؤ الدّولہ، ابن عبّاد اور ابن العَمِید۔ اس نے حاکمِ مصر کی، جو اس کی ہجو سے خائف تھا، مدح کہہ کر ایک ہزار حاصل کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی کا بیشتر حصّہ اسی قسم کی دھمکیوں سے روپیہ وصول کرنے کا رہینِ منت تھا۔ ابن الحَجّاج نے [۱۷ جمادی الاُخرٰی] ۳۹۱ھ/ [۱۹ اپریل] ۱۰۰۱ء [کوکوفہ و بغداد کے درمیان موضع رینل میں] وفات پائی [اور اس کا جنازہ بغداد لا کر حضرت موسیٰ کاظم کے مزار کے پاس دفن کیا گیا]۔

اس کا مکمّل دیوان کئی جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے وہ ردیف دال اور راء کے کچھ حصّے پر مشتمل ہے۔ اس کے ہم عصر اور دوست شریف الرّضی نے اس کی ان نظموں کا انتخاب، جو ذرا کم عریاں ہیں، النظیف من السخیف کے نام سے کیا تھا۔ ۵۱۰ھ میں ہبۃ اللہ الاِصْطُرلابی نے ۱۴۱ ابواب کا انتخاب کیا، جسے فحش نظموں سے مبرّا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ انتخاب پیرس کے مخطوطے عدد ۵۹۱۳ میں موجود ہے اور اس کے ساتھ ابن الخشّاب نحوی کا دیباچہ بھی شامل ہے۔ ثَعالبی نے یتیمۃ الدھر، ۲: ۲۱۱-۲۷۰، میں اس کے اشعار کا خاصا بڑا مجموعہ درج کیا ہے۔ دیگر منتخبات کا ذکر براکلمان، ۱: ۸۲ میں ہے۔

اس کی نظموں میں جس چیز کا اکثر ذکر آتا ہے وہ وہ بدکاری ہے جس کی توضیح Mez نے *Ein Baghdâder Sittenbild*، ص xxvii، میں کی ہے۔ جس معاشرے میں شاعر اٹھتا بیٹھتا تھا اس کا پتا یتیمۃ الدھر سے چلتا ہے، بالخصوص دوسری جلد سے۔ کہا جاتا ہے کہ شریف الرضی نے ابن الحَجّاج کی وفات پر مرثیہ لکھ کر بڑی رسوائی اور بدنامی مول لی (دیوان، ص ۸۶۲-۸۶۴) لیکن دراصل ابن الحَجّاج اصحاب ثلٰثہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کے صلے میں اس مرثیے کا مستحق ٹھیرا تھا، کیونکہ شریف الرضی عَلَوی ہونے کی حیثیت سے اس کی اس حرکت کو پسند کرتے تھے۔

مآخذ: مخطوطات مذکورہ کے علاوہ: (۱) سبط ابن الجوزی: مرآۃ الزمان (مخطوط)؛ (۲) ابن العماد: شذرات الذہب، ۳: ۱۳۶؛ (۳) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ،

۱۱: ۳۲۹؛ (۴) الزِّرِکْلی: الاَعْلام، ۱: ۲۴۵ بعد؛ (۵) ابن خَلِّکان: وَفَیاتُ الاَعْیان، ۱: ۱۵۵؛ (۶) الخوانساری: روضات الجنات، ص ۴۰؛ (۷) یاقوت: مُعْجم الاُدَباء، ۹: ۲۰۶-۲۳۲؛ (۸) خطیب بغدادی: تأریخ بغداد، ۸: ۱۴]۔

(D. S. MARGOLIOUTH مرجلیوث)

---

* **ابن حَجَر العَسْقَلانی**: ابوالفضل شِہاب الدّین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد الکنانی العسقلانی المصری القاہِرِی، شافعی مذہب کے مشہور و مستند محدّث، مؤرّخ اور فقیہ۔ وہ ۱۲ شعبان ۷۷۳ھ/۱۸ فروری ۱۳۷۲ء کو مصر العتیق (Old Cairo) میں پیدا ہوے اور بہت بچپن میں ماں اور باپ دونوں کے سائے سے محروم ہوگئے۔ ان کے والد نورالدّین مشہور عالم تھے اور انھیں فتوٰی جاری کرنے اور درس دینے کا اجازہ حاصل تھا۔ العسقلانی نے اپنے ایک سرپرست، مشہور تاجر زکی الدّین الخَرُّوبی کی نگرانی میں پرورش پائی۔ نو ہی برس کی عمر میں انھوں نے قرآن [مجید] حفظ کرلیا اور تھوڑے عرصے میں فقہ اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل کرلیا۔ پھر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین اساتذہ سے خاصی مدّت تک تعلیم حاصل کرتے رہے؛ چنانچہ حدیث اور فقہ انھوں نے البُلْقینی [رک بآن]، ابن المُلَقِّن (م ۸۰۴ھ) اور عزّ الدّین ابن جماعہ [رک بہ ابن جماعہ، ۴] سے پڑھی، علم قراءت التَّنُوخی سے اور عربی زبان اور لغت محبّ الدّین ابن ہشام (م ۷۹۹ھ) اور فیروز آبادی [رک بآن] سے۔ ۷۹۳ھ/آغاز دسمبر ۱۳۹۰ء سے انھوں نے اپنے آپ کو بالخصوص حدیث کے مطالعے کے لیے وقف کردیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے مصر، شام، حجاز اور یمن کے کئی سفر کیے اور وہاں کئی ماہرین لسان اور ادیبوں سے ملاقات کی۔ انھوں نے مسلسل دس برس تک زین الدّین العراقی (م ۸۰۰ھ) سے حدیث پڑھی اور ان کے اکثر اساتذہ نے انھیں فتوٰی اور درس دینے کی اجازت دی۔

منصبِ قضا کو قبول کرنے سے کئی مرتبہ انکار کے بعد بالآخر انھوں نے اپنے دوست قاضی القضاۃ جمال الدّین البُلْقینی کی درخواست پر اس کا نائب بننا منظور کرلیا۔ محرّم ۸۲۷ھ/دسمبر ۱۴۲۳ء میں وہ قاضی القضاۃ مقرر ہوگئے اور مجموعی طور پر تقریبًا اکیس برس تک اس عہدے پر فائز رہے، جس کے دوران میں انھیں بار بار معزول اور بحال کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کئی (بقول سخاوی دس) مسجدوں اور مدرسوں میں استاد کے عہدوں پر مامور رہے اور تفسیر قرآن، حدیث اور فقہ پر درس دیتے رہے۔ اس حافظ العصر (یعنی اپنے زمانے میں علم حدیث کے مستند ماہر) کے حلقۂ درس میں متخصصین بھی ذوق و شوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ دارالعدل میں مفتی، مدرسۂ بَیْبَرسِیّہ کے ناظرِ اعلٰی اور جامع ازہر اور بعدازاں قبۃ المحمودیہ کے خطیب بھی رہے۔

ابن حَجَر کی ایک شاعر اور نثر نگار کی حیثیت سے بھی بڑی قدر و منزلت تھی اور انھوں نے اپنی زندگی میں خاصی ادبی سرگرمی دکھائی۔ ان کی تصانیف کی، جن میں سے کئی مطالعۂ اسلام کے سلسلے میں بڑی اہمیّت رکھتی ہیں، ان کی زندگی میں بھی بڑی مانگ تھی، بالخصوص فتح الباری فی شرح البخاری کی (بولاق ۱۳۰۰-۱۳۰۱ھ، [دہلی ۱۸۹۰ء]) جو تین سو دینار میں فروخت ہوتی تھی۔ ان کی تصانیف میں سے، جن کی تعداد ۱۵۰ بتائی جاتی ہے، چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱) الاِصابۃ فی تَمْیِیز الصَّحابۃ (طبع [محمد وجیہ، غلام قادر، عبدالحیٔ و] شپرنگر (Sprenger)، کلکتہ ۱۸۵۶-۱۸۷۳ء اور قاہرہ ۱۳۲۵-۱۳۳۲ھ؛ (۲) تہذیب التہذیب ([دہلی ۱۸۹۱ء] [حیدر آباد دکن ۱۳۲۵-۱۳۲۷ھ]؛ (۳) تَعْجِیْل المَنْفَعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاَرْبَعۃ (حیدر آباد دکن ۱۳۲۴ھ)؛ (۴) القول المُسَدَّد فی الذَّبّ عن المُسْنَد لِلْامام احمد (حیدر آباد دکن ۱۳۱۹ھ)؛ (۵) بُلُوغ المرام مِن اَدِلَّۃِ الاَحْکَام فی عِلْمِ الحَدِیث ([لکھنؤ ۱۲۵۳ھ]، قاہرہ ۱۳۳۰ھ؛ [اردو ترجمہ و شرح، طبع لاہور])؛ (۶) نُخْبَۃُ الْفِکَر فِی مُصْطَلَح اَھْلِ الاَثَر اور (۷) نُزْھَۃُ النَّظَر فی توضیح نُخبَۃ الفِکَر (طبع لیس (Lees) وغیرہ، *Bibl. Ind.* سلسلۂ جدید، کلکتہ ۱۸۶۲ء)؛ (۸) الدُّرَرُ الکامِنَۃ فی اَعْیان المائۃ الثامنۃ ([حیدر آباد دکن ۱۳۴۸-۱۳۵۰ھ])؛ (۹) اِنْباء الغُمْر باَبْناء العُمْر؛ (۱۰) رَفْعُ الاِصْر عَنْ قُضاۃ مِصْر [ان تینوں کتابوں کے مخطوطات کی تفصیل کے لیے دیکھیے براکلمان کی تاریخ ادبیات عربی؛ رفع الاصر سے منتخب تراجم R. Guest نے *The Governors and Judges of Egypt* کے ضمیمے میں شائع کیے ہیں (طبع وقفیۂ گب، ج ۱۹)]؛ (۱۱) طوالع التاسیس فی معالی ابن ادریس، [امام شافعی کے مناقب میں ہے، بولاق ۱۳۰۱ھ، الرحمۃ کے ساتھ] اور؛ (۱۲) دیوان (مطبوعہ یکجا، بولاق ۱۳۰۱ھ)؛ (۱۳) غِبْطَۃُ النّاظِر فی تَرْجَمَۃ الشَّیخ عبدالقادِر، طبع راس (E. D. Ross)، کلکتہ ۱۹۰۳ء، [بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کتاب کا ابن حجر کی طرف انتساب غلط ہے؛ (۱۴) تخریج احادیث شرح الوجیز از الرافعی (طبع ہند، تاریخ طباعت ندارد)؛ (۱۵) تقریب التَّہذیب، یعنی تَہْذِیْبُ التَّہذِیْب کی تلخیص (لکھنؤ ۱۲۸۱-۱۲۸۲ھ)؛ (۱۶) تلخیص الحَبیر (ہند ۱۳۰۳ھ)؛ (۱۷) الدّرایۃ فی منتخب تخریج احادیث الھدایۃ (دہلی ۱۸۸۲ء)؛ (۱۸) الرحمۃ الغیثیۃ، امام لیث کے مناقب میں (بولاق ۱۳۰۱ھ)؛ (۱۹) طبقات المُدَلِّسِیْن (مصر ۱۳۲۲ھ)؛ (۲۰) لسان المیزان (حیدر آباد ۱۳۲۹-۱۳۳۱ھ)]۔

براکلمان نے کتابِ مذکور میں ان تصانیف کی مزید تفصیلات دینے کے علاوہ اور بہت سی کتابوں کا ذکر کیا ہے؛ نیز قب Landberg: *Cat. de. Mss. arabes...*، عدد ۳۱، ۳۲، ۵۳، ۶۷، ۸۸، ۹۸، ۱۰۶، ۲۲۸، ۲۷۹، ۳۱۹؛ ہوتسما (Houtsma): *Cat. d'une Coll...*، عدد ۷۶۳، ۷۶۴ (؟)، ۷۸۳ و ج ۲: ۱۰۲۶ (؟)؛ Vollers: *Die islam... Hss.* (لائپزگ)، قب اشاریہ [اور فہرس مخطوطات دار الکتب الظاھریۃ، وضع یوسف العش، دمشق ۱۹۴۷ء] اور وہ فہرست جو التھذیب کے ترجمے میں دی گئی ہے۔

ابن حَجَر نے [۱۸] ذوالحجّہ ۸۵۲ھ/ [۱۳] فروری ۱۴۴۹ءکوانتقال کیا۔ ان کے شاگردالسّخاوی نے ان کی ایک جامع سیرت الجَوَاھِرِ والدُّرَر فی ترجَمَة شیخ الِاِسْلام ابن حَجَر کے نام سے لکھی ہے.

[اضافہ از ضمیمۂ [آ، طبع اوّل، ص ۹۰] (انباء الغُمْر کے مخطوطات کے ضمن میں قب O. Spies: *‘arab Beitr. z. Abh. K.M., XIX. 3, Litteratur geschichte*، لائپزگ ۱۹۳۲ء، ص ۸۵ـ۸۷).

مآخذ: (۱) السخاوی: الضوءُ اللّامع، مخطوطہ لائڈن (فہرست طبع دوم، ۲: ۱۱۷ ببعد)، ص ۳۸۹ ببعد، [نسخۂ مطبوعہ، ۲: ۳۶ـ۴۰]؛ (۲) وہی مصنّف: ذیل علٰی رفع الاِصْر، مخطوطۂ لائڈن (فہرست طبع دوم، ۲: ۱۹۰ ببعد)، ورق ۱۲۹الف تا ۱۳۳ب؛ (۳) کاترمیئر (Quatremère): *Notice sur Ahmed-Ebn-Hadjar-Askelani*، در *Hist. des Sultans Mamlouks*، ج ۱، حصّہ ۲: ص ۲۰۹ـ۲۱۹؛ (۴) ترجمۂ شیخ، جو تَہْذِیب التَّھْذِیب، ج ۱۲ (حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ھ) کے آخر میں دیا ہے؛ (۵) ابن ایاس: بدائع الزُّھُوْر، بولاق ۱۳۱۱ھ، ۲: ۷، ۹ ببعد، نیز ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۸، ۲۹، ۳۲ ببعد؛ (۶) براکلمان، ۲: ۶۷ ببعد؛ [تکملہ، ۲: ۷۲ ببعد] اور وہ حوالہ جات جو وہاں مذکور ہیں.

[اضافہ از ضمیمۂ [آ، طبع اوّل، لائڈن]: (۷) السّخاوی: التِبْرُ المسبوک فی ذیل السُلُوک، بولاق ۱۸۹۶ء، ص ۲۳۰ ببعد؛ (۸) علی مبارک: الخِطَط الجدیدۃ، ۶ (بولاق ۱۳۰۵ھ): ۳۷ـ۳۹؛ (۹) السُیوطی: نظم العِقْیان فی اَعْیان الاَعْیان، طبع حِتّی (F. Hitti)، نیویارک ۱۹۲۷ء، ص [۴۴]، ۴۵ـ۵۳؛ (۱۰) ابن العماد: شَذَرات الذَھَب فِی اَخبار مَنْ ذَھَب، قاہرہ ۱۳۵۰ـ۱۳۵۱ھ، ۷: ۲۷۰ـ۲۷۳؛ (۱۱) [ابن حجر:] الدُّرَر الکامِنة (حالات و سیرت)، ۴: ۴۹۲ ببعد؛ (۱۲) V. Rosen: *Notiz über eine merk-würdige arabische Handschrift, betitelt Fihrist marwiyat Shaikhina Ibn Ḥadjar*، در *Bull. de l' Academic impér. des Sciences de St. Pètersbourg*، جلد ۲۶، (۱۸۸۰ء): عمود ۱۸اب تا ۲۶ب؛ (۱۳) مُصَنَّفات شیخ الاسلام ابن حَجَر، مخطوطۂ لائڈن، شمارہ ۱۸۵۰ (چھوٹی تقطیع کے ۶ ورق)؛ (۱۴) سرکیس: مُعْجم المَطْبُوعات، قاہرہ ۱۳۴۶ھ، عمود ۷۷ـ۸۱؛ [(۱۵) ابن تغری بردی: النّجُوم الزاھرۃ، ۷: ۳۲۶ ببعد؛ (۱۶) السیُوطی: حسن المحاضرۃ، ۱: ۱۵۳ ببعد؛ (۱۷) ابن فہد المکّی: لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحُفّاظ، ص ۳۲۶ ببعد؛ (۱۸) السیوطی: ذیلُ طبقاتِ الحُفّاظ، ص ۳۸۰ ببعد؛ (۱۹) الشوکانی: البدر الطّالع، ۱: ۸۷ ببعد؛ (۲۰) الخوانساری: روضات الجنّات، ص ۹۴؛ (۲۱) طاش کوپرُوزادہ: مفتاح السعادۃ، ۱: ۲۰۹؛ (۲۲) صدیق حسن: اتحاف النّبلاء، ص ۱۹۳؛ (۲۳) السیوطی: تدریب الراوی، ص ۲۳۲؛ (۲۴) شاہ عبدالعزیز: بستان المُحدّثین، ص ۱۱۳؛ (۲۵) جمیل بک: عقود الجوھر، ص ۱۸۸ ببعد].

(C. VAN ARENDONK)

* **ابن حَجَرالہَیْتَمی:** شہاب الدّین ابوالعبّاس احمد بن محمد بن محمد بن علی ابن حَجَرالہَیْتَمی السَّعْدی (السعدی کی نسبت الشرقیہ کے بنوسعد کی طرف ہے، جہاں ان کا خاندان آباد ہوا تھا) مشہور شافعی فقیہ، الغربیۃ [رَكّ بآن] کے محلّۂ اَبی الہَیْتَم میں رجب ۹۰۹ھ/۱۵۰۴ء کے آخر میں پیدا ہوے۔ بچپن میں والد کی وفات کے بعد ان کے والد کے استاد مشہور صوفی شیخ شمس الدّین ابن ابی الحمائل (م ۹۳۲ھ [؟]) اور ان کے شاگرد شمس الدّین محمد الشناوی نے ان کے اخراجات ضروریہ اور ان کی تعلیم و تربیت کو اپنے ذمّے لے لیا۔ الشّناوِی نے انھیں سِیدِی احمد البدوی کے مقام (زاویے) میں داخل کرا دیا اور جب انھوں نے ابتدائی تعلیم سے فراغت پالی تو ۹۲۴ھ میں انھیں تحصیلِ علوم کے لیے جامع ازہر میں بھیج دیا۔ اپنی نوعمری کے باوجود انھوں نے یہاں زکریا الانصاری [رَكّ بآن] عبدالحق السُّنْبَاطی (م ۹۳۱ھ)، شِہاب الدّین احمد الرَّمْلِی (م ۹۵۸ھ) ناصر الدّین الطَبْلَاوِی (م ۹۶۶ھ)، ابوالحسن البَکْرِی (م ۹۵۲ھ) اور شہاب الدّین ابن النَّجّار الحنبلی (م ۹۴۹ھ) جیسے فضلاے عصر سے تعلیم حاصل کی۔ وہ بمشکل بیس برس کے تھے کہ انھوں نے دینیات اور فقہ میں بڑا نام پیدا کرلیا اور انھیں اِفتا اور درس و تدریس کا اجازہ مل گیا۔ الشّناوِی کے کہنے پر انھوں نے ۹۳۲ھ میں ان کی بھتیجی سے نکاح کرلیا اور ۹۳۳ھ میں حجّ بیت اللہ کی غرض سے مکّے کے لیے رختِ سفر باندھا۔ دوسرا سال بھی انھیں وہیں بسر ہوا۔ انھوں نے جس فقیہانہ طرزِ تصنیف کی وہاں ابتدا کی تھی اسے مصر میں واپس آکر بھی جاری رکھا، یہاں تک کہ ۹۳۷ھ میں اہل و عیال سمیت پھر حجّ بیت اللہ کو روانہ ہوے اور مکّے میں مقیم رہے۔ ۹۴۰ھ میں تیسری مرتبہ حجّ کرنے کے بعد مکّۂ [معظّمہ] میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور تالیف و تصنیف اور درس و تدریس میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ یہاں لوگ دور دراز مقامات سے ان سے فتوے طلب کیا کرتے تھے۔ الفاکہی کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکّے میں ان کی سند متفق علیہ نہ تھی (*Chron. d. Stadt Mekka*، طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ۳: ۵۶ ببعد)؛ زَبید کے شافعی مفتی ابن زیاد کے ساتھ بحث و مناظرے کے کئی سخت معرکے ہوے (قب براکلمان ۲: ۴۰۴؛ Snouck Hurgronji: *Islam und Phonograph*، ص ۴ ببعد؛ *Tijdschr. van het Batavia-asch Genootschap*، ۴۲: ۳۹۶ ببعد)۔ انھوں نے ۲۳ رجب ۹۷۴ھ/ ۲۴ فروری ۱۵۶۷ء [شذرات، ۸: ۳۷۱ میں رجب ۹۷۳ھ دیا ہے] کو مکّے میں وفات پائی اور المَعْلَاۃ میں دفن ہوے.

النَّوَوی [رَكّ بآن] کی مِنْھَاج الطّالِبِین پر ابن حَجَر کی شرح تحفة المُحتاج لشرح المِنْھاج [بولاق ۱۲۹۰ھ] الرَّملی کی النّھایة کے ساتھ شافعی مذہب کی مستند درسی کتاب مُتَصوَّر ہوتی تھی۔ ابتدا میں حَجَریوں (جو زیادہ تر حضرموت، یمن اور حجاز میں تھے) اور رَمْلیوں (مصر اور شام میں) کے درمیان سخت مجادلے اور مباحثے ہوتے رہے لیکن اس کے بعد عام راے یہ ہوگئی کہ ابن حَجَر اور الرَّملی دونوں امام الشافعی کے صحیح نقطۂ نظر کے ناقل

اور دونوں کے بغیر چارہ نہیں (Snouck Hurgronji، مقام مذکور نیز در *ZDMG*، ۵۳: ۱۴۲ ببعد)۔ ان کی تصانیف میں سے ہم مندرجۂ ذیل کا ذکر کر سکتے ہیں: الفتاوی الکبری [الهَیْتَمِیّة] الفقیهیة (قاہرہ ۱۳۰۸ھ)، جس میں علیحدہ علیحدہ عنوانوں کے کئی رسالے شامل ہیں، مثلاً ابن زیاد سے ان کے دو مناظرے: الفتاوی الحدیثیة (قاہرہ ۱۳۰۷ھ)، [جو الفتاوی الکبری کا ذیل ہے]؛ الصواعِق المُحرِقة فی الرّد علی اهلِ البِدَع والزندقة، شیعیوں کے خلاف ایک مناظرانہ کتاب، جس پر گولٹ تسیہر نے بحث کی ہے، قب *Sitzungsber. d. Kais. Akad. d. Wiss. zu Wien*، نوع فلسفہ و تاریخ، ۷۸: ۴۵۳ ببعد؛ موخّر الذّکر کتاب کے حاشیے پر: کتاب تطهیر الجِنان واللِسان من الخُطُور [کذا، الختور؟ الخوض، قب سرکیس] والتفوُّہ بِثَلْب سیدنا معاویة بن ابی سفیان۔ براکلمان (مقام مذکور) میں مندرج فہرستِ مطبوعات کے علاوہ ہم کتبِ ذیل کا بھی ذکر کر سکتے ہیں: الزّواجر [فی النهی] من اقتراف الکبائر، جس کے حاشیے پر کفّ الرّعاع من محرّمات اللهو والسّماع اور الاعلام بقواطع الاسلام [چاپ سنگی، مصر ۱۲۹۳ھ] [الاحکام فی قواطع الاسلام، قب النّور السافر و شَذرات الذَّهَب]، ([بولاق ۱۲۸۴ھ، مصر ۱۳۱۰ھ]، قاہرہ ۱۳۲۵ھ) ہیں؛ المِنَح المکیّة فی شرح الهَمْزِیَةِ (البوصیریة) (قاہرہ ۱۳۰۷ھ کی دو اشاعتیں اور ۱۳۲۲ھ کی اشاعت)؛ ریاض الرِضْوان فی مآثر المُسْنَدِ العَالی آصِف خان، قب *An Arabic History of Gujarat*، طبع راس E. D. Ross، لنڈن ۱۹۱۰ء، ص ۳۳۳ ببعد۔

[اضافہ از ضمیمۂ آ، طبع اوّل، ص ۹۰-۹۱]: ان کی مطبوعہ کتابوں میں سے مندرجۂ ذیل بھی قابلِ ذکر ہیں: (۱) الجَوْهَر المُنَظّم فی زیارة القبر المُکرّم، بولاق ۱۲۷۹ھ، قاہرہ ۱۳۰۹ھ، ۱۳۳۱ھ؛ (۲) الخَیْرات الحِسان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفة النّعمان، قاہرہ ۱۳۰۵ھ، ۱۳۲۶ھ؛ (۳) النُخَب الجَلیلة فی الخُطَبُ الجزیلة، قاہرہ ۱۲۹۰ھ، ۱۳۱۰ھ، ۱۳۲۴ھ؛ (۴) حاشیة علی ایضاح الامام النَّوَوِی فی مَناسِکِ الحجّ، قاہرہ ۱۳۲۳ھ، ۱۳۲۹ھ [اس طباعت پر ناشرین نے الطبعة الاولی لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اس سے پہلے یہ کتاب کم از کم ایک بار چھپ چکی تھی]، ۱۳۴۴ھ؛ (۵) شرح علی مختصر الفقیه عبد اللّٰه بافضل الحَضْرمی، یا المُقَدّمة الحضرمیة، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ۱۳۰۳ھ، ۱۳۰۹ھ، ۱۳۴۹ھ، بولاق ۱۳۰۹ھ؛ (۶) تحفة الاخبار فی مولد المختار، دمشق ۱۲۸۳ھ؛ (۷) شرح الاربعین حدیثًا النوویة، یا فتح المبین، مصر ۱۳۰۷ھ؛ (۸) شرح لقصیدة البردة، مصر ۱۳۰۷ھ؛ (۹) فتح الجواد فی شرح الارشاد، فقہ شافعی پر ابن المقری کی الارشاد کی شرح، مصر ۱۳۰۵ھ؛ (۱۰) مناسک الحجّ، مصر ۱۳۲۳ھ].

ان اور دوسری تصانیف کے مخطوطات کا ذکر براکلمان نے *GAL* میں کیا ہے نیز قب ہوتسما (Houtsma): *Cat. d'une collection de manuscr*، شمارہ ۵۰ و ۲۳۴ و ۴۹۹ و ۴۴۷ و ۱۰۹۰ و ۱۱۱۷ و ۱۱۶۳، ۲: ۴؛ حبیب الزّیات: خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها، ص ۵۳: عدد ۹۵ و ۹۶، ص ۵۹: عدد ۱۲۶، ص ۶۰: عدد ۳۴، ص ۶۲: عدد ۲۴، ص ۷۳: عدد ۳۰ - ۳۳، ص ۷۵: عدد ۶۸ [و یوسف العش: فهرس مخطوطات دار الکتب الظاهریة، دمشق ۱۹۴۷ء]؛ فولرز (Vollers): *Die Islam...... Hss.* (لائپزگ)، قب اشاریہ۔ اس کے علاوہ اور کتابوں کا ذکر تراجم مذکور میں آتا ہے۔

مآخذ: متن مادّہ میں مذکور حوالہ جات کے علاوہ حالاتِ زندگی کی وہ جزئیات جو (۱) الفتاوی الکبری کے دیباچے میں درج ہیں (۱: ۳ - ۵)؛ (۲) تراجم در النّور السّافِر، مخطوطہ شمارہ ۱۷۴۲، لائڈن (فہرست، طبع دوم، ۲: ۱۲۳)؛ بغداد [۱۳۵۳ھ]، ص ۲۸۷ - ۲۹۲؛ (۳) الرُّوح الباصِر علی بعض وَفَیاتِ الاَعْیان اهلِ القَرْن العاشِر (فہرست طبع دوم، ۲: ۱۲۳) لائڈن مخطوطہ، شمارہ ۱۷۴۲، صفحات ۱۳۵ الف تا ۱۳۶ ب؛ (۴) مناقب، بطور ضمیمۂ تحفة المحتاج، قاہرہ ۱۳۰۸ھ؛ (۵) براکلمان، ۲: ۳۸۷ ببعد، قب ۱: ۱۶۲ و ۲۶۶، ۳۶۴ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶؛ ۲: ۱۵۶ و ۱۵۷؛ [تکملہ، ۲: ۵۲۷] [اضافہ از ضمیمۂ آ، طبع اوّل]؛ (۶) ابن العِماد: شَذَرات الذَّهَب فی اخبارِ مَنْ ذَهَب، قاہرہ ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ھ، ۸: ۳۷۰ - ۳۷۱؛ (۷) الشوکانی: البَدْرُ الطّالِع، قاہرہ ۱۳۴۸ھ، ۱: ۱۰۹؛ (۸) سرکیس: معجم المطبوعات، قاہرہ ۱۳۴۶ھ، عمود ۸۱ - ۸۴؛ [(۹) الخَفاجی: ریحانة، ص ۱۶۳؛ (۱۰) صدیق حسن خان: اتحاف النبلاء، ص ۲۲۱؛ (۱۱) الاسدی: طبقات الشافعیة؛ (۱۲) عبدالحی لکھنوی: الفوائد البهیة، ص ۲۴۰؛ (۱۳) علی مبارک: الخطط الجدیدة، ۱۵: ۲۶؛ (۱۴) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادة، ۱: ۲۰۹].

(C. VAN ARENDONK)

---

* **ابن حِجّہ**: ابو المحاسن تقی الدّین ابو بکر بن علی بن عبد اللّٰه الحَمَوی القادری الحنفی الأَزْرَاری (اَزْرَاری، یعنی تکمہ ساز، کیونکہ وہ جوانی میں یہی کام کرتا تھا)، ایک عرب مصنّف، جو عہدِ ممالیک کا ایک مشہور ترین شاعر اور ایک خاص طرزِ نگارش کا مالک تھا۔ وہ ۷۶۸ھ/۱۳۶۶ء میں حَماۃ میں پیدا ہوا [لیکن قب شَذَرات، جہاں تاریخ پیدائش ۷۶۷ھ دی ہے]۔ تحصیلِ علم کے لیے سفر کرنے کے بعد جب وہ ۷۹۱ھ/[۱۳۸۸-۱۳۸۹ء] میں قاہرہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو اس نے دمشق کی وہ عظیم آتش زدگی دیکھی جو الظاہر برقوق کے محاصرے کے دوران میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اسی واقعے سے متاثّر ہو کر اس نے اپنی فصیح و بلیغ تحریر کا پہلا نمونہ ابن مُکانِس کے نام ایک

خط میں تحریر کیا (قبّ آلورٹ (Ahlwardt): *Verzeichnis der arab. Hdss. von Berlin*، شمارہ ۹۷۸۴)۔ اس زمانے میں جب وہ قاہرہ کے دیوان میں منشی کے عہدے پر فائز تھا، جو اسے اپنے مربّی سلطان المؤیّد شیخ (۸۱۵ - ۸۲۴ھ/ ۱۴۱۲ - ۱۴۲۱ء) کے کاتبِ خاص البارِزی کے طفیل ملا تھا، اس کی تخلیقی قابلیت اپنے منتہاے عروج کو پہنچ گئی۔ ۸۳۰ھ/ ۱۴۲۷ء میں سلطان المؤیّد کی وفات پر وہ اپنے وطن کو واپس آ گیا اور وہاں ۱۵ [۲۵؟ قبّ شَذَرات] شعبان ۸۳۷ھ/ ۲۸ مارچ [؟ ۱۷ اپریل] ۱۴۳۴ء کو اس نے وفات پائی۔ اس کے قصائد میں سے، جو اس نے الثَمرات الشھِیّة فی الفواکه الحمَوِيّة والزوائدِ المصرية کے نام سے جمع کیے، اس کا بہترین قصیدۂ بدیعیّہ المسمّٰی بہ خِزانة الادب و غاية الأرب ہے۔ اس پر اس نے ۸۲۶ھ/ ۱۴۲۳ء میں ایک شرح موسومہ تقدیم ابی بکر لکھی (قبّ Mehren: *Rhetorik*، ص ۱۲)، کلکتہ ۱۲۳۰ھ (المُتنبّی کے دیوان کے ضمیمے کے طور پر)؛ بولاق ۱۲۷۳ھ، ۱۲۹۱ھ، قاہرہ ۱۳۰۱ھ [البديعية کی ایک شرح عائشة الباعونيه نے بھی لکھی تھی، مصر ۱۳۰۴ھ]۔ اس کے خطوط اور مملوک دیوان انشا (chancery) کے فرامین کا مجموعہ موسومہ بہ قَھْوَة الانشاء، جس کے متعدّد قلمی نسخے موجود ہیں، تاریخی مقاصد کے لیے غالبًا کارآمد ثابت ہوگا۔ نظموں کا ایک مجموعہ بنام ثَمَرات (ثِمار) الاَوْرَاق بھی بہت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ مجموعہ بولاق میں الرّاغب الاصفهانی کی مُحاضَرات الأُدَباء کے حاشیے پر طبع ہوا — قاہرہ ۱۳۰۰ھ، اور ایک دوسرے ضمیمے (ذیل) مصنفۂ ابراہیم بن الاَحْدَب کے ساتھ الاِبْشِیْھی کی المُسْتَطْرَف کے حاشیے پر — قاہرہ ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ھ۔ علاوہ ازیں اس نے قدیم تصنیفات کی نئی طبعات اور تلخیصات شائع کیں، مثلًا ابن الهَبّاریہ کی الصّادح والباغِم کی۔ الشِروانی نے اپنی کتاب نفحة اليَمَن (قاہرہ ۱۳۲۶ھ)، ص ۱۵۰ - ۱۶۱، میں اس نسخے کا ملخّص دیا ہے [اس کی ایک اَور مطبوعہ کتاب کشف اللثام من وجه التورية والاستخدام بھی ہے، بیروت ۱۳۱۲ھ].

مآخذ: (۱) النعمانی: الروض العاطر (*Cod. Wetzst*، ۲: ۲۸۹)، ورق ۸۰ ب؛ (۲) مُنْتَخَب مِنْ تأريخِ قُطب الدّين النَهْرَوانی (Cod. Laid. Ar. 2010)، ورق ۸۵ ب؛ (۳) براکلمان، ۲: ۱۵ بعد؛ [(۴) ابن العماد: شَذَرات الذَّهَب، ۷: ۲۱۹؛ (۵) شوکانی: البَدْرُ الطَّالع، ۱: ۱۶۴؛ (۶) السُیُوطی: حسن المحاضرة، ۱۳۲۷ھ، ۱: ۲۴۶؛ (۷) السخاوی: الضوء اللامع، ۱۱: ۵۳-۵۶].

(C. BROCKELMANN براکلمان)

----

* **ابن حَزْم:** ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حَزْم، ایک اندلسی عرب فاضل، جسے کئی علوم وفنون میں دسترس تھی، مشہور عالمِ دین، مؤرّخ اور ایک ممتاز شاعر، ماہ رمضان ۳۸۴ھ کے آخری دن، یعنی ۷ نومبر ۹۹۴ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا [لیکن قبّ جذوة المقتبس، جہاں اس کی ولادت کا سنہ ۳۹۷ھ بیان ہوا ہے۔ بحوالۂ سرکیس، عمود ۸۵؛ براکلمان نے ۳۰ رمضان ۳۸۳ھ دیا ہے].

ابن حَزْم کا خاندان کورۂ نبلہ (Niebla) کے موضع منت لیشم (Manta Lisham) [متبادل شکل م-ت-لیجُم بمطابق اِرْشاد الاَرِیب، ۵: ۸۸ پائیں صفحہ، دریاے اودیل (Odiél) کے دہانے پر وَلْبہ (Huelva) میں نصف فرسخ کے فاصلے پر] میں رہتا تھا اور اس کے پردادا نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے باپ نے، جو منصور الحاجب اور اس کے بیٹے مظفّر کا وزیر تھا....، اپنا سلسلہ یزید بن ابی سفیان کے ایک ایرانی مولٰی سے جا ملایا۔ ایک اعلٰی عہدیدار کے فرزند کی حیثیت سے قدرتی طور پر ابن حَزْم نے بڑی اعلٰی تعلیم پائی اور وہ درباری فضا، جس میں اس نے اپنی جوانی کے دن گزارے، اس کے مستعد ذہن کو اپنے جملہ رجحانات کے نشوونما سے نہ روک سکی۔ وہ اپنے ایک استاد عبدالرحمٰن [بن محمد] بن ابی یزید الاَزْدی کا (جو خانہ جنگی کے دوران میں اندلس چھوڑ کر مصر واپس چلا گیا تھا، قبّ ابن بَشْکُوال، شمارہ ۷۵۳) ذکر کرتا ہے، جس سے اس نے مختلف علوم کی تحصیل کی [طوق الحمامة، ص ۱۱۰، سطر ۵؛ ص ۱۱۸، سطر ۱۳ بعد؛ طبع پتْرُوف، لائڈن ۱۹۱۴ء]۔ ۴۰۰ھ سے پہلے پہلے ابن حزم احمد بن الجَسُور (م ۴۰۱ھ، ابن بَشْکُوال، شمارہ ۳۷، قبّ طوق، ص ۱۳۶، سطر ۲۲، ص ۱۴۴، سطر ۹) کا شاگرد رہا اور سیاسی خلفشار کے دنوں میں ہم اسے قرطبہ میں حدیث کی تعلیم میں مصروف پاتے ہیں [طوق، ص ۱۲۷، سطر ۱۶ بعد].

بنو عامر کا تختہ جس انقلاب نے الٹ دیا تھا (قبّ Dozy: *Hist. des Musulmans d'Espagne*، ۳: ۲۷۱ بعد) اس سے باپ اور بیٹے دونوں کی حیثیت پر نمایاں اثر پڑا؛ چنانچہ ہشام الثانی کو جب دوبارہ تخت پر بٹھایا گیا (ذوالحجّہ ۴۰۰ھ/ جولائی ۱۰۱۰ء) تو ان دونوں کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ابن حَزْم کے باپ کا انتقال ذوالقعدہ ۴۰۲ھ کے تقریبًا آخری ایّام میں ہوا۔ محرّم ۴۰۴ھ میں اس نے قرطبہ کی اقامت ترک کر دی، کیونکہ خانہ جنگی کے دوران میں یہ شہر شدید آفتوں میں مبتلا رہ چکا تھا اور بلاط المغیث میں اس کے خاندان کا خوب صُورت محل بربروں نے تباہ و برباد کر دیا تھا [طوق، ص ۱۰۴، قبّ ۸۷ پائیں صفحہ بعد]۔ اب اس نے المرِیہ میں سکونت اختیار کی، جہاں وہ بظاہر نِسبَۃً آرام و سکون کی زندگی بسر کرتا رہا، یہاں تک کہ علی بن حمود نے خَیران العامری والی المرِیہ کے ساتھ مل کر سلیمان [الظافر] الاموی کو تخت سے الگ کر دیا (محرّم ۴۰۷ھ)۔ خیران کے دل میں یہ شُبہہ پیدا کیا گیا کہ ابن حزم امویوں کی حمایت میں سازش کر رہا ہے، اس لیے اس نے اسے اور اس کے دوست محمد بن اسحٰق کو پہلے تو چند ماہ قید رکھا پھر جلاوطن کر دیا؛ لہٰذا دونوں دوستوں نے حِصن القَصْر کی راہ لی، جس کا والی ان سے بڑے لطف و کرم سے پیش آیا؛ لیکن اس کے چند مہینے بعد جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن الرابع المرتضٰی بَلَنْسِیَہ میں خلیفہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو وہ اپنے میزبان سے رخصت ہو کر سمندر کے راستے بَلَنْسِیَہ روانہ ہو گئے،

جہاں ابن حزم کی اپنے کئی دوستوں سے ملاقات ہوئی (طوق، ص ۱۱۰ ببعد)۔ مرتضی کی فوج میں شامل ہو کر، جس کا وہ وزیر تھا، ابن حزم غرناطہ کے محاذ پر لڑا اور دشمن کے ہاتھ قید ہو گیا، جس نے تھوڑے ہی دنوں میں اسے رہا کر دیا (.Cat. Cod *Arab*، ۱: ۲۷۳)۔ چھے سال کی غیر حاضری کے بعد شوال ۴۰۹ھ میں وہ قرطبہ واپس آیا۔ اس وقت یہاں القاسم بن حمّود خلیفہ تھا (طوق، ص ۱۰۴، قب ص ۱۱۲، سطر ۲)۔ اس کی معزولی کے بعد مسندِ خلافت کے لیے عبدالرحمٰن الخامس المُستظہر جیسے عالم اور روشن ضمیر بادشاہ کا انتخاب ہوا (رمضان ۴۱۴ھ/دسمبر ۱۰۲۳ء) اور اس نے اپنے دوست ابن حزم کو وزیر منتخب کیا، لیکن یہ دونوں اس نئی صورت حال سے صرف چند دن لطف اندوز ہو سکے، اس لیے کہ عبدالرحمٰن کو سات ہفتے بعد قتل کر دیا گیا (ذوالقعدہ ۴۱۴ھ/جنوری ۱۰۲۴ء) اور اب ابن حزم کو ایک بار پھر قید خانے کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب تک قید خانے میں پڑا رہا، لیکن ۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء کے قریب قریب اس کا شاطبہ (Játiva) میں مقیم ہونا محقّق ہے۔ جیّانی کے قول کے مطابق (دریا قوت) وہ ایک بار پھر ہشام المعتدّ کے عہد میں منصبِ وزارت پر فائز ہوا۔ ابن حزم کی آخری عمر کے متعلق بہت تھوڑی معلومات دستیاب ہوتی ہیں، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اب اس نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی تاکہ اپنا سارا وقت علوم و فنون اور تصنیف و تالیف نیز اپنے عقائد کی تبلیغ و تائید میں صرف کرے۔

ابن حزم کی سب سے ابتدائی تصانیف میں ایک تو وہ کتاب ہے جس کا تعارف ڈوزی (Dozy) نے کرایا (طوق الحمامَة فی الألفَة والألّاف، طبع D. K. Pétroff، لائڈن ۱۹۱۴ء؛ قب تبصرہ از گولٹ تسیہر (Goldziher)، در *ZDMG*، ۶۹: ۱۹۲ ببعد) اور جسے اس نے شاطبہ (ص ۱، سطر ۸) میں ۴۱۸ھ کے لگ بھگ تصنیف کیا تھا (طوق، ص ۹۷ ببعد) [خیران کی وفات (۴۱۹ھ) سے قبل]؛ لیکن ابوالجیش (اسے یونہیں پڑھنا چاہیے) مجاہد کے خیران پر ایک حملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کی باہمی کشیدگی کے بعد ربیع الثانی ۴۱۷ھ میں؛ قب ابن الاثیر طبع تورنبرگ (Tornberg)، ۹: ۱۹۵؛ ایک اور نقطۂ آغاز طوق، ص ۴۲، سطر ۷، میں دیا گیا ہے۔ ابن بشکوال (شمارہ ۳۳۲) کے قول کے مطابق حَکَم بن مُنذِر ۴۲۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوا۔ اس رسالے میں، جو اس نے عشق اور اس کے مختلف پہلوؤں کے متعلّق لکھا ہے، ابن حزم نے علمِ نفس کے بارے میں اپنے نظریات کی وضاحت چھوٹے چھوٹے قصّوں سے، جو اس کے یا اس کے معاصرین کے مشاہدے میں آئے تھے، اور خود اپنی نظموں سے کی ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابن حزم کی قوّتِ مشاہدہ بڑی تیز تھی اور وہ ایک ذہین اور صاحبِ طرز انشا پرداز اور دلکش شاعر تھا۔ اس کتاب میں ہمیں نہ صرف اس کے اپنے کردار کی جھلک نظر آتی ہے بلکہ اس نے اپنے زمانے کی زندگی کے ایک ایسے پہلو پر بھی بڑے دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے جس کے متعلّق ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ غالبًا اس زمانے میں ابن حزم نے ایک اور رسالہ بنام رسالة فی فضل الأندلُس بھی تصنیف کیا، جو اس کے دوست ابوبکر محمد بن اسحٰق کے نام سے مُنتسب ہے (بقول الضبّی، شمارہ ۵۹) اور جسے المقری، طبع ڈوزی (Dozy) وغیرہ، ۲: ۱۰۹-۱۲۱ (طبع بولاق، ۲: ۷۶، سطر ۷ و ببعد) نے نقل کیا ہے۔ یہ رسالہ حاکم قلعة البُونت کی تحریک پر لکھا گیا (المقری ۲: ۱۱۰، قب ابن الأبّار: التکملة، شمارہ ۴۳۲) اور اس میں ہسپانیہ کے مسلمانوں کی اہم ترین تصنیفات کا دلچسپ انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ ابن حزم کی تاریخی تصنیفات میں سے نَقطُ العَروس فی تَوارِیخ الخُلَفاء [طبع مع ہسپانوی ترجمہ از C. F. Seybold در *Revista del Centro de Estudios históricos de Granada y su Reińo*، ۱: ۱۶۰ ببعد، ۲۳۷ ببعد، غرناطہ ۱۹۱۱ء [ایک اَور ترجمہ از L. Paredes، لائڈن سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا] اور جَمْهَرَة الأنْساب (أنْساب العَرَب) جو تقریبًا ۴۵۰ھ میں لکھی گئی (دیکھیے Codera: *Misión histórica en la Argelia y Tūnez*، میڈرڈ ۱۸۹۲ء، ص ۲۴ ببعد، ۸۳)۔ [اسے لیوی پرووانسال (Lévi Provençal) نے قاہرہ سے ۱۹۴۸ء میں شائع کیا]۔ یہ کتاب جس کی ابن خَلدون [عِبَر، طبع ۱۲۸۴ھ، ۶: ۸، ۸۹ ببعد، ۹۷ وغیرہ] نے بہت تعریف کی ہے اور جس کا اس نے اکثر حوالہ دیا ہے، المغرب اور اندلس کے عرب اور بربر خاندانوں کے انساب پر لکھی گئی ہے۔ اسے کودیرا (Codera) نے بنو حمّود، بنو تجیب (یہ دونوں مقالے اس کی کتاب *Estudios Criticos de Historia árabe aspoñola*، Zaragaza ۱۹۰۳ء، ص ۳۰۱ ببعد، میں بھی موجود ہیں) اور بنو امیہ (کتاب مذکور میں ص ۲۹ ببعد، ۴۱ ببعد، قب ص ۷۴ ببعد، ۷۵ ببعد، و مواضع کثیرہ) پر اپنے مقالات کے لیے بطورِ ماخذ استعمال کیا ہے۔

لیکن یہ خاص طور پر ایک محدّث اور عالمِ دین کی حیثیت تھی جس میں ابن حزم نے اپنی بیشتر ادبی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ پہلے پہل وہ شافعی مذہب کا پُرجوش پیرو تھا، لیکن بعد ازاں ظاہری فرقے سے جا ملا (قب ظاہریہ) اور دل سے اس کی طرف داری کرنے لگا۔ مسلک کی یہ تبدیلی بظاہر اس زمانے تک مکمّل ہو چکی تھی جب اس نے مذکورۂ بالا رسالہ تصنیف کیا (قب المقری، ۲: ۱۲۰، سطر ۹ ببعد) عین ممکن ہے کہ ابن حزم پر اپنے استاد ابوالخیار (یونہیں پڑھنا چاہیے، طوق، ص ۹۸، سطر ۱۰)، یعنی مسعود بن سلیمان بن مُفلِت، جو ظاہری المذہب تھا (ابن بشکوال، شمارہ ۱۲۳۸؛ الضبّی، شمارہ ۱۳۶۱)، کی تعلیم کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ [ظاہری معاصرین کے لیے قب ابن بشکوال، شمارہ ۱۱۹۵ و ۱۱۹۶]۔ اپنے رسالے اِبطَالُ القِیَاس وَالرّأی والاِسْتِحْسَان وَ التَّقْلِید وَ التَّحلِیل (مخطوطہ، Pertsch: *Gotha* .... *Verg*، شمارہ ۶۴۰) میں، جس کا گولٹ تسیہر (Goldziher) نے سب سے پہلے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا (*Die Ẓâhiriten*، لائپزگ ۱۸۸۴ء) ابن حزم نے اپنے اس نظریے کی پُرزور حمایت کی ہے کہ فقہی استنباط کی ان جزئیات کو جن کی بنیاد قرآن اور حدیث پر نہیں ردّ کر دینا ضروری ہے۔ اس کی تصنیف

کتاب الاِحْکام فی [لِ] اُصُول الاَحْکام (مخطوطات، کتب خانۂ خدیویہ فہرست (مطبوعہ ۱۳۰۵ھ)، ۲: ۲۳۶) کے عنوان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بھی ابن حزم نے اسی قسم کے مضامین سے بحث کی ہے (قب فصل ۳، ص ۷۶)۔ مسائل اصول الفقہ میں اس نام سے اس کی ایک مختصر تصنیف مصر میں ابن الامیر الصغانی اور القاسمی کے حواشی کے ساتھ چھپی ہے۔ اپنی تصنیف کتاب المُحلّٰی بالآثار فی شرح المُجَلّٰی الاقتِصار (اختصار) میں ابن حزم نے ظاہری نظامِ فقہ کو پیش کیا ہے۔ یہ بظاہر اس کتاب کے ان متعدّد نسخوں میں تمام وکمال شامل ہے، جو کتب خانۂ خدیویہ (فہرست، ۳: ۲۹۷ بعد) میں موجود ہیں۔ نامکمل صورت میں یہ تصنیف لائڈن، لینڈ برگ (فہرست، شمارہ ۶۴۶) اور قسطنطینیہ آیا صوفیا (شمارہ ۱۲۵۹ و ۱۲۶۰) میں ملتی ہے۔ اسی سے مشابہ نوعیت کے موضوع پر اس کی ایک اَور تصنیف اِیصال اِلی فَہمِ الخِصال (فصل ۱: ص ۱۱۴، سطر ۷ بعد) تھی، جو کتب خانۂ خدیویہ میں اس کے بیٹے ابو رافع کی مختصر میں موجود ہے (فہرست، ۳: ۲۹۷، ص ۱۳ بعد)۔

ابن حزم نے ظاہری اصولوں کو دینی عقائد پر منطبق کرنے میں ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ یہاں بھی اس نے مکتوبہ الفاظ اور مسلّمہ روایت کے ابتدائی مفہوم ہی کو قولِ فیصل قرار دیا اور یہی نقطۂ نظر تھا جس کے ماتحت اس نے اپنی سب سے زیادہ مشہور تصنیف کتاب الفَصل فی المِلل والاَھواء والنِحَل (قاہرہ ۱۳۱۷-۱۳۲۱ھ) میں اسلام کے مذہبی فرقوں پر بڑی تیز اور تلخ تنقید کی ہے، بالخصوص اشاعرہ اور ان کے خیالات پر جو انھوں نے صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں ظاہر کیے ہیں، لیکن جہاں تک قرآن کی تشبیہی عبارتوں کا تعلق ہے ابن حزم کو مجبوراً انھیں کسی نہ کسی تعبیرِ روحانی سے مطابقت دینا پڑی۔ عقائدِ ایمانی اور فلسفے کے باہمی تعلقات کے بارے میں ابن حزم کے تصوّرات کا ابھی تک کسی نے جائزہ نہیں لیا، اگرچہ گولٹ تسیہر (Goldziher) نے اس کے چند بنیادی عقائد کا ذکر مجملاً کیا ہے، قب نیز اقتباسات در Horten (دیکھیے ذیل میں)۔ ابن حزم کے اصولوں کا علمِ اخلاق پر جو اثر پڑا اس کے لیے قب گولٹ تسیہر (Goldziher): کتاب مذکور، ص ۱۶۲ بعد؛ نیز اولیا پرستی، عقائدِ تصوّف اور علمِ نجوم کے خلاف معتقدین توحید کے ردِّ عمل کا حامی ہونے کی حیثیت سے ابن حزم کے متعلق دیکھیے Schreiner: *Beitr*۔ ہم نے ابھی جس تصنیف کا ذکر کیا ہے اَور جس سے پورے طور پر ہمیں سب سے پہلے گولٹ تسیہر نے روشناس کرایا ابن حزم نے غیر اسلامی عقائد، مثلاً عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد پر بھی تنقید کی ہے اور ان کی تحریروں میں متضاد اور متبائن بیانات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے خلاف مقدّس متون کی تحریف الزام کو حق بجانب ثابت کر سکے (قب Goldziher: *Geschurun*، *Zeitschr. für die Wiss. des Judenthums*، ۸ (۱۸۷۲ء): ۷۶ بعد و *ZDMG*، ۳۲ (۱۸۷۸ء): ۳۶۳ بعد؛ Schreiner: وہی مجلّہ، ۴۲: ۶۱۲ بعد)۔ جیسا کہ Isr. Friedlaender نے گولٹ تسیہر (Goldziher) کی پیروی کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا کہ اس تصنیف کی (جسے مصنّف بار بار دیوان کے نام سے پکارتا ہے، مثلاً ۱: ۱۰۷، سطر ۱۱؛ ۴: ۱۷۸، سطر ۱۶؛ ۵: ۷۹، سطر ۱۸) منطقی ترتیب میں ایک حد تک اس وجہ سے خلل آ گیا ہے کہ اس میں بعض ایسی تصانیف بھی شامل کر دی گئی ہیں جو حقیقت میں اس سے بالکل الگ تھیں۔ (*Zur Komposition von Ibn Ḥazm's Milal wan'- Nihal*، در *Orient. Stud. Th. Nöldeke gewidment*، ۱، ۲۶۷ بعد)۔ اس تصنیف کے مخطوطات سے، جن میں بہت مختلف تاریخوں کا حوالہ ہے، Friedlaender کی رائے میں یہ پتا چلتا ہے کہ اس پر دوبارہ نظرثانی کی گئی ہے۔ داخل کردہ حصص یہ ہیں: (الف) مطبوعہ متن میں ۱: ۱۶۶-۲: ۹۱، جو بعینہٖ کتاب اِظہار تَبدِیل الیہود والنّصارٰی لِلتَّورات والاِنجیل وبیان تناقُض ما باَیدِیھِمْ مِنھَا مِمَّا لَا یَحتَمِلُ التَّأوِیل ہے؛ (ب) ۴: ۱۷۸-۲۲۷، جو رسالة النصائح المُنْجِیة من الفضائح المخزِیَة والقبائح المُردِیَة من اقوال اھل البدع والفِرَق الاربع المُعْتزلة والمُرجِئة والخَوارِج والشِّیعة پر مشتمل ہے اور جس میں سے Friedlaender نے ملحدانہ نظریات کا ایک عمومی جائزہ لیتے ہوئے (۲: ۱۱۱-۱۱۷) اس باب کا ترجمہ کیا ہے جو شیعوں سے متعلّق ہے (۴: ۱۷۸-۱۸۹) اور اسی طرح شیعی عقائد کے بارے میں دو عبارتوں کا بھی جس میں اس نے اس مواد سے استفادہ کرتے ہوئے، جو مخطوطات میں پایا جاتا ہے، بڑے پُر از معلومات حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے (*The Heterodoxies of the Shiites*، نیو ہیون (New Haven) ۱۹۰۹ء، در *Journ. of the Amer. Orient. Soc.*، جلد ۲۵ و ۲۹؛ وہی مجلّہ، دربارۂ مخطوطات [قب نیز *ZDMG*، ۶۶: ۱۶۶] وتصحیحات)؛ (ج) نیز غالبًا ۴: ۸۷-۱۷۸۔ وہ تصنیف جو الاِمامَة والمُفَاضَلَة کے بارے میں ہے اور جس کے عنوان کا موازنہ Friedlaender نے (جیسا کہ یاقوت میں ابن حیّان نے) کتاب الاِمامَة والسِّیاسَة فی قِسمِ سِیَر الخُلفاء ومَراتبِھا والواجِبِ منھا سے کیا ہے؛ ممکن ہے کہ ابن حزم کا رسالة فی المفاضلة بین الصحابة یہی ہو، مخطوطۂ دمشق، حبیب الزیّات: خزائن الکتب فی دمشق وغیرہ، ص ۸۲ سطر ۴ [المُفَاضَلة بَیْنَ الصَّحابَة الگ کتاب ہے، جو المطبعة الہاشمیہ دمشق ۱۹۴۰ء سے شائع ہو چکی ہے، طبع سعید الافغانی]۔ اس کی کتاب النُّبْذَة الکافیة فی اُصُول احکامِ الدِّین، مخطوطۂ برلن، شمارہ ۵۳۷۶ میں شامل ہے۔

مَنْطِق کی بحث میں ابن حزم نے ایک کتاب التَقْرِیب فی حُدُوْدِ المَنْطِق تصنیف کی تھی جو ضائع ہو گئی؛ لیکن اگر فصل، ۱: ۴، سطر ۱۰ و فصل، ۳: ۹۰ و فصل، ۵: ۲۰، سطر ۲ و فصل، ۵: ۷۰ کے بیانات کا مرجع یہی کتاب ذرا مختلف نام کے ساتھ ہے تو ہمیں اس کے مضامین کا کچھ تھوڑا بہت علم ہو سکتا ہے۔ یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ علم کلام میں ابن حزم کے اس رسالے سے، جو اس کی اپنی تنہا (اور پہلی؟) ایسی تصنیف ہے جس کا ذکر اس نے اپنے رسالة تاریخ ادب میں کیا

ہے، مراد یہی کتاب ہے گو ازراہِ انکسار اس نے اس کا نام نہیں لیا۔ علمِ کلام میں اس کا استاد (ابن خَلّکان، الذہبی) محمد بن الحسن المذحِجی تھا (ابن الاَبّار: التکملۃ، شمارہ ۴۱۱)، جس کی بحیثیت ایک فلسفی مصنّف کے وہ بڑی تعریف و توصیف کرتا ہے؛ لیکن ابن حَزم کی اس تصنیف کو کچھ بہت زیادہ پسند نہیں کیا گیا، بلکہ اسے اس بنا پر قصوروار ٹھیرایا گیا کہ اس میں اس نے ارسطو کی تردید کی تھی، حالانکہ مجموعی اعتبار سے وہ اس کی بلندی مرتبت کا قائل تھا، نیز اس لیے کہ ابن حزم نے اس موضوع پر مروّجہ طریقے سے ہٹ کر بحث کی تھی۔ اس ضمن میں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ابن حَزم نے ادراکِ حسّی [کی اہمیت] پر بالخصوص زور دیا ہے۔

کتاب النّاسخ والمنسوخ (مطبوعۂ قاہرہ، برحواشی نسخۂ ہائے تفسیر الجلالین، ۱۲۹۷ھ، ۱۳۰۸ھ) اور بعض دوسری کتابوں میں، جو ضائع ہو چکی ہیں، ابن حَزم نے قرآن اور حدیث سے بحث کی ہے۔ مناظرانہ تحریروں میں ایک طنزیہ قصیدہ (ہجو) کا ذکر باقی ہے (قبّ ابوبکر بن خَیر، فہرست، طبع Codera و Ribera، ۱: ۴۰۹ بعد) اور جو السُّبکی کی کتاب طبقات الشافعیۃ، ۲: ۱۸۴-۱۸۹ میں محفوظ ہے۔ یہ قصیدہ بوزنطی شہنشاہ Nikephoros II Phokas کی طرف سے ایک منظوم اعتراض کے جواب میں لکھا گیا (قبّ السُّبکی: کتابِ مذکور، ۲: ۱۷۸ بعد اور فلوگل (Flügel): *Dic. Arab...Mss...der Hofbibl. Zu. Wien.*، ۱: ۴۴۹ بعد)۔ علمِ اخلاق میں ابن حَزم کا رسالہ کتاب الاَخلاق والسِّیَر فی مُداواۃ النُّفُوس (قاہرہ تاریخ طبع ندارد)، اس کی پختہ سالی اور بہت سے تلخ تجربات کا ثمرہ ہے۔ اس میں اس نے پاکیزگی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے اور [حضور] نبی [کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم] کے اسوۂ حسنہ کو معیارِ اخلاق ٹھیرایا ہے (قبّ گولٹ تسیہر (Goldziher): *Vorlesungen*، ص ۳۰)۔ Miguel-Asin اس رسالے سے بحث اور اس کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں کر چکا ہے (*Los Caracters y la Conducta. Tratado de Moral Práctica por Aben Hazam de Cōrdoba*، میڈرڈ ۱۹۱۶ء) (قبّ طوق، ص ۴۳، سطر ۸) ابن حَزم، جو بالطبع مناظرے پر مائل رہتا تھا، یہودیوں، عیسائیوں اور مختلف فرقوں کے مسلمانوں کو دعوتِ مناظرہ دیتا رہا۔ وہ ایک زبردست حریف تھا اور جو شخص اس کے مقابلے میں آتا اس طرح "اچھل کر دور جا گرتا جیسے اس نے کسی پتھر سے ٹکر لی ہو" (ابن حیّان)۔ اس نے [بعض] ایسے افراد کے متعلّق تنقید سے کام لیا جن کی بیشتر مسلمان انتہائی تعظیم و تکریم کرتے تھے، مثلاً اشعریؒ، ابوحنیفہؒ اور مالکؒ۔ ایک مشہور ضرب المثل کے مطابق ابن حزم کا قلم ایسا ہی تیز تھا جیسے حجّاج کی تلوار [ابن العریف]؛ بایں ہمہ اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ اپنے مخالفین سے انصاف کرے اور ان کے خلاف ارادۃً بے بنیاد الزام لگانا اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ اپنے رسالہ علم الاخلاق میں وہ اپنی اس شدّت کا سبب ایک علالت کو ٹھیراتا ہے، لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جنھوں نے اس کے خیالات سے اتّفاق کیا۔ کچھ عرصے کے لیے اسے احمد بن رشیق کی حمایت حاصل ہو گئی (الضبّی، شمارہ ۴۰۰) جو میورقہ (Majorca) میں مجاہد کی طرف سے والی مقرّر تھا اور جسے دینیات اور ادب دونوں سے یکساں شغف تھا؛ چنانچہ جب قرطبی اور دوسرے علمائے دین نے ابن حزم کے خلاف یہ فتوٰی صادر کیا کہ وہ مذہبِ مالکیہ کا مخالف ہے تو احمد بن رشیق کے دامن میں پناہ ملی (ڈوزی (Dozy): *Notices*، ص ۱۹۰ بعد)۔ وہ ۴۳۰ھ سے ۴۴۰ھ تک اس کے زیرِ سرپرستی اس جزیرے کے بعض لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا (قبّ ابن الاَبّار: التکملۃ، شمارہ ۱۴۶۷، ابن بشکوال، شمارہ ۹۰۳)۔ ابن رشیق (جو ۴۴۰ھ کے بعد ہی فوت ہو گیا تھا) کے سامنے اس نے ایک نامور عالمِ دین ابوالولید سلیمان الباجی سے مناظرہ کیا، جو ۴۴۰ھ کے قریب بلادِ مشرق سے واپس آیا تھا، لیکن آگے چل کر پھر جب اسی حریف کو میورقہ کے ایک فقیہ نے بلا لیا تو ابن حَزم کو وہاں سے رخصت ہونا پڑا (ابن الاَبّار: کتابِ مذکور، شمارہ ۴۴۳، قبّ Codera: *Estudios Criticos*، وغیرہ ص ۲۶۴ - ۲۶۹)۔ ابن حَزم چونکہ ان راسخ العقیدہ ائمّہ پر بھی الحاد کا الزام لگاتا تھا جنھیں سند تصوّر کیا جاتا ہے اس لیے اکثر علمائے دین نے اسے اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا، جن میں سے بظاہر بعض اس سے اس کے علم و فضل کی وجہ سے بھی حسد کرتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اس کے عقائد کی غلطیوں سے آگاہ کیا اور بادشاہوں کے دل میں اس کے بارے میں شبہات پیدا کر دیے۔ اس پر تھوڑے ہی دنوں میں یہ حالت ہو گئی کہ انھیں ابن حَزم کا اپنی مملکت میں رہنا گوارا نہ رہا۔ بنوامیّہ کے ساتھ دلی ہمدردی (تشیع، ابن حیّان) کے باعث لوگ اسے اَور بھی خطرناک سمجھتے تھے۔ ان مسلسل اور متواتر اذیتوں سے بچنے کے لیے وہ مَنت لِیْشَم جا کر اپنی خاندانی جاگیر میں عزلت گزیں ہو گیا۔ اس کی تحریریں اشبیلیہ میں سرِ بازار نذرِ آتش کی گئیں اور اس نے لوگوں کی اس حماقت پر ان کے خلاف بذلہ سنجانہ انداز میں طنزیہ اشعار لکھ کر ان کی سرزنش کی۔ اپنی گوشہ نشینی میں بھی ابن حزم نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا۔ اس کے بیٹے ابورافع کے قول کے مطابق اس کی کل تصانیف کی تعداد ۴۰۰ تھی جو ۸۰,۰۰۰ اوراق پر پھیلی ہوئی تھیں، لیکن ان میں بیشتر ایسی تھیں جن کی اشاعت اس کے اپنے علاقے تک محدود رہی (ابن حیّان)۔ شاگردوں کا ایک مختصر سا حلقہ اس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں بھی جمع ہو گیا، جن میں یہ ہمّت تھی کہ علمائے دین کی لعنت ملامت برداشت کر سکیں۔ مؤرّخ الحُمَیدِی بھی ان میں شامل تھا۔ ابن حزم کا انتقال اپنے گاؤں میں ۲۸ شعبان ۴۵۶ھ / ۱۵ اگست ۱۰۶۴ء [لیکن قبّ جذوۃ المقتبس، جہاں سالِ وفات ۴۴۴ھ دیا ہے، سرکیس، عمود ۸۵؛ براکلمان نے ۳۰ شعبان ۴۵۶ھ لکھا ہے] کو ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار منصور المُوَحِّد نے اس کے مزار پر کہا تھا: "جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو سب علما کو ابن حزم ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے" (المقری، ۲: ۱۶۰ سطر ۱۲)۔

اس کے بیٹوں میں سے ابو رافع الفضل (م ۴۷۹ھ) کا ایک فاضل مصنّف کی حیثیت سے (ابن بَشکُوال شمارہ ۹۹۴) اور ابواسامہ یعقوب (وہی